

کیوں کر نہ نماز آپ پہ سب رضویوں کو ہو
یہ سارہ عظیم ہیں قصرِ رضا کے آپ

سیرت بتا رہی ہے بہانگِ دہل ہمیں
آئینہ حیات ہیں خیمہ لورہی کے آپ

شاہِ جلالِ اہلسنت

رضاکوئی ڈی

۲۶- کامبیکرا سٹریٹ، ممبئی ۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سیرت بتا رہی ہے بے باگ و ہل ہمیں
آئینہ حیات ہیں خیر الوریٰ کے آپ
کیوں کرنے ناز آپ پہ سب رضویوں کو ہو
مینارہٴ عظیم ہیں قصر رضا کے آپ

تاجدارِ اہلسنت

ناشر

رضا اکیڈمی

marfat.com

Marfat.com

سلسلہ اشاعت ۳۷۵

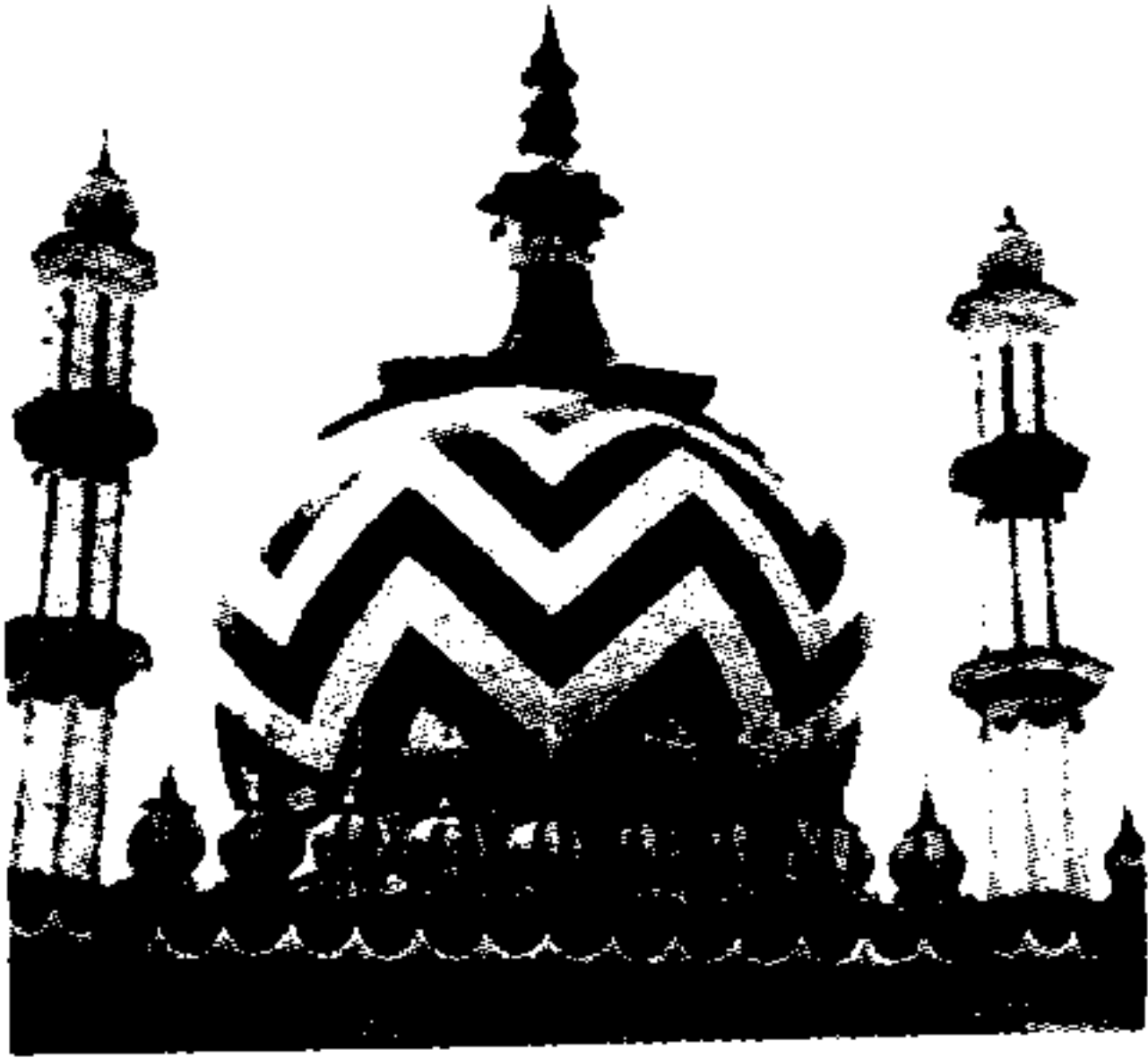
نام کتاب	تاجدار اہلسنت
بموقع	۲۵ رواں سالہ عرس حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ ۱۳ محرم الحرام ۱۴۲۷ھ
طابع	رضا آفسیٹ ممبئی ۳
ناشر	رضا اکیڈمی ۲۶، کامبیکرا سٹریٹ ممبئی ۳ فون: ۲۳۳۵۳۲۹۶/۵۶۳۳۲۱۵۶

marfat.com

Marfat.com

لبالب ہے مے عرفاں سے جام مفتی اعظم
جسے پیتے ہیں ہم مے کش بنام مفتی اعظم

(حضور احسن العلماء علیہ الرحمہ)



مفتی بن کر دکھائے اس زمانہ میں کوئی
ایک میرے مفتی اعظم کا تقویٰ چھوڑ کر

(حضور علامہ ازہری میاں)

marfat.com

Marfat.com

مشمولات

صفحہ نمبر	صاحب مضمون	مضمون
۷	برہان ملت حضرت مفتی محمد برہان الحق صاحب رضوی جیلہ ری	مفتی اعظم ہند ایک تاریخ ساز شخصیت
۲۳	تائب مفتی اعظم حضرت علامہ مفتی شریف الحق صاحب امجدی	مفتی اعظم اپنے فضل و کمال کے آئینے میں
۵۹	بحر العلوم مفتی عبدالمنان صاحب شیخ الحدیث مدرسہ شمس العلوم ممبئی	مفتی اعظم کا تقویٰ اور متشرع زندگی
۸۱	حضرت علامہ مفتی اختر رضا صاحب ازہری بریلی شریف	مفتی اعظم علم و فن کے دریائے ذخار
۸۷	مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی استاذ الجامعہ الاشرافیہ مبارکپور	مفتی اعظم کے ایک فتویٰ کا تقابلی مطالعہ
۱۰۵	مولانا ایس۔ اختر مصباحی دارالقلم، دہلی	مفتی اعظم ہند کا تقویٰ اور خشیت ربانی
۱۱۵	ڈاکٹر فضل الرحمن شرر مصباحی لکچر اربطیہ کالج، دہلی	ایمر جنسی کا پرخطر دور اور مفتی اعظم کی جرأت ایمانی
۱۲۰	مولانا محمد احمد مصباحی رکن الجمع الاسلامی	مفتی اعظم عوام دخواص کا مرکز عقیدت
۱۲۷	ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم لکچر شعبہ ادیان بہار یونیورسٹی نئی دہلی	مفتی اعظم ہند افریقہ سیاست پر
۱۳۳	مولانا بدر القادری اسلامک اکیڈمی، ہالینڈ	مفتی اعظم ہند اور دور حاضر کے علماء و مرشدین
۱۵۷	پروفیسر مسعود احمد صاحب پاکستان	مفتی اعظم ہند شہزادہ امام احمد رضا
۱۷۲	شیخ الاسلام علامہ محمد مدنی اشرفی جیلانی	مفتی اعظم ہند استقامت کا جبل عظیم
۱۸۱	ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم، بہار یونیورسٹی نئی دہلی	مفتی اعظم ہند
۱۸۸	مولانا توصیف رضا خاں صدر جمعیت العوام بریلی شریف	پندرہویں صدی کا مجدد
۱۹۳	مولانا محمد قمر الحسن بستوی، ایم اے علیگ	حضرت نوری بریلوی کی شاعرانہ پیکر تراشی
۲۲۱	مولانا بدر القادری، اسلامک اکیڈمی، ہالینڈ	تصور جاناں
۲۲۸	مولانا محمد حسین ابولقانی رضائے مصطفیٰ لوکھا، بہار	حضرت نوری بریلوی کی شاعری احادیث کی روشنی میں
۲۳۳	علامہ عبدالرحمن خاں مدیر ماہنامہ علیحضرت بریلی شریف	مفتی اعظم ہند اور شہدگی تحریک
۲۳۹	مولانا ایس۔ اختر مصباحی دارالقلم، دہلی	خورشید ہدایت
۲۵۳	وقار صدیقی	ماہ رضا
۲۸۲	عبدالجید خان رضوی اشرفیہ مبارک پور	مفتی اعظم ہند کا مقام عزیمت
۲۹۳	مولانا فروغ احمد اعظمی استاذ دارالعلوم علیہ ہمد اشاہی بمبئی	مفتی اعظم ہند کے افادات علیہ
۳۰۵	مولانا محمد شہاب الدین رضوی	تحریک نسبندی
۳۲۰	مولانا محمد شہاب الدین رضوی	تحریک گاؤں کشی
۳۲۷	مولانا محمد شہاب الدین رضوی	تحریک جہاد
۳۳۳	مولانا محمد شہاب الدین رضوی	تحریک خلافت
۳۳۵	مولانا محمد شہاب الدین رضوی	تحریک آل انڈیا، قاف کانفرنس، دہلی
۳۳۷	مولانا محمد شہاب الدین رضوی	جماعت انصار الاسلام بریلی

پیش لفظ

باسمہ تعالیٰ و تقدس

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اما بعد اس عالم رنگ و بو میں بے شمار ایسی شخصیتیں جلوہ گر ہوئیں جن کی حکمت و دانائی، فضل و کمال، فکرو فن، طہارت و پاکیزگی اور جذبہ اخلاص و للہیت کی خوشبو سے ایک جہاں معطر ہے اور ان کے برکات کا چشمہ صافی آج بھی جاری و ساری ہے جس سے تشنگان علم و معرفت میرابی حاصل کر رہے ہیں۔

انہیں نفوس قدسیہ اور ذوات کریمہ میں شہزادہ علیٰ حضرت تاجدار اہلسنت حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ کا بھی نام نامی ہے۔ بلاشبہ آپ کی ذات امت مسلمہ کے لئے ایک عظیم نعمت تھی۔ رب تعالیٰ نے آپ کو گونا گوں اوصاف و کمالات اور فضائل سے نوازا تھا۔ خشیت ربانی اور اتباع شریعت میں اپنی مثال آپ تھے۔ عشق رسول آپ کو ورثہ میں ملا تھا۔ شریعت و طریقت کے مجمع البحرین اور حسین سنگم تھے۔ اسلام و سنیت کی نشر و اشاعت اور دین مصطفوی کی تبلیغ و ترویج زندگی کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ حق گوئی و بیباکی طرہ امتیاز تھا۔ تقویٰ اور شریعت کی پاسداری آپ کی فطرت تھی۔

ان کا سایہ اک تجلی ان کا نقش پا چراغ

وہ جدھر گزرے ادھر ہی روشنی ہوتی گئی

یہی وجہ ہے کہ آپ کی مدح خوانی میں اپنے اور بیگانے سب رطب اللسان ہیں اور اباب علم و دانش آپ کی بارگاہ میں نذرانہ عقیدت پیش کرنے میں اپنی سعادت سمجھتے

marfat.com

Marfat.com

ہیں۔

بیسویں صدی کے اختتام سے سیدنا علیؑ حضرت امام احمد رضا اور حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہما کی بارگاہ میں نذرانہ عقیدت پیش کرنے کا جو اسلوب و انداز محترم الحاج جناب محمد سعید نوری صاحب زید مجدہ بانی رضا اکیڈمی مجاہد سنیت ممبئی نے اپنایا ہے وہ قابل صد تحسین و تبریک ہے۔

محترم نوری صاحب نے ان عظیم المرتبت شخصیات کا علمی تعارف کرانے میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ اور ان کی بہشت پہلو زندگی کو عالم اسلام کے سامنے اجاگر کرنے میں بے نظیر جدوجہد فرمائی ہے۔

آپ کے ہاتھوں میں مقالات و مضامین کا یہ حسین گلدستہ بھی اسی مبارک سلسلہ کی ایک کڑی ہے جو جماعت اہلسنت کے جلیل القدر علماء کرام و مشائخ عظام اور مشاہید علم و ادب کی گرانقدر تحریرات پر مشتمل ہے۔ اس مجموعہ کو رضا اکیڈمی کے ارباب حل و عقد نے آنے والے ۲۵ سالہ عرس حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ کی تیاری کے طور پر مختلف رسائل و جرائد سے یکجا کر کے شائع کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ اپنے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل اسے قبول فرمائے اور حضور مفتی اعظم ہند کے فیضان سے عالم اسلام کو مالا مال فرمائے۔ آمین۔

محمد اختر حسین قادری

خادم درس و افتاء دارالعلوم علیہ جمہ اشاہی

۱۷ صفر المظفر ۱۴۲۶ھ

marfat.com

Marfat.com

مفتی اعظم ہند

ایک تاریخ ساز شخصیت

(برہان الملت حضرت علامہ مفتی محمد برہان الحق صاحب رضوی جیلپوری)

حضور مفتی اعظم ہند شاہزادہ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خاں صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاه عنہ کے وصال پر ملال اور دائمی مفارقت نے دل بے قرار اور دماغ و طبیعت کے انتشار کو فقیر کے سارے حالات پر ایسا ملط کر دیا ہے کہ جس وقت حضرت اقدس کا خیال آتا ہے آہ کے ساتھ آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں انا للہ و انا الیہ راجعون اللہم اجرنی فی مصیبتی و اخلف لی خیرا منہ انا الی ربنا راجعون۔

مشیت پروردگار اور رضائے الہی پر صبر و رضا کے ساتھ حضرت اقدس علیہ الرحمہ کے خادم آستان برہان پر جو اکرامات اور احسانات کا فیض جاری رہا ہے اور اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجددین و ملت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس غلام آستان کو حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے برابر ہمیشہ فیوض و برکات سے نوازا اس کے چند مختصر حالات تسکین قلب کے لئے قلم بند کر رہا ہوں۔

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے مجھ فقیر کو ہمیشہ اپنا بھائی فرمایا اس بنا پر کہ اعلیٰ حضرت مجددین و ملت امام اہل سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس خادم کو اپنا روحانی بیٹا فرمایا میں نے جو زمانہ بریلی شریف میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضور تعلیم علوم دین اور اکتساب فیوض و برکات ظاہری و باطنی اور روحانی حاصل کرنے کے لئے گزارا اس زمانے میں حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ سے میرا تعلق گئے بھائیوں جیسا رہا اور وہی نعمت وصال

کے وقت تک قائم رہی جس طرح اعلیٰ حضرت امام اہل سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جبلپور کے متعلق اور حضرت والد ماجد عید الاسلام شاہ محمد عبد السلام علیہ الرحمہ کے بارے میں اور اس خادم کے لئے ایک والا نامہ میں تحریر فرمایا:

سپس بہر عبد السلام این سپاس
 کہ از شکر خالق بود شکرنااس
 وطن گرچہ آرام درخوست
 جبل پور مارا از خوشترست
 نہ از خود شد او فرحت افزا مقام
 کہ از عبد الاسلام عبد السلام
 تولائے اصحاب آں محترم
 بر ایچختہ از وطن خاطر
 سلامت بود شاہ عبد السلام
 بحق محمد علیہ السلام
 الہی نگہدار برہان حق
 بود دائما از وے اعلان حق
 برائے تو نسل تو دائما
 بود از احد لطف ز احمد رضا

حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ اکثر فرماتے ہیں کہ میرا ایک گھر بریلی شریف میں اور دوسرا گھر جبلپور میں ہے فقیر حالانکہ اس آستانہ عالیہ رضویہ کا ادنیٰ ترین خادم ہے لیکن حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے ہمیشہ مجھے اپنے برابر رکھا اور اعلیٰ حضرت امام اہل سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اپنے ایک طویل قصیدہ میں جہاں اپنے شاگردوں اور خلفا کا ذکر فرمایا ہے اس

خادم کا حضرت مفتی اعظم ہند کے ساتھ ذکر فرمایا ہے حضرت مفتی اعظم ہند کا اسم گرامی مشہور مصطفیٰ رضا خان اور کنیت آل الرحمن ہے اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس قصیدے کے ایک شعر میں ہم دونوں کا ذکر فرمایا اور پھر شعر میں ہی نہیں بلکہ ایک ہی مصرعے میں ہمارے دونوں کے ناموں کو جمع فرما دیا جبکہ ہر شاگرد اور خلیفہ کا ذکر علیحدہ علیحدہ شعر میں فرمایا ہے ہمارے متعلق جو شعر ارشاد فرمایا ہے وہ یہ ہے

آل الرحمن ، برهان الحق

شرق پہ برق گراتے یہ ہیں

تحریک خلافت اور قومی حکومت

جن دنوں ہندوستان میں تحریک خلافت اور ہندو مسلم اتحاد اور انگریزوں کی حکومت کے خاتمہ کی تحریک زوروں پر تھی رجب ۱۳۳۹ کا واقعہ ہے کہ خادم آستان بریلی شریف حاضر ہوا اس وقت یہ عام تحریک چل رہی تھی کہ ہندوستان میں قومی حکومت قائم ہوگی اور اس سلسلے میں ایک بہت بڑا اجلاس بریلی میں زیر صدارت ابوالکلام آزاد منعقد ہوا اسی اجلاس میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شرکت کی دعوت دی گئی تھی مگر اعلیٰ حضرت نے اس جلسے میں شرکت نہیں فرمائی اور اس زمانے کے چلنے والی تحریکات میں جو خلاف شرع باتیں تھیں ان کے پیش نظر اس اجلاس میں ایک وفد کو ستر سوالات کے ساتھ افہام تفہیم کے لئے روانہ فرمایا جو بصورت اشتہار اتمام حجت نامہ شائع ہو کر اراکین خلافت کمیٹی تک پہنچایا جا چکا تھا جو وفد اعلیٰ حضرت کی جانب سے مناظرہ کے لئے روانہ کیا گیا تھا اسی وفد کے ساتھ فقیر بھی جلسہ گاہ میں پہنچا ابوالکلام سے فقیر نے مناظرہ کے آخر میں جو سوالات کیے اسکے پاس سوائے لنعنة الله على قائله ، لعنة الله على قائله کہنے کے اور کچھ کہنے کو نہ تھا اس واقعہ کی پوری تفصیل روداد مناظرہ اور اکرام امام احمد رضا میں تحریر ہے۔

اکرام امام احمد رضا مصنفہ حضرت مولانا مفتی برہان الحق صاحب دامت برکاتہم
القدسیہ ترتیب و تخیبہ پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب مرکزی مجلس رضالاہور سے شائع ہوگئی
ہے۔

دارالقضا شرعی کا قیام

اسی موقع پر اعلیٰ حضرت امام اہل سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعض عقیدت مند اور ذی
اثر صاحب رائے حضرات کے عرض کرنے پر بریلی شریف میں دارالقضا شرعی کے لئے
قاضی شرع اور قاضی شرع کو شرعی احکام و اعانت کے لئے مفتی کی ضرورت ہوتی ہے اس
سلسلہ میں ایک دن صبح قریب نو بجے اعلیٰ حضرت مکان سے باہر تشریف لائے تخت پر ایک
قالین بچھانے کا حکم فرمایا ہم سب حیرت زدہ تھے کہ حضور یہ اہتمام کس لئے فرما رہے ہیں
پھر حضور امام اہل سنت ایک کرسی پر تشریف فرما ہوئے اور حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی
صاحب علیہ الرحمہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں آج بریلی میں دارالقضا شرعی کے قیام کی
بنیاد رکھتا ہوں اور انھیں اپنی طرف بلا کر ان کا داہنا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے کر
قالین پر انہیں بٹھا کر فرمایا میں آپ کو ہندوستان کے لئے قاضی شرع مقرر کرتا ہوں
مسلمانوں کے درمیان اگر ایسے کوئی مسائل پیدا ہوں جن کا شرعی فیصلہ قاضی شرع ہی
کر سکتا ہے وہ قاضی شرع کا اختیار آپ کے ذمہ ہے پھر دعا پڑھ کر کچھ کلمات فرمائے جن کا
اقرار حضرت صدر الشریعہ نے کیا اس کے بعد حضور نے اس خادم برہان کو بلایا اور اپنے
دست مبارک میں میرا داہنا ہاتھ لے کر اپنی مسند پر حضرت صدر الشریعہ کے متصل بٹھا کر
مجھ سے فرمایا میں نے تمہارے فتوے دیکھے افتاء کے لئے تمہارے دماغ کو بہت مستعد پایا
ہے میں تمہیں مسند افتاء پر بٹھا کر دارالقضا شرعی کے لئے مفتی مقرر کرتا ہوں اسکے بعد
حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے ہاتھ کو اپنے دست مبارک میں لے کر میرے پہلو میں

بٹھایا اور یہی کلمات جو مجھ سے فرمائے تھے ان سے فرما کر پھر ہم دونوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ دارالقضاء شرعی کے لئے قاضی شرع مولانا امجد علی کو اور آپ دونوں کو ان کی اعانت اور فتویٰ دینے کی اجازت دیتا ہوں آج سے تم دونوں ہندوستان کے دارالقضاء شرعی مرکز بریلی میں مفتی شرع کی حیثیت سے مقرر کیے جاتے ہو ہم دونوں سے کچھ کلمات ارشاد فرمائے اور ہم دونوں نے اس سعادت عظیم پر سر نیاز خم کر دیا اور اٹھ کر ہم نے اعلیٰ حضرت کی قدم بوسی کی اعلیٰ حضرت نے دست مبارک اٹھا کر دیر تک دعا فرمائی۔

حضرت صدر الشریعہ نے دوسرے ہی دن قاضی شرع کی حیثیت سے پہلی نشست کی اور وراثت کے ایک معاملہ کا فیصلہ فرمایا اس کے بعد میں اعلیٰ حضرت سے اجازت لے کر رمضان شریف کے لئے جیلپور آ گیا یہاں جیلپور پہنچنے پر کچھ ایسے حالات و موقع پیدا ہوئے کہ میں رمضان المبارک کے بعد پھر بریلی شریف حاضر نہ ہو سکا ذیقعدہ کے درمیانی ایام میں میری دو بچیوں کی وفات ہو گئی اور میری اہلیہ سخت بیمار ہو گئیں جس کی اطلاع اعلیٰ حضرت کو تار کے ذریعہ کی گئی اس وقت موسم گرما کی شدت کے باعث اعلیٰ حضرت بھوانی نینی تال میں تشریف فرما تھے وہاں سے حضرت والد ماجد کے نام والا نامہ جو تعزیت اور دعاؤں کا حامل تھا تشریف لایا ساتھ ہی اعلیٰ حضرت نے اپنی سخت علالت کے سبب اس والا نامہ کو کئی نشستوں میں تحریر کرانے کا ذکر فرمایا ہے جس کی نقل اکرام احمد رضا میں شامل ہے۔

محرم شریف ۱۳۴۰ھ میں کچھ اطمینان ہوا ہی تھا کہ والد ماجد عید الاسلام شاہ محمد عبدالسلام علیہ الرحمہ کی طبیعت سخت علیل ہو گئی جس کے باعث پھر بریلی شریف حاضری کا موقع نہ مل سکا اور یکا یک بریلی شریف سے ۲۵ صفر المظفر کو حضور اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مجددین و ملت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال ذوالجلال کا تار ملتا تار اس وقت پہنچا جبکہ میں بھی سخت بیمار اور غفلت کی حالت میں تھا اس طرح دارالقضاء شرعی کی بس ایک ہی نشست کرنے کے بعد ہم کوئی اجلاس نہ کر سکے نہ ہم تینوں ایک ساتھ کسی جلسے میں شریک ہو

۱۱

marfat.com

Marfat.com

بریلی شریف میں میری پہلی حاضری

حضرت مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خان صاحب علیہ الرحمہ کے ساتھ میں نے پورے چار سال بریلی شریف میں گزارے جب میری پہلی بار بریلی شریف حاضری ہوئی اس وقت میری عمر بیس سال تھی ویسے پہلی بار بمبئی میں مجھے اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت کا شرف حاصل ہو چکا تھا اس وقت میری عمر تیرہ، چودہ سال تھی دوسری بار جب بریلی شریف میں نے حاضری دی اس وقت والد ماجد علیہ الرحمہ کے ہمراہ تھا اور میں اپنی تعلیم جہلپور ہی میں والد ماجد سے مکمل کر کے اعلیٰ حضرت سے اکتساب فیوض و برکات روحانی اور فیضانی علم سے مستفیض ہونے کے لئے حاضر ہوا تھا اس وقت میں نے فارسی میں ایک سلام لکھا تھا جسے میں نے اپنے ہمراہ اس سفر میں جو مداح رسول منشی عبدالغفار صاحب تھے انہیں اعلیٰ حضرت کے حضور سنانے کے لئے دے دیا تھا کہ کسی موقع پر حضور میں اسے سنا دیں بریلی شریف میں حاضری کے بعد جو پہلا جمعہ ملا اس میں نماز جمعہ سے فارغ ہو کر اعلیٰ حضرت دولت خانہ پر تشریف فرما ہوئے منشی عبدالغفار صاحب نے اعلیٰ حضرت سے نعت شریف پیش کرنے کی اجازت چاہی اور اجازت ملنے پر انہوں نے میرا فارسی کا سلام خوش الحانی اور والہانہ انداز میں جس وقت پڑھا اس وقت حاضرین مجلس میں پچاس ساٹھ حضرات اور بھی موجود تھے اس سلام کے چند اشعار یہ ہیں۔

حضور سید خیر الوری سلام علیک
بارگاہ شفیق الوری سلام علیک
روم بسوئے تو برہر قدم کنم سجدہ
نوائے قلب شود سیدا سلام علیک

عطاک عم علی کل ذقہ فامطر

علی غیث عطا من عطا سلام علیک

ان اشعار کو سنتے وقت اعلیٰ حضرت پراک کیف طاری تھا اور آنکھ سے آنسو جاری تھے ادھر
سامعین ہر شعر کو بار بار پڑھوا رہے تھے منشی صاحب نے جب یہ شعر پڑھا۔

بہ احمدے کہ رضائش ہمہ رضائے خداست

بگوزمن بصلاۃ اے صبا سلام علیک

اس شعر پر اعلیٰ حضرت نے چشم مبارک کھول کر والد ماجد کی طرف دیکھا اور خاموش رہے
اس شعر کو محفل میں بار بار پڑھنے کی خواہش کا اظہار ہوتا رہا جب منشی صاحب نے مقطع کا یہ
شعر پڑھا۔

رسی چو برور احمد رضا بگو برہان

بصد ادب بشما مرشدا سلام علیک

مقطع کے اس شعر کو سن کر اعلیٰ حضرت نے والد ماجد سے فرمایا کہ یہ برہان میاں نے لکھا
ہے۔ ماشاء اللہ یہ آپ کی اعلیٰ تعلیم و تربیت کا نتیجہ ہے میں غور کر رہا تھا کہ مولانا جامی کی
زمین میں یہ کس نے طبع آزمائی کی ہے برہان میاں کہاں ہیں میں دارالافتاء سے باہر آ کر
اعلیٰ حضرت کے حضور مؤدب دست بستہ کھڑا ہو گیا اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ صحابی رسول
حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نعت
پڑھنے کی اجازت چاہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ممبر کی سیڑھی پر کھڑے ہو کر
پڑھو حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑے والہانہ انداز میں نعت شریف پیش کی
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پسند آئی حضور کے جسم مبارک پر اس وقت بردیمانی تھی
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قریب بلا کر وہ چادر
انہیں اڑھادی۔ فقیر آپ کو کیا پیش کرے اتنا فرما کر جس عمامہ کو زیب سر مبارک فرما

marfat.com

Marfat.com

علیٰ حضرت نے جمعہ پڑھائی تھی اسے سر مبارک سے اتار کر خادم کے سر پر رکھ دیا گیا یہ بارگاہ رضویت سے میرے لیے پہلا انعام تھا جس سے علیٰ حضرت کی خدمت میں حاضری پر فقیر کو سرفراز فرمایا گیا آج تک وہ عمامہ میرے پاس تبرکات میں محفوظ ہے جسے میں عید میلاد مبارک اور عید غوثیہ کے موقع پر زیب سر کرتا ہوں۔

میں بریلی شریف میں پانچ ساڑھے پانچ ماہ رہتا پھر جب پورا آجاتا اس طرح میں نے چار سال حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے ساتھ علیٰ حضرت کی خدمت میں گزارے اور علوم دینی ظاہری و باطنی اور فیوض روحانی کے ساتھ برکات و سعادات مبارکہ سے مزین ہوا اور آج وہی فیوض و برکات و سعادات فقیر کے لئے عزت افزا اور خدمت دین متین سے شرف یابی کا سبب ہیں۔

میرا بریلی شریف سے یہ چار سال کا زمانہ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے ساتھ اس طرح گزرا کہ اجنبی لوگ جو باہر سے آتے ہم دونوں کو حقیقی بھائی سمجھتے ہم دونوں ہر وقت ساتھ کھانا کھاتے ساتھ رہتے اور اٹھتے بیٹھتے لکھتے پڑھتے کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ہم کسی نماز میں ساتھ شامل ہوتے تو ہمیشہ حضور مفتی اعظم اس خادم کو امامت کے لئے بڑھاتے حالانکہ فقیر ہمیشہ عذر کرتا۔

۱۳۳۶ھ میں علیٰ حضرت کو جب پور تشریف لانے کی تکلیف دی گئی حضرت مفتی اعظم ہند بھی پہلی بار علیٰ حضرت کے ساتھ تشریف لائے اور اس کے بعد پھر متعدد بار علیٰ حضرت کی حیات طیبہ میں حضور مفتی اعظم ہند کی تشریف آوری ہوئی اور ۲۲ رمضان المبارک کے بعد جب پور سے بریلی شریف مراجعت فرمائی یہ آستانہ عالیہ رضویہ کے غلام خادم آستان پر حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی تشریف آوری اور علیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس ارشاد مبارک کی تصدیق تھی کہ جب پور میرے وطن سے مجھے زیادہ محبوب ہے وطن میں گرچہ آرام ملتا ہے مگر جب پور مجھے اس سے زیادہ خوشتر ہے علیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضور مفتی

اعظم ہند علیہ الرحمہ جیلپور کو اپنا دوسرا وطن فرماتے اور دوسرے لوگوں سے فرماتے:
 اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال شریف کے بعد شوال ۱۳۲۰ھ جب والد ماجد
 علیہ الرحمہ نے حج و زیارت کا ارادہ فرمایا اس وقت یہ فقیر دو دن کے لئے بریلی شریف حاضر
 ہوا حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں صاحب علیہ الرحمہ اور مفتی اعظم ہند مولانا
 مصطفیٰ رضا خاں صاحب علیہ الرحمہ سے اس سفر خیر کے لئے دعاوں کا طالب ہوا اور بجمہ
 تبارک و تعالیٰ فریضہ حج اور دیار اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری کا شرف حاصل کر کے
 جب ہم ربیع الاول شریف ۱۳۲۱ھ میں واپس آئے تو یہ فقیر ربیع الآخر میں بریلی شریف
 حاضر ہوا اور تبرکات کا تحفہ پیش کیا۔

اس کے بعد حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کافی عرصہ کے بعد حضرت والد ماجد
 عید الاسلام شاہ محمد عبدالسلام علیہ الرحمہ کے چہلم میں جمادی الاخریٰ ۱۳۲۱ھ میں جیلپور
 تشریف لائے پھر تو ہر سال والد ماجد علیہ الرحمہ کے عرس میں ۱۴ جمادی الاولیٰ سے ایک دو
 یوم قبل جیلپور تشریف فرما ہوتے اور کبھی کبھی مسلسل دو ماہ سے زائد قیام فرماتے ایک بار
 حاضری ہوئی اجمیر شریف سے واپسی پر بے پور حاجی شیخ احمد حسین صاحب جوہری کی
 دعوت پر جانا ہوا۔

مسئلہ اذان ثانی

بے پور میں ہماری قیام گاہ کے بالکل سامنے مسجد تھی جمعہ کے دن حضور مفتی اعظم ہند سے
 نماز جمعہ پڑھانے کی درخواست کی گئی حضور نے یہ خدمت خادم کو تفویض فرمائی جب جمعہ کا
 وقت آیا اذان ہوئی ہم نے مسجد جانے کی تیاری کی مگر حضرت میرے ساتھ جانے کے لئے
 تیار نہ ہوئے میں نے حضور سے مسجد چلنے کے لئے عرض کی تو فرمایا یہاں کی مسجد کے لوگ
 بہت ضدی ہیں اذان ثانی مسجد کے اندر ہی دیتے ہیں مسئلہ بتانے اور سمجھانے کے بعد بھی

باز نہیں آتے اور میں خلاف سنت فعل اپنے سامنے ہوتے نہیں دیکھ سکتا جب خطبہ شروع ہو جائے گا میں آ جاؤں گا میں نے عرض کی حضور تشریف تو لے چلیں آج اذان مسجد کے اندر نہ ہوگی پھر فرمایا کہ میں بہت سمجھا چکا اور دیکھ چکا یہ لوگ ماننے والے نہیں میری دعا ہے کہ خدا کرے کہ یہ آج آپ کے سمجھانے اور مسئلہ کی وضاحت سے مان جائیں خدا انہیں اس کی توفیق و ہدایت عطا فرمائے میں تنہا مسجد میں حاضر ہوا اداۓ سنت کے بعد مجھ سے خطبے کے لئے کہا گیا میں ممبر پر بیٹھ گیا موزن نے بالکل ممبر کے قریب کھڑے ہو کر اذان دینے کا ارادہ کیا میں نے موزن کو روک کر حاضرین مسجد کو مطلع کر کے اذان سے متعلق شرعی حکم سنایا کہ اذان مسجد کے اندر دینا مکروہ تحریمی ہے اذان کا مقصد اعلان عام ہے خطیب کے سامنے ممبر کے قریب مسجد کے اندر اذان دینے سے وہ مقصد حاصل نہیں ہوتا جو شریعت نے مقرر فرمایا ہے اسی مقصد کے لئے اذان خطبہ بھی خارج مسجد دینے کا حکم فرما دیا گیا ہے میں خلاف سنت کوئی کام نہ کروں گا کہ میں ممبر پر رہوں اور اذان خطبہ میرے سامنے ممبر کے قریب مسجد کے اندر دی جائے میں خطبہ اور نماز اسی وقت پڑھاؤں گا جب اذان خارج مسجد خطیب کے سامنے ہو اور نماز جمعہ کے بعد آپ تمام حضرات مسجد میں ہی موجود رہیں میں اس مسئلہ کو پوری وضاحت کے ساتھ آپ کو سمجھا دوں گا چنانچہ موزن نے مسجد کے باہر ممبر کے سامنے اذان خطبہ دی جب مسجد کے باہر اذان خطبہ بھی ہوئی تو قیام گاہ میں حضرت کو معلوم ہوا کہ آج تو اذان مسجد کے باہر ہوئی ہے اس پر حضرت نے بڑے جذبہ مسرت کے اظہار کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ الحمد للہ آج تو اذان خارج مسجد ہو رہی ہے برہان میاں نے صحیح کہا تھا کہ آج اذان مسجد کے اندر نہ ہوگی اور حضور فوراً مسجد تشریف لے آئے نماجمعہ کے بعد فقیر نے مسئلہ اذان ثانی کو بہت واضح طور پر سمجھایا ختم تقریر پر متولی صاحب نے اقرار کر لیا اور اعلان کیا کہ اب اذان خطبہ بھی ہمیشہ اس مسجد میں خارج مسجد ہی ہوا کرے گی اور اس امر کا ندامت کے ساتھ اعتراف کیا کہ حضور مفتی

اعظم کی بات ہم لوگوں نے نہیں مانی جس کا ہمیں افسوس ہے اور اس کے لئے توبہ کی اور معافی چاہی بجز تبارک و تعالیٰ حضور کی دعاؤں کی برکت سے آج بھی وہاں اذان خارج مسجد ہی ہو رہی ہے نماز جمعہ سے واپسی پر قیام گاہ میں خادم کو اس کا میاں بی پر حضور نے بہت بہت دعاؤں سے سرفراز فرمایا میں نے عرض کیا کہ یہ سب حضور کی دعاؤں کی برکت کا ہی فیض ہے۔

مسلم پرسنل لاء

اندارا گاندھی کے سابقہ دور حکومت میں مسلم پرسنل لاء میں ترمیم و تحریف اور تبدیلی کا بل پیش ہوا فقیر نے اس کے خلاف فوری طور پر احتجاجاً ایک مراسلہ حکومت ہند کو بھیجا جس میں مسلم پرسنل لاء میں کسی بھی قسم کی کوئی تبدیلی ترمیم یا تحریف کو مسلمانوں کی جانب سے ناقابل قبول قرار دیا اور اس کے لئے قانونی شرعی پہلوؤں کو اس مراسلے میں تحریر کیا گیا اس کے بعد ہندوستان کے ارباب فکر و دانش نے علمائے کرام کی زیر قیادت بمبئی میں ایک احتجاجی جلسہ کا اعلان کیا جس میں ملک کے ہر عقیدہ اور مکتبہ فکر کے علماء کو دعوت شرکت دی گئی فقیر کے نام بھی دعوت نامہ آیا مگر فقیر نے اس مخلوط جلسے میں شرکت سے معذرت نامہ بھیج دیا۔

حضور مفتی اعظم ہند انہی دنوں بالا گھاٹ تشریف لائے ہوئے تھے اور فقیر زادہ محمد محمود احمد حضور کی خدمت اقدس میں شرف زیارت و فیوض و برکات کے حصول کے لئے حاضر ہوا حضرت والا سے محمود میاں نے پرسنل لاء اور اس کے اجتماع میں میری شرکت کے بارے میں دریافت کیا اور فقیر زادہ نے میری شرکت سے معذرت اور اس کے اسباب حضور کے سامنے عرض کیے اور اپنے طور پر جو کچھ بھی کارروائی کی جا رہی تھی اس کا بھی تذکرہ کر دیا حضور نے سارے معروضات سننے کے بعد ارشاد فرمایا کہ برہان یہاں سے جا کر کہو کہ ہرگز

ہرگز اس جلسے میں شرکت سے انکار نہ کریں۔ اور چونکہ اس سلسلے میں سب سے پہلے انہیں کا احتجاج اور اقدام ہے اور احتجاج بھی ایک یا قوت احتجاج ہے اس لئے انہیں اپنا کام جاری رکھنا اور اسے آگے بڑھانا ہے مخلوط اجتماع اور غیروں کے زیر اہتمام و صدارت یہ جلسہ ہونے کے باعث انہوں نے جو معذرت کی اور شرکت سے احتراز فرمایا ہے اسے ترک فرما دیں اور ضرور ضرور شرکت فرمائیں ادھر بمبئی سے مدعوین جلسہ برابر مراسلات و فون سے مجھ سے رابطہ قائم کیے ہوئے تھے کہ میں ضرور ضرور ہر حالت میں جلسے میں شرکت کروں جب فقیر زادہ محمود میاں صاحب نے بالا گھاٹ سے آکر مجھے حضرت کا پیغام حکم سنایا تو میں نے حضرت اقدس کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ان کے اشارات و ہدایات پر شرکت کا ارادہ کر لیا۔

جلسے میں شرکت کے لئے میں ممبئی پہنچا مگر منتظمین جلسہ کا مہمان نہ ہوا اور اپنے ایک برادر طریقت خلیل احمد صاحب کے یہاں میں نے قیام کیا جلسے میں بہت زبردست اجتماع تھا تقریباً دو لاکھ افراد کا مجمع تھا میرے پہنچنے سے پہلے جن مولویوں کی تقریریں ہوئی ان کے فوٹو بھی لیے گئے اور دوران تقریر تالیوں کی گڑ گڑاہٹ اور گونج بھی اٹھتی رہی جب تقریر کے لئے فقیر کے نام کا اعلان ہوا اور فقیر مانک کے سامنے پہنچا فوٹو گرافر سامنے آئے میں نے نہایت بلند آواز سے زور اور سختی کے ساتھ منع کیا یہ جلسہ ایک اسلامی جلسہ ہے مسلمانوں کا ہے فوٹو کھینچنا حرام ہے ہرگز ہرگز کوئی فوٹو نہ لیا جائے جب میں نے تقریر شروع کی اور اسلام کے قانون کی عظمت و اہمیت کا ذکر کیا تو حسب معمول مجمع نے تالیاں بجائیں میں نے سختی کے ساتھ مسلمانوں کو اس سے باز رہنے کو کہا کہ یہ ایک اسلامی اجتماع ہے یہ کوئی سیاسی جلسہ نہیں کہ آپ لوگ تالیاں بجا رہے ہیں آپ لوگوں کو شرم آنی چاہیے اگر آپ کو کوئی بات پسند آتی ہے اور آپ کے جذبات کی صحیح ترجمانی ہوتی ہے تو آپ اس کی تائید میں نعرہ تکبیر بلند کیجئے اور اس کا استقبال نعرہ بے اسلامی سے کیجئے اس کے ساتھ ہی جلسے

میں نعرہ تکبیر اور نعرہ رسالت کی آواز بلند ہونے لگیں اسی تقریر میں میں نے واضح کیا کہ مسلم پرسنل لاء مسلمانوں کا قرآنی شرعی اسلامی قانون ہے جس میں ایک حرف کی نہ ترمیم ہو سکتی ہے نہ ہی کسی قسم کی تحریف و تبدیلی ہی کی جاسکتی ہے قرآن عظیم کے حکم کے مطابق اس میں کسی قسم کی ترمیم تحریف یا تبدیلی کرنا تو درکنار اس قسم کا کوئی ارادہ کرنا اور اس کا اظہار کرنا ہی کفر ہے قرآن عظیم کا ارشاد ہے و من لم يحكم بما انزل الله فاولئك هم الكافرون جو بھی اللہ کے حکم کو نہ مانے وہ کھلے کافروں میں سے ہے اور بھی قرآن کریم کا ارشاد ہے ان الحكم الا الله اسلام کے لئے حکم دینا صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے اللہ ہی اسلام میں احکام کا مالک ہے میں نے اس سلسلے میں جن نکات کو جلسے میں پیش کیا ان سے بھی حاضرین جلسہ بہت متاثر ہوئے اور پھر میں ساتھ ہی ساتھ حکومت کو بھی متنبہ کیا کہ مسلمان سرپرکفن باندھ کر حکومت کے ہر اس اقدام کا مقابلہ کرنے کو تیار ہیں اور ہر اس حکم کی دھجیاں اڑانے کو مستعد ہیں اور یہ طے کر چکے ہیں کہ وہ حکومت کے اس ارادہ کو کبھی بھی کامیاب نہ ہونے دیں گے کہ وہ مسلم پرسنل لاء میں کسی قسم کی ترمیم تحریف، تبدیلی کی کوشش کرے اور حکومت چونکہ سیکولر ہے اسے اپنی سیکولرٹی کے پیش نظر مسلمانوں کے مذہبی معاشرتی اور اخلاقی احکام میں دخل دینے سے احتراز کرنا چاہیے اور ملکی قانون کے تحت شخصی و مذہبی آزادی میں حکومت کو کسی قسم کی دخل اندازی کا کوئی اختیار نہیں ہے۔

حکومت کے پاس جو کچھ فضلہ خوار نام کے مسلمان ہیں اور جو اپنی مطلب براری کے لیے پال رکھے گئے ہیں وہ صرف نام کے مسلمان ہیں وہ احکام الہی میں کسی قسم کی ترمیم یا ترمیم یا تحریف کا ارادہ کریں اور حکومت سے درخواست کریں تو وہ جب سرے سے مسلمان ہی نہیں بلکہ خارج از اسلام ہیں تو ان کی بات مسلمانوں کی بات نہ ہوگی اور انہیں مسلم پرسنل لاء کے متعلق کچھ کہنے کا قانونی حق بھی نہ ہوگا اور پھر مسلمانوں سے کہا کہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان سے مقاطعہ کریں ان سے سلام و کلام ترک کریں بیمار پڑیں عیادت نہ

کریں مرجائیں تو ان کی نماز جنازہ نہ پڑھائیں۔

میں حکومت کو بھی اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وزیراعظم اندرا گاندھی نے اعلان کیا ہے کہ اگر مسلمان چاہیں گے تو مسلم پرسنل لاء میں ان کی منشا کے مطابق تبدیلی کرنے کا قانون بنایا جاسکتا ہے حکومت اور وزیراعظم کو معلوم ہونا چاہیے کہ مسلمان کبھی بھی مسلم پرسنل لاء میں کسی بھی قسم کی تبدیلی کو برداشت نہ کریں گے اور جو مسلمان نہیں انہیں مسلم پرسنل لاء میں تبدیلی کا کوئی قانونی حق نہیں حکومت ان کی باتوں میں ہرگز ہرگز توجہ نہ دے تقریر کے فقرہ پر نعرہ تکبیر اور نعرہ رسالت جلسے میں بلند ہوتے رہے۔

جب میں اپنی تقریر ختم کر کے جلسہ گاہ سے قیام گاہ کی طرف جانے لگا تو مولوی قاری طیب صاحب اور مولوی عتیق صاحب نے مجھے جلسے میں بیٹھنے کو کہا میں نے کہا کہ مجھے آپ نے جس لیے بلایا تھا میں نے اپنا اظہار خیال کر دیا اور اپنا کام کر دیا اب آپ اپنا جلسہ کرتے رہیں قاری مولوی طیب صاحب نے بڑے پر خلوص جذبات میں کہا کہ جلسے میں آپ نے جن نکات کا ذکر کیا ان نکات کی طرف ہمیں شان و گمان بھی نہ تھا ہمارے فہم اس کے حصول سے قاصر رہے ہم اس طرف توجہ بھی نہ کر سکے آپ کی تشریف آوری اور شرکت سے ہمارا جلسہ نہایت کامیاب رہا پھر مولوی فاخر صاحب نے مجھے میں بیٹھنے کے لئے کہا میں نے پھر کہا کہ میں جو کہنے آیا تھا وہ کہہ چکا کچھ سننے نہیں آیا تھا اس لیے اب قیام گاہ پر جا رہا ہوں۔ داؤدی فرقے کے پیشوا ملا نجم الدین صاحب و مولوی عتیق صاحب کچھ دور تک میرے ساتھ آئے اور کہا کہ اگر آپ جلسے میں تشریف نہ لاتے اور شرکت نہ فرماتے تو جس طرح آپ کی شرکت سے اور تقریر سے ہمارا جلسہ کامیابی سے ہمکنار ہوا ہے ہرگز ہرگز نہ ہوتا۔

اس جلسے میں علماء اہلسنت میں سے کسی نے بھی میرا ساتھ نہ دیا جب کہ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے ارشاد اور حکم کے مطابق ہی شریک جلسہ ہوا تھا صبح جب جلسے کی کارروائی

میری تقریر کے ساتھ اخبارات میں جلی حرفوں میں شائع ہوئی تو علمائے اہل سنت نے میرے لئے دعائیں کیں اور کامیابی پر مبارکباد دی دوسرے دن کے جلسے میں چوں کہ حضرت ارشد القادری صاحب حج زیارت کے لئے تشریف لے جا رہے تھے اور بمبئی میں ہی تھے میں نے ان سے جلسے میں شرکت کرنے اور تقریر کرنے کے لئے کہا وہ فقیر کے ساتھ دوسرے دن جلسے میں تشریف لے گئے اور اپنی تقریر میں میرے بیان کی تائید و حمایت فرمائی حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کو جب جلسے کی مکمل رپورٹ ملی تو انھوں نے میری کامیابی پر دعائیہ کلمات کے ساتھ مبارکباد تحریر فرما کر والا نامہ سے نوازا جب میں بریلی شریف حاضر ہوا تو حضور نے مسرت کا اظہار فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر تم شریک جلسہ نہ ہوتے اور اظہار حق و اعلان حق نہ کیا ہوتا تو بڑی کمی رہ جاتی تم نے اس سلسلے میں جو احتجاجی کارروائی میں پہل کی تھی اس کی تائید میں یہ جلسہ بڑا کامیاب رہا اور یہ جلسہ تمہاری شرکت سے تمہارا جلسہ ہو گیا۔

الحمد لله على احسانه و نواله و افضاله جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ والد ماجد علیہ الرحمہ کے چہلم میں جمادی الاخریٰ ۱۳۷۲ھ میں کافی عرصہ کے بعد جب پور تشریف لائے پھر تو برابر ہر سال عرس رضوی عید الاسلام کے موقع پر عرس مبارک سے ایک دو یوم قبل تشریف لاتے اور کبھی کبھی عرس مبارک کے بعد دو ماہ قیام فرماتے حضور مفتی اعظم ہند کی آخری تشریف آوری دسمبر ۱۹۷۸ء میں ہوئی حاجی محمد رمضان جب پور سے حضور کو لینے کے لئے گئے سخت علالت اور کمزوری کی حالت میں حاجی صاحب اوائل دسمبر میں حضور کو بہت آرام کے ساتھ جب پور لے آئے ساتھ میں حاجی حافظ محمد فاروق صاحب بناری خلیفہ حضور مفتی اعظم بھی تشریف لائے جب پور میں فقیر نے حضور کے مزاج مبارک دیکھ کر علاج شروع کیا یہاں بفضلہ تعالیٰ حضور بالکل تندرست ہو گئے ۲۲ جنوری ۱۹۷۹ء کو قریب دو ماہ قیام کے بعد حضور نے ذریعہ کار

براہ بنارس بریلی شریف مراجعت فرمائی۔

اسی دوران قیام کے اختتام پر مسلمانانِ جہلپور نے حضور مفتی اعظم ہند کے جشنِ صحت کا ایک عظیم الشان جلسہ کیا اور فقیر کے لئے بھی اس جشنِ صحت میں تندرستی کے لئے دعائیں کی گئیں یہ جشنِ صحت جس میدان میں منایا گیا تمام لوگوں کی خواہش پر اس میدان کو یادگار کے طور پر رضا چوک کا نام دیا گیا اس جلسے کے موقع پر جو ایک یادگار اور تاریخی جلسہ تھا میلوں دور دیر کھڑے عقیدتمند مسلمانوں نے حضور کا نعرہٴ تکبیر نعرہٴ رسالت غوثیت اور حضور مفتی اعظم زندہ باد کے فلک شگاف نعرے سے استقبال کیا اور شہر کو دلہن کی طرح سجایا گیا اور اس موقع پر سارے شہر کو برقی قمقموں سے رات کو دن بنا دیا گیا تھا جب جلسہ گاہ میں حضور مفتی اعظم ہند تشریف فرما ہوئے فقیر بھی ہمراہ تھا جلسہ گاہ میں حضور کی تشریف فرمانی کے بعد بمبئی کے ایک شاعر جناب مرتضیٰ حسن صاحب نے جو رضوی تخلص فرماتے ہیں ایک قصیدہ تہنیت جو دعائیہ کلمات پر مشتمل تھا پیش کیا جس کا مطلع تھا:

یا الہی تیرے فضل کے سائے میں مفتی اعظم دین و ملت رہے

میں رہوں نہ رہوں اس جہاں میں مگر میرا پیر طریقت سلامت رہے

شاعر نے اپنے جذبات بھرے والہانہ انداز میں مطلع کے شعر کو ابھی دو ہی بار پڑھا تھا اور جب تیسری بار اس شعر کی تکرار کی اور ابھی پہلا ہی مصرعہ پڑھا تھا اور مصرعہ ثانی جیسے ہی پڑھنے کا ارادہ کیا حضور مفتی اعظم ہند جو تکیہ سے سہارا لیے بیٹھے تھے اٹھ کر سیدھے بیٹھ گئے اور مطلع کے مصرعہ ثانی میں اس طرح اصلاح دی یا یوں کہئے کہ مصرعہ کو تبدیل فرما کر مطلع کے مفہوم ہی کو بالکل بدل دیا حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے مجھ فقیر کی طرف ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا:

میں رہوں نہ رہوں اس جہاں میں مگر میرا برہان ملت سلامت رہے

حضور نے یہ مصرعہ جس انداز سے تبدیل فرما کر جوشِ محبت اور خلوصِ قلب سے اپنی

زبان مبارک سے ارشاد فرمایا دیکھنے اور سننے والے ہی اس کی لذت اور حقیقی تاثرات سے آشنا ہیں جشن صحت کے تیسرے دن حضور اقدس یہاں سے بریلی شریف کے لئے تشریف لے گئے بریلی شریف میں پہنچنے پر حضور کی طبیعت پھرنا ساز ہوئی ضعف بڑھتا گیا اور پھر جب پور تشریف نہ لاسکے اور بمشیت الہی ۱۴ محرم الحرام ۱۴۰۲ کو داعی اجل کو لبیک فرماتے ہوئے۔

مصطفیٰ رضا محبت معبود ہو گئے

إنا لله و إنا إليه راجعون . اللهم اغفر له وارحمه و اسكن في جنت النعيم
رب العزت تبارك وتعالى حضرت اقدس عليه الرحمه کے وسیلے سے ہم تمام خادمان مفتی
اعظم ہند کو ثبات و استقامت کے ساتھ مجددین و ملت امام ہل سنت اعلیٰ حضرت رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کے مسلک مقدس پر قائم رکھے اور ایمان پر ہمارا خاتمہ بالخیر فرمائے۔

والله المستعان على ما تصفون و صلى الله تعالى على نور عرشه
و مظهر لطفه سيدنا و مولانا محمد و آله و أصحابه أجمعين آمين۔

ماہنامہ استقامت کانپور ماہ مئی ۱۹۸۳ء



مفتی اعظم اپنے فضل و کمال کے آئینے میں

(نائب مفتی اعظم حضرت علامہ مفتی شریف الحق صاحب امجدی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مفتی اعظم ہند حضرت مولانا الشاہ المصطفیٰ رضا قاروی بریلوی قدس سرہ پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور ابھی بہت کچھ لکھا جائے گا۔ بلکہ یہ تسلسل لکھا جاتا رہے گا لیکن میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ جو کچھ لکھا گیا یا لکھا جائے گا وہ سب حضرت مفتی اعظم ہند کے حقیقی تعارف کے لئے نا کافی ہے اور نا کافی رہے گا۔

مجھے بچہ تبارک و تعالیٰ یہ شرف حاصل ہے کہ میں گیارہ سال بلکہ کچھ ماہ زائد حضرت مفتی اعظم ہند کے دولت کدے پر قیام پذیر رہا۔ وہ ان دنوں میں ایک انسان کی زندگی کے سب سے کمال ایام مانے جاتے ہیں۔ یعنی اپنی عمر کے پینتیسویں سال سے لیکر چھالیسویں سال تک اس طرح رہا کہ حضر میں بھی ساتھ رہا اور ہندستان کے طول و عرض کے سفر میں بھی ساتھ رہا۔ پور بندر سے لے کر بنگلہ دیش کی مغربی سرحد دینا چپورتک، کٹک اڑیسہ سے لیکر نجیب آباد تک تقریباً ہر بڑے شہر میں ہمراہ رہا۔

حضرت مفتی اعظم ہند کی حیات طیبہ کے پانچ دور ہیں: ایک عہد طفلی جو سن شعور تک پہنچنے تک ہے۔ دوسرا تحصیل علم اور فراغت۔ تیسرا مجدد اعظم علی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی حیات طیبہ تک، چوتھا علی حضرت قدس سرہ کے وصال کے بعد سے لیکر سجادہ نشین ہونے تک۔ پانچواں عہد سجادہ نشینی سے اخیر عمر تک۔

یہ پانچوں دور اپنے اندر ایسی خصوصیات رکھتے ہیں جو حضرت مفتی اعظم ہند کی اپنے اقران میں ایک امتیازی شان پر دلیل ہیں۔ ان سب پر تفصیل سے روشنی ڈالنے کے لئے دفتر درکار ہے۔ میں انتہائی عدیم الفرست انسان جامعہ اشرفیہ کے دارالافتاء کی ذمہ داری ساتھ ساتھ اپنی بچی کھچی توانائی نزہۃ القاری شرح بخاری میں صرف کر رہا ہوں۔ مجھے اتنا موقع کہاں کہ اس بحرنا پیدا کنار کو سر کرنے کی کوشش کروں۔

لیکن رضا اکیڈمی ممبئی کے باحوصلہ ارکان نے اس صد سالہ جشن مفتی اعظم ہند میں مجھے شرکت کی دعوت دی تو مجھے شرم آئی کہ میں اپنے مربی اعظم کے جشن صد سالہ میں خالی ہاتھ حاضر ہوں اس لئے یہ چند سطریں بطور سوغات لے کر حاضر ہوں۔

زچشم آستیں بردار و گوہر را تماشا کن

یہ ایک رسم ہو گئی ہے کہ جب بھی کوئی مشہور آدمی دینا سے جاتا تو اس کے نیاز مند، عقیدت کیش یہی لکھتے ہیں کہ وہ تمام کمالات انسانی کا جامع تھا۔ اس لئے اگر میں بھی حضرت مفتی اعظم ہند کے بارے میں یہی لکھوں تو رسمی بات بھی کہی جاسکتی ہے۔ اس لئے اس ادعا کے بغیر میں مفتی اعظم ہند کی شخصیت سے متعلق حقائق قلمبند کر دیتا ہوں جس سے ہر ذی فہم و دیانت دار منصف فیصلہ کر لے گا کہ حضرت مفتی اعظم ہند کی ذات گرامی اپنے عہد مبارک میں بے مثال تھی۔

لیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

جلالت علم:- مفتی ہونا آج کل بہت آسان سمجھا جانے لگا ہے۔ مشہور ہے کہ

بہار شریعت اور فتاویٰ رضویہ دیکھ کر ہر اردو داں فتویٰ لکھ سکتا ہے۔ لیکن مفتی اور فقیہ ہونا کتنا مشکل ہے یہ وہی جانتے ہیں جو کسی ذمہ دار دارالافتاء کی خدمت پر مامور ہیں۔

مجدد اعظم علیہ السلام امام احمد رضا قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ محدث ہونا علم کا پہلا زینہ ہے اور فقیہ ہونا خیر منزل ہے اور یہ مضمون حدیث صحیح سے ماخوذ ہے۔ ارشاد ہے۔

فرب حامل فقه غير فقيه ورب حامل فقه الى من هو افقه منه (مشکوٰۃ)
 ”بہت سے فقہ کے حامل فقیہہ نہیں ہوتے اور بہت سے حامل فقہ اسے پہچانتے ہیں۔ جو
 اس سے زیادہ فقیہہ ہوتا ہے۔“

حضرت امام الائمہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ بہت مشہور و معروف ہے کہ
 ایک بار یہ مشہور مسلم الثبوت محدث حضرت سلیمان اعمش کے ہاں تشریف فرما تھے۔
 حضرت سلیمان اعمش سے کچھ مسائل دریافت کئے گئے۔ انہوں نے حضرت امام اعظم
 سے فرمایا: آپ ان مسائل میں کیا کہتے ہیں؟ حضرت امام اعظم نے سب کے جوابات
 دیئے۔ انہوں نے پوچھا یہ کہاں سے کہتے ہو؟ فرمایا: انہیں احادیث سے جنہیں میں نے
 آپ ہی سے سنی ہیں اور ان سب احادیث کو مع سندوں کے پڑھ کر سنا دیں۔ اس پر
 حضرت اعمش نے فرمایا: تمہیں یہ کافی ہے۔ جو حدیثیں میں نے تم سے سون میں بیان
 کیں ان سب کو تم ایک ساعت میں بیان کر دیتے ہو۔ میں نہیں جانتا تھا کہ تم ان احادیث
 پر عمل کرتے ہو۔ اے فقہاء! تم طبیب ہو اور ہم محدثین عطار اور تم نے دونوں کو حاصل کر لیا
 ہے۔

غور فرمائیے حضرت سلیمان اعمش کو وہ حدیثیں یاد تھیں مگر ان سے جو مسائل حضرت
 امام اعظم نے اخذ فرمائے ان تک ان کی رسائی نہ ہوئی۔ یہ جلوہ ہے۔ فرب حامل فقه
 غير فقيه والى من هو افقه منه۔

یہی وجہ ہے کہ امام اجل حضرت سفیان ثوری حضرت امام اعظم سے فرمایا: ہر چیز
 کے بارے میں آپ پر وہ علوم منکشف ہوئے جن سے ہم غافل ہیں۔ ان کی نظیر وہ حدیث
 ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: إن عبد أخیرہ اللہ بین ان
 یؤتیہ من زهرة الدنيا ماشاء و بین ما عنده فاختر ما عنده (مشکوٰۃ:
 ص: ۵۴۶)

اللہ نے ایک بندے کو اختیار دے دیا ہے وہ چاہے تو دنیا کی تروتازگی پسند کرے چاہے تو جو اللہ کے حضور ہے اسے اختیار کر لے اس بندے نے اللہ کے حضور کو اختیار کر لیا ہے۔ یہ سن کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ حاضرین صحابہ کو حیرت ہوئی کہ یہ کیوں رو رہے ہیں۔ مگر جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو صحابہ کرام کو معلوم ہو گیا کہ یہ بندہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور فاختار ما عندہ سے مراد وصال تھا۔ اب صحابہ کرام کو اعتراف کرنا پڑا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہم سب سے زیادہ علم والے تھے۔

آج کے مفتیان کرام اگرچہ مجتہد نہیں مگر آج بھی افتا نویسی کے لئے کتنے بیدار مغزلی ذہنیت، ذہانت، فطانت، معاملہ فہمی اور تبحر علمی کی ضرورت ہے۔ ان سب کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، اس کو صرف ایک واقعہ سے سمجھ لیجئے۔ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں نے تیرا نکاح فسخ کیا۔ ایک بہت بڑے شیخ الحدیث صاحب کے یہاں استفتاء پیش کیا گیا۔ انہوں نے قلم برداشتہ لکھ دیا کہ اس سے ایک طلاق رجعی پڑ گئی۔ وہیں سے یہ استفتاء میرے پاس آیا۔ میں نے جواب میں لکھا کہ یہ طلاق کنائی کے کلمات میں سے ہے۔ اگر شوہر نے بہ نیت طلاق کہا ہے تو ایک طلاق بائن پڑ گئی ورنہ طلاق واقع نہ ہوئی۔ میں نے اپنی تائید میں عالمگیری کا جزئیہ بھی نقل کر دیا تھا۔

میرا یہ فتویٰ ان شیخ الحدیث صاحب کی خدمت میں پیش ہوا تو بہت گھبرائے۔ اتفاق سے وہ بریلی شریف آئے تو مجھ سے مواخذہ فرمایا کہ تم نے کیسے لکھ دیا کہ یہ طلاق کنائی کا جملہ ہے۔ میں نے عرض کیا: بہار شریعت، رحیق الحقائق، عالمگیری میں لکھا ہے، انہوں نے فرمایا یہ تو صحیح ہے مگر یہ طلاق کنائی کا جملہ کیسے ہے۔ جبکہ فسخ نکاح اور طلاق لازم و ملزوم ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ طلاق اور فسخ نکاح لازم و ملزوم ہیں۔ ایسی بہت سی صورتیں ہیں کہ بغیر طلاق کے بھی نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔ جیسے رذت اور مصاہرت سے۔

مجھے بتانا یہ ہے کہ فتویٰ دینا دینی خدمات میں سب سے اہم سب سے مشکل اور سب سے پیچیدہ کام ہے اور ایسا کام ہے جس کی کوئی نہایت نہیں۔ فقہائے کرام نے اگرچہ ہم پر احسان فرماتے ہوئے لاکھوں جزییات کی تصریح فرمادی ہے۔ مگر پھر بھی حوادث محدود نہیں آئے دن سیکڑوں واقعات ایسے ہوتے رہتے ہیں کہ جن کے بارے میں کوئی جزیہ کسی کتاب میں نہیں ملتا۔ یہی وہ وقت ہوتا ہے کہ ایک فقیہ اپنی بالغ نظری، نکتہ سنجی، دقت بینی کی بدولت تائید ایزدی سے صحیح حکم اخذ کر لیتا ہے۔ مگر یہ کام کتنا مشکل ہے۔ اسے بتایا نہیں جاسکتا جس کے سر پڑتی ہے وہی جانتا ہے۔

جب آپ تفقہ کی حیثیت پر ایک نظر ڈال چکے تو آئیے میں آپ کو حضرت مفتی اعظم ہند کی اس فن میں عبقریت کے جلوے دکھاؤں، حضرت مفتی اعظم ہند نے پہلا فتویٰ ۱۹۱۰ء میں لکھا جبکہ عمر مبارک صرف اٹھارہ سال کی تھی۔ یہ فتویٰ مجدد اعظم علی حضرت قدس سرہ کی خدمت میں پیش ہوا۔ علی حضرت قدس سرہ نے اس میں بغیر کسی ترمیم و تبدیل کے ان الفاظ میں اس کی تصحیح فرمائی۔ صحیح الجواب بعون الملک الوہاب۔ خوش ہو کر انعام عطا فرمایا اور مہر بنوا کر عنایت فرمائی۔

بظاہر اس میں کوئی اہمیت نظر نہیں آتی مگر مفتیوں سے پوچھئے تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ کتنی حیرت ناک بات ہے۔ فتویٰ نویسی میں سب سے پہلے یہ غور کرنا ہوتا ہے کہ سائل کیا پوچھنا چاہتا ہے۔ وہ کہاں الجھا ہوا ہے۔ اس نے مافی الضمیر کو کما حقہ ادا بھی کیا ہے یا نہیں؟ پھر ہمارے جواب پر اسے کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

ان سب پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد مفتی جواب لکھتا ہے تو ان سب باتوں کو ذہن میں رکھ کر اپنے جچے تلے الفاظ سلجھے ہوئے انداز بیان، جامع مانع کلمات میں جواب لکھتا ہے۔ زندگی میں پہلا فتویٰ لکھنے والا ان باتوں کی رعایت کر سکے گا یا کر سکتا ہے۔ بہت مشکل ہے۔ ذہن سے ذہن علماء برہا برس تک مشاقی کرنے اور ماہر فن مفتی سے اصلاح

لینے کے بعد اس پر قادر ہوتے ہیں کہ وہ ایک مکمل فتویٰ لکھیں۔ مگر جو بات دیگر ذہین فطین
 ذکی علماء کو برسہا برس میں تنقید اصلاح اور ہدایت کے بعد حاصل ہوتی ہے وہ حضرت مفتی
 اعظم ہند کو پہلے دن حاصل تھی۔ یہ دلیل ہے کہ حضرت مفتی اعظم ہند جیسے والدہ ماجدہ کے
 شکم پاک سے ولی بن کر آئے تھے اسی طرح مفتی اعظم بھی بن کر آئے تھے۔ السعید من
 سعد فی یطن امہ تفقہ فی الدین۔ آپ کی فطرت جبلت سرشت تھی۔

غور کریں ایک اٹھارہ سال کا نو عمر پہلا فتویٰ لکھتا ہے اور تصحیح کے لئے پیش کرتا ہے
 اس دقیق بین نکتہ کی بارگاہ میں جس کی تیز نگاہی کا عالم یہ تھا کہ کسی کلمے میں ہزار معانی
 ہوتے تو وہ سب اول نظر میں احاطے میں آجاتے اور جس کے بارے میں علمائے حریم
 نے یہ فرمایا کہ اگر انہیں ابو حنیفہ دیکھ لیتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں اور انہیں اپنے
 تلامذہ میں داخل فرما لیتے۔ مگر اس نو عمر مفتی کے پہلے فتویٰ پر اسے بھی کہیں اصلاح کی
 ضرورت نہیں ہوئی۔ بات یہ ہے کہ شیر کے بچوں کو کس نے شکار سکھایا۔ حضرت مفتی اعظم
 ہند کی عمر مبارک کے یہی ایام تھے کہ علمائے رام پور سے مسئلہ اذان ثانی پر بحث چھڑ گئی۔
 علماء رام پور معمولی علماء نہیں تھے۔ یہ وہ اکابر ملت تھے جن کے علم و فضل کا رعب پورے
 ہندستان پر چھایا ہوا تھا۔

یہ شمس العلماء مولانا عبدالحق ابن علامہ فضل حق خیر آبادی جیسے اس بطل جلیل کے
 وارث تھے۔ کہ بانی دیوبند قاسم نانوتوی صاحب رام پور آئے تو ان کی ہیبت سے اپنے کو
 ظاہر نہ کر سکے۔ سرائے میر میں قیام کیا اور اپنا نام تبدیل کر کے لکھوایا۔

علمائے رام پور نے اس مسئلہ پر اپنی پوری توانائیوں کے ساتھ بحث شروع کر دی۔
 مجتہد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ان کے افہام و تفہیم کے لئے اپنے اس نوجوان فرزند کو
 حکم دیا اور حضرت مفتی اعظم ہند نے ان حضرات کے ابحاث علمیہ کے ایسے مدلل مسکت
 فصیح جواب دیئے کہ وہ دم بخود رہ گئے ان پر وہ گرفتیں کیں کہ وہ حضرات انگشت بدنداں رہ

گئے۔ جس کا جی چاہے اس وقت کے رسائل و قایہ اہل سنت نفی العار و غیرہ کا مطالعہ کر لے۔
اسے معلوم ہو جائے گا کہ مجدد اعظم کے وارث نے دنیا کو دکھا دیا دنیا سے منوالیا کہ بزرگی
بعقل ست نہ بہ سال۔

حضرت مفتی اعظم ہند کے سیکڑوں ایرادات آج بھی قرض ہیں۔ انہیں ایام میں
دیوبندیوں کی بقیۃ السلف حکیم الامت جناب تھانوی صاحب نے حفظ الایمان کی کفری
عبارت کی رفوگری کے لئے بسط البنان لکھی۔ جسے مطالعہ کے بعد حضرت مفتی اعظم ہند
نے اس کی رد میں وقعات السنان اور ادخال السنان تالیف فرمائی۔ جسے رجسٹری کر کے
تھانہ بھون بھیجا مگر ان دونوں کے جواب سے نہ صرف تھانوی صاحب بلکہ ان کی پوری
برادری عاجز ہے اور عاجز رہے گی۔

وقعات السنان، ادخال السنان کے زخموں کی تاب نہ لا کر بہ لباس باطنی تھانوی
صاحب نے اپنے ایک نیاز مند سے کچھ سوالات کرائے۔ ان کے جوابات کے لئے بھی
حضرت مفتی اعظم ہند میدان میں آئے۔ اور الموت الاحمر لکھ کر اکابر دیوبند کی تکفیر کے
تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی اور حجت الہیہ ان پر تام فرمادی اور من هلك عن
بینة ومن حی حی عن بینة کا جلوہ دنیا کو دکھا دیا۔

مجدد اعظم علیہ السلام حضرت قدس سرہ کی حیات مبارکہ میں حضرت مفتی اعظم ہند کے وہ
کارنامے ہیں جنہیں دیکھ کر عالم تصور میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک شیر ہے جو تن تہا پوری
دنیا سے چومکھا لڑ رہا ہے اور اپنے جملہ جاں ستاں سے مخالفین کو نہ پائے رفتن نہ جائے
ماندن کا مزہ چکھا رہا ہے۔

پھر ایک وقت وہ آیا کہ مجدد اعظم علیہ السلام حضرت قدس سرہ نے اس کی ضرورت محسوس
فرمائی کہ پورے ملک کے لئے ایک دارالقضاء قائم کیا جائے۔ تو چونکہ قاضی کے لئے کافی
تربیت تفقہ اور تجربہ کی ضرورت ہوتی ہے اور اس اعتبار سے حاضرین و دربار رضوی میں

سب سے زیادہ فائق حضرت صدر الشریعہ تھے اس لئے انہیں قاضی بنایا اور حضرت مفتی اعظم ہند اور حضرت برہان ملت جیلپوری کو مفتی دارالقضاء کے منصب پر فائز فرمایا۔ اس دارالقضاء میں اگرچہ حضرت مفتی اعظم ہند حضرت صدر الشریعہ کے ماتحت تھے، مگر غور کر لیجئے کہ دارالقضاء کوئی معمولی دارالقضاء نہ تھا۔ پورے ہندوستان کا سب سے بڑا مرکزی دارالقضاء تھا جسے سپریم کورٹ کہہ لیجئے۔ اور اس دارالقضاء میں مفتی کی حیثیت وہی تھی جو کسی بیچ کے چند ججوں کی ہوتی ہے۔ ایک نوعمر نوجوان کو سپریم کورٹ کے بیچ کے ججوں میں شامل کرنا اتنا بڑا اعزاز ہے کہ کہنہ مشقوں کو بھی شاید باید نصیب ہوتا ہے۔ اس نوعمری میں سب سے بڑے دارالقضاء کا رکن بنانا ہی اس کی دلیل ہے کہ ایک دن آئے گا کہ یہ نوعمر پوری دنیا کے علماء میں وہ حیثیت حاصل کر لے گا کہ اس کی حیثیت عالمی سپریم کے اعلیٰ جج کی ہو جائے گی اور دنیا نے اپنے چشم سر سے دیکھا کہ حضرت مفتی اعظم ہند اپنے عہد میں پوری دنیائے سنیت کے صرف قاضی القضاة ہی نہ تھے بلکہ روحانی شہنشاہ تھے ان کا جلوہ دنیا نے اس وقت دیکھا جبکہ حضرت مفتی اعظم ہند ۱۹۲۵ء م ۶۴ ۱۳ھ میں حج زیارت کے لئے حرمین طیبین حاضر ہوئے۔

نجدی فرعون ابن سعود نے حجاج پر حج زیارت کا ٹیکس لگا دیا تھا۔ اس قارون صفت حریص کو نہ حلال کی پرواہ تھی نہ حرام کی۔ اس کو اپنی عیاشی کے لئے قارون کا خزانہ درکار تھا۔ مگر اس بے برگ و گیاہ ریگستان میں اسے کیا ملتا۔ تو اس حریص ننگ اسلام و مسلمین نے مجبور و بیکس حجاج پر ظلم کیا کہ ان حاجیوں پر ڈاکے ڈالنے کے لئے ٹیکس لگا دیا اور حیرت یہ تھی کہ کتاب و سنت پر عمل کے مدعی اور داعی بننے والے نجدی علماء نے اس کے جواز کا فتویٰ دے دیا تھا۔

ابن سعود اور دوسرے نجدی حکمرانوں کے جبر و تشدد کا عالم یہ تھا ایک مزاح پسند ناقد نے کہا ہے کہ نجدی مملکت میں اللہ عز و جل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جناب میں

گستاخی کرنے والوں کے لئے جگہ ہے۔ مگر نجدی حکمراں پر صحیح تنقید کرنے والوں کی سزا موت ہے۔ علمائے حریمین طیبین رخصت پر عمل کرتے ہوئے خاموش تھے۔

لیکن جب حضرت مفتی اعظم ہند حریمین طیبین حاضر ہوئے تو اس ناخدا ترس خونخوار درندے کی قلم رو میں بیٹھ کر مکہ معظمہ میں اس نجدی ٹیکس کے حرام و گناہ ہونے پر انتہائی مدلل مفصل عربی زبان میں فتویٰ لکھا: جس کا نام: القنابل الذریۃ علی اوثان النجدیۃ جسے مطالعہ کر کے علمائے حریمین طیبین نے متفقہ طور پر فرمایا "ان هذا إلا الهام" اور متفقہ طور پر حضرت مفتی اعظم کو امام وقت شیخ الہند والحریم تسلیم فرمایا۔ بطور تبرک قرآن و احادیث وقفہ کے سلاسل کی اجازتیں لیں۔ اور اپنے آپ کو مفتی اعظم ہند کے زمرہ تلامذہ میں داخل ہونے پر فخر فرمایا۔ اسی وجہ سے کہتا رہتا ہوں۔ اور شیخ، شیخ الہند ہیں اور ہمارے شیخ، شیخ العرب والعجم ہیں۔

یہ جلوہ تھا اس اشارے کا جو والد مکرم مجدد اعظم نے نو عمری میں دارالقضاء کا رکن بنایا۔ اور وقت آنے پر دنیا نے چشم سر سے دیکھا کہ اپنے عہد میں پوری دنیا نے سنییت کا امام بنا۔ سلطان بنا، سرتاج بنا۔

یہ باتیں تو وہ ہیں جو ثقہ رواۃ کے ذریعہ میں نے سنی ہیں۔ اب آئیے خود میری آنکھوں نے جو کچھ دیکھا ہے اسے آپ حضرات ملاحظہ فرمائیں۔

میں بریلی شریف حاضر ہوا اور حضور مفتی اعظم نے اپنے دارالافتاء کی خدمت سپرد فرمائی۔ ہوتا یہ کہ میں مسائل دن میں لکھ لیا کرتا اور بعد عشاء حضرت کو سنا تا۔ یہ معمول مسلسل گیارہ سال تک رہا۔ میں اس میدان میں نو وارد نہیں تھا۔ فتویٰ نویسی کا اچھا خاصا تجربہ رکھتا تھا۔ میں نے زمانہ طالب علمی سے فتویٰ نویسی شروع کر دی تھی۔ محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد سردار احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے یہاں آئے ہوئے مسائل دیتے اور میں لکھا کرتا۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ سب سے پہلا فتویٰ میں نے بھی رضاعت

ہی کا لکھا تھا۔ فراغت کے بعد جب میں اپنے گھر گھوسی منقیم تھا تو میری فیروز بختی تھی کہ حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ ان دنوں ۶۶-۶۷ھ، ۴۷-۴۸ء اپنے دولت کدے ہی پر تشریف رکھتے تھے۔ میں روزانہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتا اور حضرت کے یہاں آئے ہوئے مسائل لکھا کرتا۔ اگرچہ اس کی صورت یہ ہوتی کہ حضرت املا فرماتے۔ چونکہ ان دنوں حضرت کی بینائی کمزور تھی اس لئے تائیدی عبارتیں میں ہی نکالا کرتا تھا۔ اس طرح فتویٰ لکھنے کی اچھی خاصی مشق ہو گئی تھی۔

میں بغور سوال پڑھ کر مسائل کی منشاء سمجھ کر پوری دماغی توانائی صرف کر کے دماغ حاضر کر کے جوابات لکھتا تھا۔ میں اپنے اوپر جو وثوق اس وقت بھی رکھتا تھا۔ اس کی روشنی میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس وقت کے میرے لکھے ہوئے مسائل پر کوئی انگلی نہیں رکھ سکتا تھا۔ دوسری طرف مفتی اعظم ہند کا حال یہ تھا کہ دن میں تعویذیں لکھنے میں مصروف رہتے تعویذ لینے کے لئے آنے والے کوئی خوش کن فرحت بخش خبر نہیں سنا تے بلکہ ہر تعویذ کا طلبگار اپنے دکھ، درد، تکلیف، مصیبت کی دردناک داستان سناتا تھا۔ مسلسل اذیت ناک خبریں سنتے سنتے مضبوط سے مضبوط انسان کا دل بیٹھ جاتا ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ دن بھر صبر آزما اعصاب کو مفلوج کرنے والے ماحول کی بدولت حضرت مفتی اعظم ہند ایسے تھک جاتے کہ سوائے آرام و سکون کے اور کام کی طرف توجہ نہ فرماتے مگر بلا ناغہ بالا التزام روزانہ بعد نماز عشاء کھانا تناول فرمانے کے بعد اپنی بیٹھک پر تشریف لاتے اور اس طرح تشریف رکھتے گویا دن بھر آرام کیا ہے۔ بالکل تروتازہ چاق و چوبند حاضر دماغ۔ اب میں اپنے لکھے ہوئے مسائل سناتا۔ حضرت مفتی اعظم ہند کی حاضر دماغی حقیقت قلبی کا عالم اس وقت بھی وہ ہوتا کہ جگہ جگہ اصلاح فرماتے۔ عمدہ سے عمدہ ترکی طرف رہنمائی فرماتے۔ زور بیان کو موثر سے موثر تر بناتے۔ استدلال کو قوی سے قوی تر فرماتے۔ عبارت کو شیشہ سے شستہ تر فرماتے۔ اگر تائیدی عبارت میں کمی ہوتی تو دوسری زیادہ مناسب اور موزوں

عبارت کی رہنمائی فرماتے۔ عبارت میں کوئی بھول چوک ہوتی تو فوراً تنبیہ فرماتے اور اسے صحیح کرتے چند نمونے ملاحظہ فرمائیے۔

ایک دفعہ میں نے لکھا تھا۔ تو فبہا۔ فرمایا: فبہا کے ساتھ تو کا کیا جوڑ۔

ایک دفعہ میں نے حدیث رفاء لکھی تھی صحیح۔ مگر میں نے پڑھ دیا۔ لاحقی تذوقی

عسیلتک فرمایا: کیا پڑھا؟

ہمارے اعظم گڑھ کے عرف میں مھر کو مونت استعمال کرتے ہیں اس وجہ سے میں نے مہر کے لئے تانیث کا صیغہ استعمال کر دیا فوراً تنبیہ فرمائی۔

ایک دفعہ یہ سوال آیا۔ ہندہ کی زید کے ساتھ نابالغی میں شادی ہوئی بالغ ہونے کے

بعد ہندہ زید کے ساتھ رہنے پر راضی نہیں اس مسئلہ کی دس بارہ صورتیں ہیں۔ مثلاً نکاح

کے وقت ہندہ کے باپ یا دادا زندہ تھے یا مر گئے تھے۔ موجود تھے تو یہ نکاح ان کی اجازت

سے ہو یا خود انہوں نے پڑھایا تھا یا نہیں۔ اگر زندہ تھے مگر کہیں دور تھے یہ غیبت منقطعہ تھی

یا نہیں کفو میں ہو یا غیر کفو میں مہر میں غبن فاحش تھا یا نہیں وغیرہ وغیرہ۔ میں نے بڑی محنت

سے دن بھر صرف کر کے اس کی تمام شقوق کی تفصیل لکھی تھی اور بہت خوش تھا کہ آج

حضرت مجھے داؤ ضرور دیں گے دعائے خیر سے نوازیں گے مگر جب سنا نا شروع کیا تو فرمایا:

یہ جواب سائل کو کیا مفید ہوگا۔ یہ شق در شق طوفانی جواب کس کے پلے پڑے گا۔

جواب میں اپنا مسلخ علم ظاہر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ عام طور پر نکاح کفو میں مہر مثل

کے ساتھ ہوتا ہے اور نابالغ بچوں کا نکاح باپ دادا ہی کرتے ہیں اور اگر باپ دادا نہیں تو

سائل اس کو سوال میں لکھا کرتے ہیں۔ اس لئے جواب میں صرف اتنا لکھیں کہ اگر یہ نکاح

باپ دادا نے پڑھایا تھا یا ان کے اذن سے ہوا تھا۔

اور کفو میں مہر میں غبن فاحش کے بغیر ہوا تو صحیح نافذ ہے۔ الخ۔ اور اگر واقعہ کی

صورت کوئی دوسری ہو تو دوبارہ اس صورت کو تفصیل کے ساتھ لکھ کر بھیجیں۔ اس اصلاح کا

حاصل ہے یہ کہ مسائل حکم شرعی اس لئے معلوم کرتا ہے کہ اس پر عمل کرے۔ پیچ در پیچ شق در شق جوابات سے وہ الجھ جائے گا اور صحیح حکم کو متعین نہ کر سکے گا۔ نیز خدا نافرمان لوگ ان سب شقوق میں سے اپنے پسند کی شق اختیار کر لیں گے۔ اگرچہ واقعہ کے مطابق نہ ہو اس طرح وہ حرام میں مبتلا ہوں گے اور سہارا آپ کے فتویٰ کا لیں گے۔ اس لئے جواب اس پہلو پر دیا جائے جو بظاہر ہو اور قیود بڑھا کر دوسری شقوق کی نفی کر دی جائے اور پھر آخر میں ہدایت کر دی جائے اس ہدایت سے حضرت نے رسم مفتی کے اس اہم قاعدے کی طرف رہنمائی فرمائی کہ مفتی اعظم کو اپنی طرف سے شقیں قائم کر کے جواب نہیں دینا چاہئے۔

میں نے بریلی شریف کے ایام قیام میں پچیس ہزار مسائل لکھے جن میں دس ہزار کے لگ بھگ وہ مسائل ہیں جن پر حضرت کی اصلاح ہے۔ کاش وہ سب محفوظ ہوتے تو ایک اہم خزانہ محفوظ ہوتا۔ پھر دنیا دیکھ لیتی کہ حضرت مفتی اعظم ہند کا تبحر علمی وقت نظر نکتہ رسی کس حد تک پہنچی ہوئی تھی۔ یہ مجلس عموماً دو تین گھنٹے کی ہوتی۔ کبھی کبھار چار گھنٹے کی بھی ہو جاتی تھی۔ میں تھک جاتا اکتا جاتا۔ مگر حضرت مفتی اعظم ہند پر تکان یا اکتاہٹ کا کوئی اثر نہیں نظر آتا۔ دن بھر کا تھکا ہوا انسان رات میں بھی اتنا حاضر دماغ ہو یہ انسانی قوی کے بس کی بات نہیں یہ اس کی دلیل ہے کہ حضرت مفتی اعظم ہند ان منتخب روزگار نفوس قدسیہ میں سے تھے جن کا علم بھی لدنی ہوتا ہے اور قوی بشری بھی لدنی اور دل و دماغ بھی لدنی جن کا سب کچھ لدنی ہوتا ہے۔ اسی مبارک محفل کا ایک حیرت ناک واقعہ یہ ہے کہ سخت سردیوں کے دن تھے۔ حضرت کے لئے انگیٹھی تھی جو کچھ دیر کے بعد ٹھنڈی ہونے لگی۔ حقے کی آگ بھی ختم ہونے پر آئی اچانک فرمایا اگر کوئلہ اور ہوتا تو انگیٹھی ہی گرم ہو جاتی اور تمباکو بھی پورا جلا نہیں ہے وہ بھی کام میں آجاتا۔ میں نے عرض کیا اندر خادمہ کو آواز دے کر کوئلہ مانگ لوں۔ فرمایا دن بھر کی تھکی ہاری بیچاری سو گئی ہوگی جانے دیجئے۔

منظر پور کے ایک شاہ صاحب کبھی کبھی آستانہ عالیہ پر قیام کرتے دو دو مہینے تک

رہتے بظاہر ان کا کوئی مقصد معلوم نہیں ہوتا میں نے ایک دو بار پوچھا بھی تو کہا کہ صرف حضرت کی زیارت کے لئے آجاتا ہوں۔

جب تک حضرت باہر تشریف رکھتے وہ حضرت کی خدمت میں حاضر رہتے۔ مذکورہ بالا گفتگو کے بعد میں نے دیکھا کہ وہ شاہ صاحب بیرونی دروازے سے اندر آئے اور اپنے رومال میں کچھ لائے اس کا بھی دھیان نہ آیا کہ دروازہ اندر سے بند ہے یہ کیسے آگئے۔ انہوں نے حاضر ہو کر عرض کیا حضرت یہ کوئلہ ہے اور انگیٹھی میں انڈیل دیا۔ اور کوئلے چلم میں ڈال دیئے۔ انگیٹھی میں کچھ چنگاریاں رہ گئی تھیں۔ شاہ صاحب کوئلہ ڈال کر بیٹھ گئے۔ حضرت نے فرمایا کہ پنکھا یا دفتی ہوتی تو اسے ہوا کر دی جاتی۔ میں اپنے کمرے میں پنکھا یا دفتی تلاش کرنے چلا گیا۔ مگر نہ پنکھا ملا نہ دفتی ملی۔ مجھے آنے جانے میں بمشکل دو ڈھائی منٹ لگے ہوں گے۔ واپس آ کر دیکھا تو انگیٹھی اور چلم دونوں کے کوئلے دہک رہے تھے۔ مجھے کچھ حیرت ہوئی مگر میں اپنے کام میں لگ گیا بارہ بجے کے بعد حضرت اندر تشریف لے گئے اور ہم لوگ اپنے اپنے کمروں میں جا کر سو گئے۔ شاہ صاحب نماز و جماعت کے پابند تھے۔ ہمیشہ باجماعت نماز پڑھتے تھے مگر اس دن فجر کی نماز میں نہیں تھے مجھے ایک خیال تو ہوا مگر پھر ذہن سے نکل گیا۔ ناشتے کے وقت ان کی تلاش ہوئی تو غائب اور کھانے میں بھی غائب۔ تحقیق کی تو سب نے بتایا کہ وہ آئے ہی نہیں ہیں۔ اب میرے دماغ میں کھلبلی مچی کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ رات کو جب پھر مسائل سناے بیٹھا تو پہلے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ شاہ صاحب رات میں کوئلہ لے کر آئے پھر پتہ نہیں کہاں چلے گئے۔ فرمایا چلے گئے ہوں گے آپ اپنا کام کریں۔ ظن غالب ہے کہ یہ حضرت شاہ صاحب کی صورت میں کوئی جن تھے۔ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ حضرت کے بکثرت مریدین جن بھی ہیں۔

اب آئیے چند واقعات سفر کے سنئے۔ حضرت مفتی اعظم ہند کی عادت کریمہ تھی کہ ہر

نماز مسجد میں حاضر ہو کر تازہ وضو سے باجماعت ادا فرماتے تھے۔ سفر کتنا ہی لمبا کتنا ہی

دشوار ہو۔ گاڑی میں کتنی ہی بھیڑ ہو کبھی کوئی نماز قضا نہیں ہوئی اور کوئی فرض یا سنت بیٹھ کر ادا نہ فرمائی اسی سلسلے میں کبھی بڑی دشواریاں پیش آئیں مگر کوئی پرواہ نہ کی۔

ایک بار حضرت اوجین سے جے پور جاتے ہوئے ناگدہ اسٹیشن پر بمبئی سے دہرہ دون ایکسپریس پر سوار ہوئے۔ سکند کلاس کا ٹکٹ تھا۔ ڈبے میں پہنچے تو پورا ڈبہ فوجیوں سے بھرا پڑا تھا۔ فوجی کتنے بدتمیز اور عوام کے لئے ظالم ہوتے ہیں وہ سب جانتے ہیں وہ وحشی سیٹوں پر ٹانگیں پھیلائے لیٹے تھے۔ بڑی مشکل سے بیٹھنے کی جگہ ملی۔ تھوڑی دیر بعد عصر کا وقت ہو گیا۔ پورا ڈبہ بھرا ہوا تھا۔ کہیں جگہ نہ تھی اور گاڑی اسٹیشنوں پر برائے نام رکتی۔ فرمایا: نماز پڑھوں گا۔ میں پریشان ہو گیا چاروں طرف نظر دوڑائی ایک فوجی سکھ کا بہت بڑا ٹرنک پڑا تھا جس پر بستر رکھا ہوا تھا میں نے اس سے کہا کہ ہمارے حضرت نماز پڑھیں گے اگر آپ مان جائیں تو اس ٹرنک پر سے بستر اتار دوں اور اس پر نماز پڑھ لیں وہ مان گیا اور خود اسی نے بستر اٹھایا اور کھڑا رہا۔ گاڑی جب ایک اسٹیشن پر پہنچی تو حضرت کو اسی پر کھڑا کر دیا۔ حضرت نے اسی طرح نماز ادا فرمائی۔ جب مغرب کا وقت ہوا تو ایک اسٹیشن پر مجھے بغیر بتائے ہوئے اتر پڑے۔ میں پیچھے پیچھے جا نماز لے کر دوڑا۔ فرض کا سلام پھیرتے ہی گاڑی نے سیٹی دے دی میں جلدی سے گاڑی کی طرف بڑھا اور حضرت نے سنت کی نیت باندھ لی اور گاڑی سیٹی پر سیٹی دیتی رہی اس وقت میری پریشانیوں کا عالم کیا تھا وہ میں ہی جانتا ہوں سامان گاڑی پر اور حضرت پلیٹ فارم پر۔ اگر گاڑی چلی جائے تو کیا کروں گا۔ اسی کش مکش میں نظر انجن کی طرف گئی تو دیکھا کہ ڈرائیور حضرت کی طرف دیکھ رہا ہے۔ اب کچھ اطمینان ہوا۔ بالآخر جب حضرت نماز سے فارغ ہو کر ڈبے میں تشریف لائے تو گاڑی چلی۔

اس قسم کے موقع پر قوی سے قوی اعصاب انسان کے ہوش و حواس بے قابو ہو جاتے ہیں۔ مگر مفتی اعظم ہند پر کوئی اثر نہ پڑا اور اطمینان خاطر نماز میں مصروف رہے۔ یہ دلیل

ہے کہ حضور مفتی اعظم ہند کا معاملہ خدائے عز و جل سے اتنا قوی تھا کہ کوئی چیز بھی اس میں محل نہ ہو سکتی تھی۔ حالانکہ ایک تلخ تجربہ ہو چکا تھا۔

ایک بار کلکتہ جاتے ہوئے مغل سرائے میں بنارس کے کچھ عقل کل افراد کی حرکتوں کی بدولت عصر کی نماز پڑھتے گاڑی چھوٹ چکی اور بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ مگر اس کے باوجود نماز کو اپنے اوقات میں پڑھنے سے کوئی چیز خارج نہیں ہو سکتی تھی۔

اسی سفر میں یہ قصہ درپیش ہوا کہ فوجی آپس میں مذہبی گفتگو کرنے لگے۔ ایک لم عمر فوجی نے باتوں باتوں میں حضرت سیدہ مریم عذرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان اقدس میں وہ بکواس کردی جو یہودی اور قادیانی بکتے ہیں۔ سخت جلال بھرے انداز میں اس فوجی کو ڈانٹا کہ کیا بکتا ہے۔ یہ جھوٹ ہے افتراء ہے وہ بھونچکا رہ گیا۔ کہنے لگا: میں نے محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) یا ان کی والدہ کے بارے میں تو کچھ کہا نہیں پھر آپ کیوں خفا ہو رہے ہیں۔ فرمایا ہم لوگ ہر پیغمبر کا ادب و احترام اسی طرح کرتے ہیں۔ جیسے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ میں تو ڈرا تھا کہ یہ وحشی درندے ہیں کہیں بدتمیزی کا برتاؤ نہ کریں۔ مگر ایک مرد حق آگاہ کی ڈانٹ نے انہیں سہا دیا اور مرعوب ہو کر خاموش ہو گئے۔ یہی نہیں اٹھ کر بیٹھ گئے اور اس کے بعد حضرت کے ساتھ مودب رہنے لگے۔

نماز کی پابندی کے سلسلے میں ایک واقعہ دہلی میں پیش آیا تھا۔

حضرت دارالعلوم اسحاقیہ جو دھپور کے سالانہ جلسے سے گھر واپس آرہے تھے۔ جو دھپور کے احباب نے اوپر کی سیٹ پر حضرت کا بستر لگا دیا تھا۔ عشاء پڑھ کر اس پر آرام سے سو گئے۔ سردی شباب پر تھی۔ جب گاڑی دہلی کے قریب گوڑ گاؤں پہنچی تو میں نے اٹھایا۔ اٹھنے کے بعد استنجا خانہ تشریف لے گئے مگر وہاں بہت لمبی قطار تھی وہ بھی عورتوں کی۔ حضرت بے چینی کے ساتھ استنجا خانہ کے خالی ہونے کا انتظار کرتے رہے۔ میں بستر باندھنے میں مشغول تھا۔ جب گاڑی دہلی کے پلیٹ فارم پر پہنچ گئی تب کہیں جا کر استنجا

خانہ خالی ہوا اور حضرت تشریف لے گئے۔ جب حضرت استنجا سے فارغ ہو گئے تو مراد آباد جانے والی گاڑی جس پلیٹ فارم پر لگی تھی وہاں تشریف لے گئے۔ جب سامان گاڑی میں رکھا جا چکا تو فرمایا کپڑے نکال دیں۔ میں نے حکم کی تعمیل کی کپڑے نکال کر حضرت کو دیئے اور میں بکس بند کرنے میں مصروف رہا۔ بکس بند کر کے دیکھا تو حضرت کپڑے لے کر بڑی تیزی سے پلیٹ فارم کے پل کی طرف جا رہے ہیں میں متحیر ہو گیا کہ یا اللہ حضرت کہاں جا رہے ہیں مگر میں کرتا کیا۔ گاڑی میں سامان چھوڑ کر حضرت کے پیچھے بھی نہیں جاسکتا تھا بے چینی و اضطراب کے عالم میں کسی طرح وضو کیا نماز پڑھی اور ریل کے ڈبے سے سر نکالے ہوئے باہر جھانکتا رہا۔ نہ وقت کتنا نہ حضرت تشریف لاتے۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کے بعد حضرت واپس ہوئے۔ جاڑے سے کانپ رہے تھے۔ قدم برابر نہیں پڑ رہے تھے۔ میرا دل دھک دھک کرنے لگا۔ ڈبے سے باہر نکل کر اندر لایا۔ ڈبے میں چڑھانے کیلئے ہاتھ پکڑا تو برف کے مانند سرداب میرا حال زار اور بدتر ہو گیا۔ فرمایا بستر کھولنے میں نے بستر کھولا تو فوراً لیٹ گئے اور بڑی تیزی سے لحاف اوڑھ لیا۔ اب میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا کہ حضرت کہاں تشریف لے گئے تھے۔ کانپتی ہوئی آواز میں فرمایا: وہ حیثیات پانچا نے کے دروازے پر کھڑی تھیں۔ مجھے استنجا کی شدید حاجت تھی کپڑے ناپاک ہو گئے سو چاکسی مسجد میں جا کر غسل کر کے کپڑے بدل لوں۔ رکشہ کر کے ایک مسجد میں گیا وہاں نہانے کا بندوبست نہ تھا تو پھر دوسری مسجد میں گیا وہاں گرم پانی بھی تھا اور نہانے کا بندوبست بھی۔ غسل کر کے کپڑے بدلے۔ نماز پڑھی اور واپس آ گیا۔ رکشے پر ہوا لگنے سے جاڑا معلوم ہونے لگا۔ وہلی میں سردی بہت پڑتی ہے۔ یہ سنتے ہی قدموں پر گر گیا کہ انہیں اللہ والوں کے وجود باوجود کے صدقے میں زمین و آسمان قائم ہیں اب میں باہر نکلا کہ حضرت کو گرم گرم چائے پلاؤں۔ دشواری یہ تھی کہ حضرت کسی غیر کی چائے تک نہ پیتے تھے۔ میں خود اس کا خیال رکھتا تھا۔ لیکن اس دن سوچا کہ اس وقت

حضرت کو چائے کی اشد ضرورت ہے بغیر تحقیق کے قریبی اسٹال سے دو نئے پیسے دے کر خوب گرم اور عمدہ چائے بنا کر لایا۔ چائے نوش فرمائی تو ارشاد فرمایا: کہیں سے آگ مل جاتی تو چلم بھری جاتی۔ میں ناشتہ دان کے ڈبے میں چند کونکے لے کے اسی چائے والے کی دوکان پر گیا اور اسی کے چولہے سے کونکے دکھایا اور چلم بھر کر تیار کر دی۔ اب حکم ہوا کہ پانی گندہ ہو گیا ہے بدل دیں۔ میں نے یہ بھی کیا اس کے بعد حضرت حقہ پینے میں مشغول ہو گئے۔ اب میں نے عرض کیا حضور پہلے ہی بتا دیا ہوتا کہ غسل کرنا ہے۔ ویننگ روم میں نہانے کا انتظام ہے گرم پانی بھی رہتا ہے اگر حضور نے پہلے ہی بتایا ہوتا تو اتنی تکلیف نہ اٹھانی پڑتی۔

کیا اس دور میں عزیمت پر اس حد تک عمل کرنے کی کوئی اور مثال پیش کی جاسکتی ہے۔

تعویذ نویسی :- اخیر دور میں جن لوگوں نے حضرت مفتی اعظم ہند کی زیارت کی انہوں نے تعویذ لکھتے ہی دیکھا ہے۔ ابتداء میں ہم لوگوں کو بھی اس پر تعجب ہوا اور حیرت بھی۔ اس شغل میں حضرت کو محنت بھی بہت کرنی پڑتی اور سارا وقت اسی میں صرف ہو جاتا۔ پھر خود بھی فرماتے تعویذ والوں نے ناک میں دم کر رکھا ہے کسی کا کام نہیں رکھا۔ آنے والے جانے والوں سے بات چیت بھی نہیں کر سکتا۔ مہمانوں کے پاس بیٹھ بھی نہیں سکتا۔ کبھی تعویذ والے دیر میں بارہ بجے ایک بجے دن میں آتے تو فرماتے یہ کوئی وقت تعویذ لینے کا ہے۔ حاجت مند عرض کرتے کہ فلاں کام میں پھنسا تھا۔ عورتیں عرض کرتیں۔ چھوٹے چھوٹے بچے ہیں کھانا پکا کر انہیں کھلا کر آئی ہوں۔ اس پر ارشاد فرماتے: اور جس کے پاس آئی ہو وہ بھوت ہے یا فرشتہ کہ نہ کھانا کھاتا ہے نہ پیتا ہے۔ نہ اسے آرام کی ضرورت ہے۔ کبھی بھیڑ زیادہ ہو جاتی ہے۔ بچے شور مچاتے تو جلال میں فرماتے کہ پیر ہوڑا کا میلہ بنا رکھا ہے۔ دیکھو چلے آرہے ہیں، گرمیوں میں آٹھ بجے بیٹھک میں تشریف

لاتے اور کبھی کبھی دو بج جاتے۔ مگر جب تک تمام حاضرین کو اپنی عادت کے مطابق پورا تعویذ عنایت نہ فرما لیتے دوپہر کا کھانا تناول نہ فرماتے۔ خادمہ آکر بار بار عرض کرتی کھانا کھالیں مگر جب تک تمام حاجت مندوں کو تعویذ نہ دے لیتے کھانا تناول نہ فرماتے۔

پھر حال یہ تھا کہ تین تعویذ سے کم کسی کو عنایت نہیں فرماتے۔ ایک عمر بھر پہنے رہنے کا ایک بھوت، پری، آسب وغیرہ اتارنے کا۔ ایک خاص اس مرض کا۔ مقدمے والا آتا تو ایک ٹوپی کا، ایک گلے کا، ایک حاکم کے سامنے جائے تو چٹکی میں دبانے کا۔

کس میں ہمت تھی کہ اس میں دخل دیتا۔ لیکن ہوتا یہ کہ حضرت ہیں تو تعویذ والوں کا مجمع ہے ورنہ میدان صاف۔ رات میں حضرت کہیں باہر تشریف لے گئے تو صبح کو سناٹا۔ اور پھر رات میں واپس آگئے تو پھر وہی مجمع۔ اس کو ہم حضار نے بار بار دیکھا۔ حیرت میں رہتے کہ کس نے حاجت مندوں سے کہہ دیا کہ حضرت باہر ہیں۔ اور رات میں آئے تو کس نے بتا دیا کہ آگئے اب ہم لوگوں کو یقین ہو گیا کہ یہ من جانب اللہ ہے۔ اس نکتے پر آکر ہم لوگ بالکل خاموش ہو گئے۔ خود ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ کچھ اللہ والے اپنی کرامتوں کو دوا اور تعویذ میں چھپاتے ہیں۔ اس سلسلے میں سرکار سید حمزہ مارہروی قدس سرہ کا واقعہ بیان فرمایا کہ ایک مریض دعا کے لئے حاضر ہوا۔ حضرت نے اسے ایک دوا کا نسخہ عنایت فرمایا۔ مدت کا مریض ایک خوراک میں ٹھیک ہو گیا۔ حضرت نے اپنی کرامت دوا میں چھپالی۔ یہی حال حضرت مفتی اعظم ہند کا تھا کہ وہ اپنی کرامتوں کو تعویذ کے پردے میں چھپائے ہوئے تھے جس کی دلیل یہی ہے کہ تعویذات بہت سے لوگ لکھتے ہیں مگر فائدہ نہیں ہوتا۔

ایک دفعہ ہم سب نے ہمت کر کے عرض کیا کہ حضور والا پریس کے پیلے کاغذ پر اپنے دست مبارک سے تعویذ لکھ دیں اسے چھپوا لیا جائے تو کچھ زحمت کم ہو جائے گی۔ فرمایا کون میرے لئے روشنائی لائے گا، کاغذ لائے گا پھر مجھے فرصت کہاں کہ سب تعویذیں اس

کاغذ پر لکھوں۔

کچھ دنوں بعد پہلی بھیت جناب حافظ عمران اپنی گیارہویں شریف کی مجلس کی دعوت کے لئے حاضر ہوئے۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ میرا یہ پروگرام ہے کہ پہلے کاغذ پر تعویذات حضرت سے لکھوا کر چھپوائے جائیں۔ یہاں بریلی شریف میں موقع ملنا مشکل ہے۔ آپ پہلی بھیت میں ایسا انتظام کریں کہ بھیڑ جمع نہ ہو۔ حضرت کو تنہائی نصیب ہو جائے انہوں نے بڑی خوشی سے اس کو منظور کیا۔

پہلی بھیت جانے سے پہلے جناب اشہر کاتب صاحب سے کاغذ بنوایا اور روشنائی اور قلم لیا اور ساتھ میں سب کچھ لے کر پہلی بھیت گئے۔ دوسرے دن ایک صاحب کے مکان میں حضرت کو ٹھہرایا گیا۔ میں نے کاغذ روشنائی اور قلم پیش کیا اور عرض کیا کہ حضور آج یہاں تنہائی رہے گی۔ کوئی نہیں آئے گا۔ سب تعویذ اس پر تحریر فرما دیں کہ چھپوائے جائیں۔ فرمایا رکھ دیجئے صبح سے عصر کے وقت تک قیام رہا۔ مگر کوئی تعویذ اس پر نہیں لکھا۔ صاحب خانہ سے گزارش کر دی گئی تھی کہ آپ کسی تعویذ کا سوال نہ کریں۔ انہوں نے اس کی بھری۔

مگر حضرت ان سے باتیں کرنے لگے اور ایسی دلچسپ اور طویل کہ دوپہر کے کھانے کا وقت آ گیا۔ حضرت استنجاء کے لئے تشریف لے گئے تو صاحب خانہ نے مجھ سے کہا: مجھے چند تعویذوں کی شدید ضرورت تھی مگر آپ کے منع کرنے پر میں نے کچھ نہیں کہا۔ حضرت نے اس کاغذ پر بھی تعویذ نہیں لکھے۔ اب آپ کیا کہتے ہیں۔ میں نے ان سے کہہ دیا کہ اب آپ جو چاہیں ضرورت ہو عرض کریں۔ میں اپنے مقصد میں ناکام رہا۔

پھر تعویذوں کی طلب صرف جاننے والے پہچاننے والے ہی نہ کرتے۔ بسا اوقات اجنبی انسان بلا کسی تحریک کے تعویذ مانگ بیٹھتا۔ ایک دفعہ پورنیہ سے واپسی پر حاجی پور اسٹیشن پر ایک ہندو اسی ڈبے میں سوار ہوا اس نے حضرت کو دیکھا تو دیکھتا رہ گیا۔ بہت دیر

تک دیکھتا رہا پھر قدم چوما اور عرض کیا۔ میرا بیٹا بیمار ہے ایک تعویذ لکھ دیجئے۔ فرمایا چلتی ٹرین میں کیسے لکھوں چلو سون پور میں لکھ دوں گا۔ پھر سون پور اسٹیشن پر گاڑی رکی تو اسے تعویذ لکھ کر دیا۔

پھر تعویذ کے اثرات عجیب عجیب طرح مرتب ہوتے۔ جو سمجھ سے باہر تھے۔ ایک دن ایک بس کنڈیکٹر آیا۔ حضرت باہر تشریف لے گئے تھے۔ اس نے مجھ سے کہا میں معطل ہو گیا ہوں۔ دوبارہ بحالی کے لئے حضرت سے تعویذ لے گیا تھا اور آج فیصلے کی تاریخ ہے اور رات میں نے ایک خواب دیکھا ہے اس کی تعبیر حضرت سے پوچھنے آیا تھا۔ اب حضرت نہیں تو آپ ہی تعبیر بتا دیجئے۔ بغیر کسی وقفے کے اس نے کہنا شروع کیا۔ کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ ایک اجلاس ہے جس کے حاکم حضرت مفتی اعظم ہیں۔ پیش کار مقدمات کی مسلیں پیش کرتا جاتا ہے۔ حضرت سب پر حکم لکھتے جاتے ہیں۔ پیش کار نے جب میری مسل پیش کی تو حضرت نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور حکم لکھے بغیر مسل رکھ دی۔ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ اس خواب کی تعبیر کیا ہے۔ حضرت نہیں آپ ہی بتائیے۔ میرا اپنا یہ حال ہے کہ تعبیر بتانا تو دور کی بات ہے خواب سنتے ہی وحشت ہوتی ہے میں نے معذرت کر دی کہ میں تعبیر نہیں جانتا۔ اس پر اس نے کہا: میرے ذہن میں ایک تعبیر یہ آئی ہے کہ آج اس کورٹ سے میری سزا ہوگی۔ مگر اپیل میں بے داغ باعزت بری ہو جاؤں گا۔

اس نے بعد مغرب آ کر بتایا کہ ہوا یہی ہے کہ حاکم نے سزا کر دی ہے۔ میں ضمانت پر ہوں۔ مگر مجھے یقین ہے کہ اپیل میں باعزت بے داغ بری ہوں گا۔ یہ کنڈیکٹر برابر آتا جاتا تھا۔ دو سال کے بعد اپیل کا فیصلہ ہوا وہ باعزت بے داغ بری بھی ہوا۔ ملازمت بھی بحال رہی اور تعطل کے ایام کے مشاہرے کا بھی اس کا حق ملا۔

اسی طرح اندور میں گونڈل کے حضرات کی ایک دکان تھی جو تقسیم ہند سے پہلے خوب

چلتی تھی۔ تقسیم ہند کے بعد جب تعصب کا دور دورہ ہوا تو دکان بالکل بند ہو گئی۔ حتیٰ کہ مال خراب ہونے لگا۔ سامان پر پھپھوند جم گئی۔ گھبرا کر مالک دکان نے بیچنے کا تہیہ کر لیا۔ اور گا ہوں سے بات چیت بھی شروع کر دی تھی۔ اسی اثناء میں حضرت مفتی اعظم اندور تشریف لے گئے۔ وہ ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔ حضرت نے خیرت دریافت کی تو انہوں نے سارا ماجرا عرض کر دیا۔ ان کی سرگزشت سن کر کچھ خاموش رہے۔ پھر فرمایا: دکان آپ ہرگز نہ بیچیں میں کل آپ کی دکان میں چلوں گا۔ حسب ارشاد ان کی دکان پر تشریف لے گئے۔ وہاں نماز پڑھی کچھ وظیفہ پڑھا۔ پانی پر دم کر کے پوری دکان میں چھڑکوا یا۔ اور ایک بہت ہی خوبصورت کئی تعویذوں کا مجموعہ تعویذ دکان میں لگانے کے لئے دیا۔

اس کا اثر یہ ہوا کہ کچھ دنوں بعد ان کی دکان پہلے کی طرح چلنے لگی۔ یہ سب تفصیلات مالک دکان نے خود مجھ سے بلا واسطہ بیان کی ہیں۔ تعویذوں کے فوائد کے واقعات جمع کئے جائیں تو صرف ان سے دفتر تیار ہو جائے گا۔

میں نے یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا ہے۔ ان سب غور کرتا رہا۔ بالآخر اس نتیجے پر پہنچا کہ حضور مفتی اعظم ہند من جانب اللہ اس کے مامور ہیں۔ اس میں متعدد فوائد ہیں۔ اول اب عوام میں خود غرضی بڑھ گئی ہے۔ علم و فضل، زہد و ورع کی طرف رغبت معدوم ہے۔ ہاں جس سے کام نکلتا ہے اس کے لوگ گرویدہ ہو جاتے ہیں اور عوام کے دین و ایمان کی صیانت اسی میں ہے کہ وہ کسی دینی پیشوا سے متعلق رہیں۔ اس لئے تعویذوں کا سلسلہ ضروری تھا۔ ثانیاً خدمت خلق بہت اہم عبادت ہے۔ حدیث میں فرمایا:

خیر الناس من ینفع الناس: سب سے اچھا وہ ہے جو لوگوں کو نفع

پہنچائے۔ ایک اور حدیث یاد پڑتی ہے کہ فرمایا: اللہ عز و جل کسی بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے تو لوگوں کی حوائج کا اسے مرجع بنا دیتا ہے۔ جن جن کی مرادیں پوری ہوں گی وہ سب زندگی بھر دعائے خیر کرتے رہیں گے۔ اور مسلمانوں کی دعا خیر بہت عظیم نعمت ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انتم شهداء اللہ فی الارض۔ تم لوگ زمین میں اللہ کے گواہ ہو مشہور ہے۔ زبان خلق کو نقارۃ خدا سمجھو۔ ثالثاً: حضرت مفتی اعظم ہند کے تمام تعویذات اسماء الہیہ آیات قرآنیہ کلمات دعائیہ پر مشتمل ہوتے اس طرح تعویذ لکھنے میں ذکر الہی بھی ہوتا رہتا ہے۔ اس لئے القلم احدی السانین۔ تعویذ نویسی، حقیقت میں ذکر الہی ہوا کرتا تھا۔

ایک مغالطے کا ازالہ: حضرت مفتی اعظم ہند تہجد، اشراق، چاشت اوابین وغیرہ نفل نمازوں کے عادی نہ تھے۔ نہ گھرا دافر ماتے نہ مریدوں کے گھر۔ کبھی تسبیح نہیں رکھتے اور تسبیح پر وظائف نہ پڑھتے۔ صرف فرائض واجبات، سنن پر اکتفا فرماتے اور ہر نماز کے بعد مختصر وظیفہ انگلیوں پر پڑھتے۔ جبکہ آج کل بزرگی کا معیار نوافل کی زیادہ سے زیادہ ادائیگی اور ہر وقت ہاتھ میں تسبیح لے کر ہلاتے رہنا بلکہ گلے میں دو ایک پہنے رہنا ہے۔

اسی سلسلے میں ایک واقعہ یہ ہے کہ مغربی دیناج پور اسلام پور کے علاقے میں ایک شخص نے حضرت کو مدعو کیا اور بہت اہتمام کیا۔ جب حضرت آرام کے لئے لیٹے تو وہ شخص رات بھر جاگتا رہا۔ حضرت نے وہاں بھی تہجد نہیں پڑھا۔ اذان فجر کے بعد جب میں نے حسب دستور حاضر ہو کر جگایا تو اٹھے اور اپنی عادت کے مطابق اسفار کے بعد باجماعت نماز فجر پڑھی۔ ناشتے کے بعد ہم لوگ وہاں سے رخصت ہو گئے۔ سننے میں آیا کہ اس نے یہ کہنا شروع کیا: کہ بہت مشہور تھا کہ بہت بڑے بزرگ ہیں۔ میں نے تو ان میں بزرگی کی کوئی بات نہ دیکھی۔ انہوں نے تہجد تک نہیں پڑھا۔ وہ عتاب کا شکار ہوا۔ اس کے گھر میں آگ لگ گئی سارا گھر اور سامان مال، متاع جل گیا۔ ہزاروں کے نوٹ گھر میں تھے جل کر راکھ ہو گئے۔ صرف بدن کے کپڑے بچے۔ اس تباہی سے وہ نیم پاگل ہو گیا۔ اطراف کے علماء نے اسے تنبیہ کی کہ تو نے ایک عارف کامل کی شان میں گستاخی کی ہے اسی کی سزا

ہے۔ اب اسے ہوش آ گیا۔ مگر کیا کرتا۔ دل ہی دل میں توبہ کی عاجزی و زاری کی۔

اتفاق کہ سال بھر کے بعد جب مفتی اعظم ہند اس اطراف میں تشریف لے گئے تو اس نے حاضر ہو کر معافی مانگی اور حضرت کو پھر اپنے گھر لے گیا اور مرید ہوا اب وہ ایک خوشحال فرد ہے اس قسم کے اور بھی واقعات ہوئے ہیں۔

اس سلسلے میں ایک اہم نکتہ ناظرین ذہن نشین کر لیں۔ نوافل، تہجد، اشراق وغیرہ پڑھنے والے اور ہر وقت تسبیح ہاتھ میں لیکر وظیفہ کرنے والے کو اکثر خود بھی یہ خبط سوار ہو جاتا ہے کہ ہم اللہ کے ولی ہیں۔ اور دیکھنے والے بھی بہت جلد یقین کر لیتے ہیں کہ یہ تہجد گزار، اشراق کا پابند ہر وقت اللہ اللہ کرنے والا پہنچا ہوا ولی ہے۔

لیکن جو لوگ حضرت مفتی اعظم ہند کی طرح فرائض و واجبات، سنن، مستحبات کے ہر معاملے میں پابند اور نواہی سے بالکل محترز رہتے ہیں اور غیر محسوس طریقے پر یاد الہی میں مصروف رہتے ہیں وہ خود بھی عجب کے شکار ہو کر اس فریب میں گرفتار نہیں ہوتے کہ ہم اللہ کے ولی ہیں اور دوسروں کو بھی دھوکا نہیں ہوتا۔

اور وصول الی اللہ میں سب سے بڑا حجاب عجب ریاتکبر نفس ہے۔ عوام کا فریب سم قاتل ہے۔ اسی لئے ہمارے مشائخ قادر یہ نے اس دوسرے طریقے کو اپنایا کیونکہ اسی میں سلامتی اور منزل تک رسائی یقینی ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں تہجد و اشراق ذکر و اذکار کو اہمیت نہیں دیتا۔ یا ان کے فضائل کا منکر ہوں۔ میں وصول الی اللہ کے دو طریقوں میں سے افضل، احسن، اسلم طریقے کی بات کر رہا ہوں۔

اس کو یوں حل کیجئے کہ میں تمام یا ان نکتہ داں سے سوال کرتا ہوں کہ حضرت مفتی اعظم ہند نے جو طریقہ اپنایا کہ فرائض و واجبات پر ہر معاملے میں پابندی محرمانہ بلکہ مکروہات سے بالکل اجتناب اور اپنا پورا وقت مخلوق کی حاجت روائی اور ذکر الہی اور فتویٰ

نویسی اور مفتیوں کی اصلاح و تربیت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں زندگی بسر فرمائی۔ یہ افضل ہے۔ یا فرائض و واجبات سنن میں تساہلی، محرّمات و مکروہات کے ارتکاب میں لا ابالی پن مگر تہجد اشراق ذکر اور اذکار میں مصروفیت اور خود کو ولی سمجھنا اور دوسرے کو ولی سمجھنا افضل ہے۔ اس کا فیصلہ ناظرین پر ہے۔

روحانیت:- اس سلسلے میں عوام و خواص میں بہت سے واقعات مشہور و معروف ہیں۔ جن کے اعادے کی ضرورت نہیں۔ میں صرف دو واقعے تحریر کر رہا ہوں۔ جو اب تک سپرد قلم نہیں ہوئے ہیں۔

(۱) ایک سال بریلی شریف کے ایک حاجی صاحب حج سے واپس آئے تو لوگوں سے دریافت کیا کہ حضرت مفتی اعظم ہند کب حج کے لئے گئے تھے اور واپس ہوئے یا نہیں۔ لوگوں نے انہیں بتایا کہ حضرت مفتی اعظم امسال حج کے لئے نہیں گئے تھے۔ انہوں نے عید گاہ میں عید الاضحیٰ کی نماز پڑھائی ہے میں نے خود پڑھی۔ سب حاضرین نے متفق اللفظ ہو کر یہی بتایا۔ انہوں نے حیرت سے کہا: آپ لوگ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ میں نے ان کو طواف کرتے دیکھا ہے۔ مسجد حرام میں، منیٰ میں، عرفات میں اور ان سے ملاقات کی ہے۔ مدینہ منورہ مسجد نبوی میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ مواجہ اقدس میں سلام عرض کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ یہ سن کر سارے حاضرین دم بخود رہ گئے۔ لیکن سب نے پھر یہی کہا کہ تمہیں دھوکا ہوا ہوگا۔ حضرت تو امسال دولت کدہ ہی پر رہے۔ حج کے لئے نہیں گئے تھے۔ مگر انہوں نے پھر بتا کید کہا دھوکا کیسا میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ میں نے ان سے وہاں ملاقات کی ہے ان کی دست بوسی کی بات چیت کی اول بلا کسی شبہ مسجد نبوی اور مواجہ اقدس میں دیکھا ہے۔ اس کا عام چرچا ہوا سب نے ان حاجی صاحب کو یہی بتایا کہ تم جو کہتے ہو سچ ہے مگر حضرت امسال حج کے لئے نہیں گئے تھے حاجی صاحب نے خود یہ واقعہ مجھ سے بیان کیا اور بھی بہت سے لوگوں سے بیان کیا۔

marfat.com

Marfat.com

یہ حاجی صاحب جب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت نے انہیں بہت پیار سے دیکھا جاں نواز انداز میں مسکرائے اور حسب عادت ان کے قدم اور آنکھوں کو بوسے دیئے۔ حاجی صاحب دم بخود بیٹھے ٹکٹکی باندھے حضرت کو دیکھتے رہے۔ کچھ دیر بعد حضرت ان سے مخاطب ہوئے اور حرمین طیبین کے حالات پوچھتے رہے۔ اور ایک بار بڑے محبت آمیز لہجے میں فرمایا: حاجی صاحب ہر بات بیان کرنے کی نہیں ہوتی اس کا خیال رکھئے گا۔ اسی سے متاثر ہو کر یہ حاجی صاحب مرید ہو گئے۔

(۲) پہلے عرس رضوی کی ساری تقریبات درگاہ رضوی کی چھت پر ادا ہوتی تھیں جس سے اترنے کے لئے صرف ایک زینہ تھا۔ قل کے وقت بے پناہ اثر دہام ہوتا تھا۔ قل ختم ہونے کے کم از کم ایک گھنٹے بعد حضرت مفتی اعظم اوپر سے اتر پاتے تھے۔ مگر ایک سال کے قل کے پندرہ منٹ بعد ہم بہت سے لوگوں نے دیکھا کہ حضرت نیچے تشریف لے آئے اور کاشانہ مبارک میں تشریف لے گئے۔ میں مسجد رضوی کے دروازے پر کھڑا تھا کہ ایک صاحب نے پوچھا کہ حضرت اوپر سے تشریف لے آئے ہیں میں نے انہیں بتایا حاجی ہاں دولت خانے میں تشریف لے گئے ہیں۔ وہ حضرت کی بیٹھک میں تشریف لے گئے مگر بیٹھک میں حضرت تشریف فرمانہ تھے۔ انہوں نے کچھ دیر انتظار کیا مگر حضرت اندر سے تشریف نہیں لائے پھر میرے پاس آئے کہ حضرت کہاں ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ اندر کسی ضرورت سے تشریف رکھتے ہوں گے۔ ہم یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ یہ دیکھا گیا کہ حضرت درگاہ شریف کی چھت سے نیچے تشریف رکھتے ہوں گے۔ ہم یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ یہ دیکھا گیا کہ حضرت درگاہ شریف کی چھت سے نیچے تشریف لائے۔ انہوں نے مجھے گھور کر دیکھا۔ انہوں نے مجھے جھوٹا سمجھا ہوگا۔ تو حضرت کے ساتھ بیٹھک میں چلے گئے۔ اور میں سوچتا رہ گیا کہ معاملہ کیا ہے؟ بہت دیر تک میں سکتے میں کھڑا رہا۔ پھر وہ لوگ جنہوں نے پہلی بار اترتے دیکھا تھا، میرے پاس آئے اور کہنے لگے: ہم لوگوں کا

دماغ پھٹ جائے گا۔ یہ معاملہ کیا ہے۔ میں نے ان کو سمجھانے کے لئے کہا کہ یہ سرکارِ غوثِ اعظم کا کرم ہے کہ اپنی کرامت اپنے نائب کو عطا فرمائی۔

جوننا گڑھ کاٹھیا واڑ کے حاجی محمد ابراہیم مارفانی مرحوم نے بتایا کہ مجھے کسی سے مرید ہونے کا شوق زمانے سے تھا۔ پیر کی تلاش میں رہتا۔ جس پیر کی کاٹھیا واڑ میں آمد کی خبر سنتا ان کی خدمت میں حاضر ہوتا مگر کسی سے دل نہ بھرتا۔ ایک دفعہ سوتے وقت یہ شوق والہا نہ انداز میں بیدار ہوا۔ اور مجھ پر رقت طاری ہو گئی۔ روتے روتے میں نے عرض کیا کہ الہی مجھے کوئی پیر کامل عطا فرما۔ اسی حالت میں سو گیا۔ خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ صورت انسان دوسرے بزرگ کو دکھا کر فرماتے ہیں کہ تیرے پیر یہ ہیں۔ اچھی طرح دیکھ لے۔ حاجی ابراہیم نے بتایا کہ اس تنبیہ پر میں نے بہت غور سے ان بزرگ کو دیکھا اور ان کے حلیہ جمال کا ہر نقش دل پر کالجھ کر لیا۔ پھر آنکھ کھل گئی۔ وہ کہتے ہیں کہ اب میں اس سوچ میں پڑ گیا کہ یہ بزرگ کون ہیں کہاں کے باشندے ہیں کیا نام ہے۔ کچھ پتہ نہیں۔ ڈھونڈوں تو کیسے ڈھونڈوں۔ کہاں ڈھونڈوں۔ اب میرا شوق دیوانگی کی حد تک پہنچ گیا۔ اور پورے کاٹھیا واڑ سے مضبوط رابطہ قائم کر لیا۔ کہ جو بھی پیر آئے مجھے خبر کرانا پیر آتے رہے جاتے رہے مگر میرا پیر کوئی نظر نہ آیا۔ اجمیر مقدس حاضر ہوا وہاں بھی پوچھ پوچھ کر ہر حاضر ہونے والے پیر کو دیکھا مگر میرا قبلہ مقصود کوئی نہ تھا۔

بالآخر یہ خبر ملی کہ مفتی اعظم ہند دھوراجی فلاں تاریخ آرہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے دل میں یہ شائبہ بھی نہ تھا کہ یہی وہ بزرگ ہوں گے۔ مفتی اور پیر یہ اس وقت میری سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ لیکن چونکہ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا معتقد تھا اس لئے اس ناطے چلو ان کے وارث ان کے فرزند کی زیارت کر لوں۔ خواب میں جسے میرے پیر بتایا گیا تھا وہ مفتی اعظم ہند کی شکل میں میرے سامنے جلوہ گر تھا۔ کچھ حیرت و استعجاب فرحت انبساط کی ملی جلی کیفیت میں دم بخود کھڑا مرآۃ جمال غوث اعظم کو تکتا رہا۔ جب قوی قابو

میں آئے تو قریب پہنچ کر قدموں میں گر پڑا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اپنے دست مبارک سے میرے سر کو پکڑ کر قدموں سے ہٹاتے رہے، فرماتے رہے یہ کیا کر رہے ہو۔ جب آنسو کے ساتھ طوفان شوق تھما تو پہلی درخواست یہی پیش کی کہ مجھے مرید فرمائیں۔ جو بلا تاخیر قبول ہوئی۔ اس سفر میں علاقہ کاٹھیاواڑ میں حضرت مفتی اعظم کے پہلے مرید حاجی ابراہیم مارفانی مرحوم تھے۔

قابل تنقید روایات:- غلو و افراط میں بہہ کر مفتی اعظم ہند کے حالات میں بعض غلط بلکہ قابل اعتراض روایات بھی لوگوں نے لکھ دی ہیں جو کسی وقت مخالفین کی نظر میں آسکتی ہیں اور ہمیں رسوائی ہو سکتی ہے۔ اس لئے ان کی نشاندہی کرنی ضروری ہے۔

اول:- تاریخ ولادت بعض سوانح نگاروں نے ۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۰ھ لکھا ہے یہ صحیح نہیں ہے۔ خود حضرت مفتی اعظم ہند نے اپنی تاریخ ولادت ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ بتائی ہے۔ خود مفتی اعظم ہند سے یہ سننے والے آج بھی اتنے موجود ہیں کہ ان سب کو غلط بیان نہیں کہا جاسکتا۔ ایک شہرت یہ ہے کہ مفتی اعظم کا تاریخی نام محمد ہے اس طرح کہ سال ولادت ۱۸۹۲ء ہے اور بہ حذف صدی ۹۲ کا عدد آتا ہے مگر قواعد اس کی تائید نہیں کرتے۔ سن ہجری و عیسوی میں تطابق کے جتنے قاعدے ہیں کسی قاعدے سے تطابق نہیں ہوتا۔ ہر قاعدے سے سال عیسوی ۱۸۹۳ء آتا ہے۔ نہ معلوم کیسے اسے شہرت ہو گئی۔ بہر حال ۱۸۹۲ء درست نہیں اس کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ:

”المملفوظ“ میں اعلیٰ حضرت کا یہ ارشاد تو مذکور ہے کہ میرے بڑے بیٹے حامد رضا کا تاریخ نام محمد ہے ان کا سال ولادت ۱۲۹۲ھ ہے۔ مقام اس کا مقتضی تھا کہ اگر واقعہ حضرت مفتی اعظم ہند کا نام نامی محمد بھی تاریخی ہوتا تو اس کا تذکرہ بھی ضرور فرماتے۔ خصوصاً جبکہ وہی جامع ملفوظات ہیں۔

ثانی:- اسی طرح کسی نے یہ اڑا دیا کہ حضرت کی ولادت کے موقع پر حضرت مولانا رحم

الہی صاحب منگلوری مرحوم نے یہ شعر تاریخ ولادت پر مشتمل اعلیٰ حضرت کی خدمت میں عرض کیا۔

”طیب دین احمد مجتہد دابن مجدد اعظم“

اس روایت کو ہمارے ذمہ دار و غیر ذمہ دار سبھی افراد نے بلا تحقیق بیان کرنا شروع کر دیا کسی نے یہ بھی تکلیف نہیں کی کہ اس کے اعداد ہی جوڑ لیتے ناظرین کو حیرت ہوگی کہ اس کے اعداد ۱۳۰۶ ہیں۔ یہ روایت کسی مخالف نے گڑھی ہے۔ اس میں ایک طرف حضرت مفتی اعظم کے استاد جناب مولانا رحمہ الہی صاحب پر زد پڑتی ہے تو دوسری طرف خود اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی شخصیت مجروح ہوتی ہے۔ اسے کسی نے نہیں سوچا بس اندھا دھند نقل کرنا شروع کر دیا۔ ۱۳۱۰ھ تک کسی نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو مجدد نہیں کہا تھا (چہ جائیکہ مجدد اعظم)

ثالث: اسی طرح عام طور پر یہ مشہور کر دیا کہ حضرت مفتی اعظم ہند نے پہلا حج اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے ساتھ ۱۳۲۲ھ میں کیا ہے یہ بھی صحیح نہیں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے ہمراہ اس حج میں خلف اکبر حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ حضرت مفتی اعظم نے پہلا حج ۱۹۲۵ء میں دوسرا ۱۹۲۸ء میں اور تیسرا ۱۹۷۱ء میں فوٹو کی قید کے بعد بلا فوٹو کیا ہے۔

دابع: صحیح یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے مرکزی دارالقضاء کا قاضی صرف حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کو بنایا۔ حضرت مفتی اعظم ہند اور برہان ملت کو ان کا معین اور مفتی بنایا تھا۔ جیسا استقامت کے مفتی اعظم نمبر میں خود حضرت برہان ملت کا تفصیلی بیان مذکور ہے۔ مگر کچھ لوگوں نے حضرت مفتی اعظم کو قاضی لکھ دیا۔ اور تقریروں میں بیان کرنا شروع کر دیا۔

خامس: حضرت مفتی اعظم کی بعض تصانیف کے دو نام ہیں۔ مثلاً الموت الحمر کا دوسرا نام

ہشتاد بیوہ بند برمنگاری دیوبند“ بھی ہے۔ کثرت تصانیف دکھانے کے شوق میں اسے دو کتابیں شمار کر دیں اب ہم کس کا منہ پکڑیں جو یہ کہدے کہ حضرت مفتی اعظم کے سوانح نگار اتنے جاہل ہیں کہ انہیں یہ بھی نہیں معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی کتاب کے دو نام ہیں یا دو کتابیں۔

سادس: کسی نے فتاویٰ رضویہ جلد دوم کی ترتیب بھی حضرت مفتی اعظم ہند کی طرف منسوب کر دی۔ جب کہ یہ تمام حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کا ہے۔ حضرت صدر الشریعہ نے خود مجھ سے بیان فرمایا: ”جب میں اجمیر شریف جانے لگا تو کچھ کاغذ مطبع اہل سنت میں موجود تھا میں نے جلدی جلدی فتاویٰ رضویہ جلد دوم کو مرتب کیا اور چھپوا دیا۔ عجلت میں نہ فہرست بنا سکا اور نہ فوائد لکھ سکا۔ ٹائٹل رہ گیا۔ جسے حضرت جیلانی میاں نے چھپوا کر اس کے ساتھ لگا دیا۔“

ان لوگوں پر حیرت ہے فتاویٰ رضویہ جلد دوم کی ترتیب سے کہیں اہم و اعظم فتاویٰ رضویہ کتاب النکاح کی ترتیب اور اس کی فہرست اور اس کے فوائد ہیں۔ پھر کتابت و طباعت اتنی شاندار، دیدہ زیب خوشنما اور عمدہ کہ آج کی فوٹو آفسیٹ کی طباعت بھی بیچ ہے۔ کاغذ اعلیٰ چکنا و لاتی میں بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی کوئی تصنیف اتنی عمدہ اس وقت تک نہیں چھپی تھی۔ تصحیح ایسی کہ اب تک مجھے اس میں کوئی غلطی نہیں ملی۔ اسے کوئی ذکر بھی نہیں کرتا یہ کتنی قابل افسوس بات ہے۔

فتنہ ارقداد: ۱۹۲۰ء بلکہ ایک دو سال پہلے سے ہندستان سخت سیاسی کش مکش میں مبتلا تھا۔ کانگریس ہندو اور مسلمانوں کی متحد قوت سے انگریزوں پر ضربیں لگا رہی تھی۔ خلافت کمیٹی کے کانگریس میں انضمام کے بعد کانگریس ناقابل تسخیر قوت بن چکی تھی۔ مسلمان اپنے انجام سے بے خبر کانگریس کے دیوانہ وار شریک تھے۔ اور مسلم لیڈران تو لیڈران علماء نے آنکھ بند کر کے کانگریسی رہنماؤں کی تقلید جاہد کر لی تھی۔ حتیٰ کہ ایک عالم نے کانگریسی رہنما کے بارے میں یہ تک فرما دیا:

عمرے کہ آیات و احادیث گذشت

رفتی و ثاربت پرستی کردی

کسی مسلمان کو اپنے انجام کی خبر نہ تھی۔ کسی نے یہ سوچنے سمجھنے کی زحمت تک نہ کی کہ کانگریس کا مقصد کیا ہے۔ حتیٰ کہ دیوبند کے صدر مدرس مولوی محمود حسن نے بھی کانگریس کے استھان پر اپنے تقدس کی بھینٹ چڑھا دی۔

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے رہا نہ گیا اور سچے نائب رسول اور وقت کے مجدد ہونے کی حیثیت سے مسلمانوں کو کانگریس سے بچانے کی انتھک کوششیں کیں جن کی دلیل اس وقت کے رسائل اور اشتہارات اور اجلاس شاہد ہیں۔ واشگاف الفاظ میں مسلمانوں کو بتایا کہ کانگریس کا مقصد تمہیں ہندوؤں کا غلام بنانا ہے اس وقت کے رسائل اور اشتہارات پڑھئے آپ کو واضح غیر مبہم الفاظ میں ان سب خطروں کی نشاندہی ملے گی جو آج مسلمانوں کے مقدر بن چکے ہیں جو مسلسل چالیس سال سے پولیس ایکشن کے ذریعے مسلمانوں کے قتل عام اموال کی لوٹ کھسوٹ اور شہری حقوق سے مسلسل محرومی کی شکل میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔

میرٹھ، ملیانہ، بھاگلپور، کرنیل گنج، نجیب آباد، بنارس وغیرہ میں جو پولیس ایکشن ہوا ان سب کی آگاہی پہلے ہی دے چکے تھے۔ مسلم لیگ نے تو مطالبہ پاکستان بہت بعد میں کیا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے برسوں پہلے اس کا اشارہ کر دیا اور اس کے مضر اثرات بیان فرمادیئے اس سلسلے میں حضرت مفتی اعظم ہند والد ماجد کے دوش بدوش رہے۔ اس سلسلے میں مفتی اعظم ہند کی تصنیفات طرق الہدیٰ والارشاد وغیرہ کا مطالعہ کریں تو آپ لوگوں کو سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔

نام نہاد مسلمان اتنے اندھے بہرے ہو چکے تھے کہ ایک انتہائی بد باطن کانگریس لیڈر کو جامع مسجد کے منبر پر بٹھایا اور اس سے بھاشن دلوایا۔ انگریز کانگریس کے اس زور شور

سے گھبرا اٹھا تھا۔ ایک بہانے سے اسی لیڈر کو گرفتار کیا۔ اور جیل میں لی جا کر شیشے میں اتارا اور پھر رہا کر دیا۔ اس نے جیل سے نکل کر مسلمانوں کو ہندو بنانے کی تحریک شدھی سنگٹھن کی تحریک چلائی۔ ہندو پونجی پتیوں نے اپنی تجویروں کے منہ کھول دیئے۔ وہ بڑے ساز و سامان کے ساتھ مسلمانوں کو ہندو بنانے کے لئے نکلا۔ عمدہ سے عمدہ باجے اچھے سے اچھے گانے والی خوبصورت پری پیکر لڑکیوں کے جھنڈ کے ساتھ گھومنے پھرنے لگا۔

اس وقت کی مسلمانوں کی ساری تنظیمیں خاموش تھیں۔ تمام خانقاہوں پر جمود طاری تھا۔ سارے مسلمانوں کے مقتدا بننے والے چپ سادھے تھے۔ مگر مجدد اعظم کے وارث علم و فضل حضرت مفتی اعظم سے رہا نہ گیا۔ تن بتقدیر یکہ و تنہا چند اپنے رفقاء کو لیکر اس طوفان کا مقابلہ کرنے کے لئے نکل پڑے۔ چونکہ اس فتنے کا زور نواح آگرہ میں بہت تھا اس لئے آگرہ کو مرکز بنا کر دیہاتوں کا پیادہ دور شروع کر دیا۔ جب اطلاع ملتی کہ وہ لیڈر فلاں جگہ گیا ہے، وہیں پہنچ جاتے۔ جگہ جگہ اس کا پیچھا کرتے۔ اور ساتھ ہی ساتھ بطور حفظ ما تقدم ان دیہاتوں میں بھی تشریف لے جاتے ابھی اس کا گزر نہیں ہوا تھا۔ ایک دو دن نہیں برسہا برس اس میں مصروف رہے۔ گرمی ہو یا جاڑا ہو برسات ہو کسی کی پرواہ نہیں کی۔ ناز و نعمت میں پلا ہو ایک رئیس شہزادہ جو کبھی چند قدم پیدل نہ چلا ہو۔ میلوں پیدل چل رہا ہے۔ جاڑوں کی بریلی ہو ائیں گرمیوں کے لو کے جھکڑ سب کچھ سہتا ہے۔ بے پڑھے لکھے سیدھے سادھے مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت کے لئے جہد مسلسل میں مصروف ہے۔ پھولوں کی تیج پر سونے والا شہزادہ زمین کے فرش پر سو رہا ہے۔ نہ کھانے کی پرواہ نہ آرام کا خیال دھن ہے تو یہ کہ جس طرح ہو مسلمانوں کے ایمان کو بچایا جائے۔ کیا راہ خدا میں اس قسم کے جہاد مسلسل کی اس دور میں اور کوئی مثال پیش کی جاسکتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مفتی اعظم کا اس ہولناک فتنہ ارتداد کے مقابلے کا کارنامہ تاریخ اسلام کا وہ زترین باب ہے جو ہمیشہ درخشاں رہے گا۔ افسوس یہ ہے کہ اس کی تفصیل

آج مل نہیں سکتیں۔ ورنہ دنیا انگشت بدنداں رہ جاتی۔

صرف ایک واقعہ سن لیں، اطلاع ملی کہ آگرہ سے بیس میل کے فاصلہ پر فلاں گاؤں میں اس فتنہ پرور کا پاؤں جم گیا ہے اور وہاں کے مسلمان کچھ لالچ اور کچھ خوف کی وجہ سے مرتد ہونے کے لئے آمادہ ہو رہے ہیں۔ اطلاع ملتے ہی حضرت شیر پیشہ اہلسنت مولانا حشمت علی خاں رحمۃ اللہ علیہ اور ایک رفیق کو لے کر آگرہ سے چلے جہاں تک ریل تھی ریل سے گئے اسٹیشن سے پانچ میل دور وہ گاؤں تھا اور کوئی سواری نہیں تھی۔ یہ لوگ تیزی سے پیدل وہاں پہنچے۔ جا کر دیکھا کہ ایک مجمع اکٹھا ہے۔ آگ جل رہی ہے۔ گانا دھوم سے ہو رہا ہے۔ متعدد حلوائی کڑھائیوں میں پوریاں چھان رہے ہیں اور کئی نائی استرہ قینچی لئے بیٹھے ہیں۔ ایک تخت پر وہ فتنہ پرداز بیٹھا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ مجمع ان سب مسلمانوں کا ہے جو مرتد ہونے پر راضی ہیں اور انہیں ہندو بنانے کے لئے یہ جشن ہو رہا ہے۔

یہ لوگ کسی خطرے کی پرواہ کئے بغیر مجمع کو چیرتے پھاڑتے اس فتنہ پرور کے پاس پہنچے۔ اس سے کہا کہ آؤ مناظرہ کر لو۔ اس نے صاف انکار کر دیا۔ اور کہا کہ یہ لوگ ہندو ہونے پر راضی ہیں اب مناظرے کی ضرورت نہیں۔ اس پر حضرت شیر پیشہ اہلسنت نے مجمع کے سامنے اسلام کی حقانیت اور بت پرستی کی تردید میں تقریر کی۔ مگر مجمع پر کوئی اثر نہ ہوا۔

حضرت مفتی اعظم ہند کی غیرت ملی جوش پر آگئی۔ شیر پیشہ اہلسنت سے فرمایا: کہ مجمع والوں سے کہئے کہ یہ پنڈت مناظرے پر آمادہ نہیں۔ تم لوگ ہماری بات نہیں مانتے تو تم سب لوگ اس پنڈت سے کہو کہ میرے ساتھ اپنی اس جلائی ہوئی آگ میں کودو۔ جو آگ سے زندہ بچ کر نکل آئے تم لوگ اس کا دین قبول کر لو۔ حضرت شیر پیشہ اہلسنت نے پوری گھن گرج کے ساتھ حضرت مفتی اعظم کے اس ارشاد کو ان دیہاتیوں تک پہنچا دیا۔ اس کے بعد ایک جوش و سرستی کے ساتھ حضرت مفتی اعظم ہند بڑھ کر اس لیڈر کے تخت پر چڑھ گئے اس کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: چل ہم دونوں اس آگ میں کودیں، ہیبت حق سے وہ تھر تھر

کاٹنے لگا اور مہوت دم بخود رہ گیا۔

حضرت مفتی اعظم نے جوش میں آکر اسے گھیٹنا شروع کیا مگر وہ بہت موٹا تھا۔ اس سے مس نہ ہوا۔ کچھ دیر تک یہی ہوتا رہا۔ گانے والے گانا بھول گئے۔ حلوائیوں نے پوریاں چھانٹی چھوڑ دیں۔ سارا مجمع ساکت و جامد دیکھتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس مجمع میں جو کھیا وغیرہ قسم کے تھے، تخت کے قریب آئے اور کہا: مولوی جی اسے چھوڑ دو اب ہماری سمجھ میں آ گیا ہے کہ تمہارا مذہب حق ہے اور اس کا دھرم باطل۔ ورنہ یہ آگ میں جانے سے نہ ڈرتا۔ اس کے بعد حضرت مفتی اعظم ہند کے ہاتھوں پر سب نے توبہ کی، کلمہ پڑھا اور سچے پکے مسلمان ہو گئے۔ حضرت شیر بیشہ اہلسنت نے وہیں اپنے انداز میں خطبہ پڑھا، نعت پڑھی اور تقریر فرمائی۔ اب مجھے کہنے دیجئے۔

اولئك ساداتي فجئني بمثلهم

اذا جمعنا يا حريير المجمع

بس رہے تھے یہیں سلجوقی بھی نورانی بھی

اہل چین چین میں، ایران میں ایرانی بھی

پر ترے نام پہ تلوار اٹھائی کس نے

بات جو بگڑی ہوئی تھی وہ بنائی کس نے

قبول فی الخلق: قبول فی الخلق اللہ عزوجل کا ایک عظیم عطیہ ہے جو وہ اپنے

محبوبان بارگاہ کو عطا فرماتا ہے۔ ارشاد ہے۔

إن الذين آمنوا وعملوا الصلحٰت سيجعل لهم الرحمن وذا (مریم،

آیت: ۹۶) جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے رحمن ان کے لئے لوگوں کے دلوں میں

محبت پیدا فرمادے گا۔

اس کے علاوہ ارشاد ہے

لهم البشرى فى الحياة الدنيا وفى الآخرة

”ان کے لئے دنیا کی زندگی اور آخرت میں بشری ہے۔“

حضرت امام رازی نے فرمایا کہ بشری سے مراد قبول فی الخلق ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ قبول فی الخلق اولیاء کرام ہی کے ساتھ خاص نہیں بہت سے عوام بلکہ فساق، بلکہ کفار مشرکین تک کو حاصل ہوتا ہے۔ اسلئے ضروری ہے کہ محبوبان بارگاہ کو جو قبول عالم عطا ہوتا ہے اس میں اور فساد و فجار کے قبول عام میں کوئی ماہہ الامتیاز خط فاصل ہو۔

اہل معرفت نے فرمایا کہ قبول فی الخلق کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ عوام سے شروع ہو اور عوام ہی تک محدود رہے۔ یا عوام کے بعد کچھ خواص میں بھی پیدا ہو جائے۔ یہ مقبولیت عند اللہ مقبول ہونے کی قطعی دلیل نہیں۔ یہی وہ مقبولیت ہے جو عوام کا لانا عام فساق فجار کفار کو بھی حاصل ہوتی ہے۔

دوسری وہ خواص سے شروع ہو اور پھر ان کے ذریعہ عوام تک پہنچے۔ یہ یقیناً حتماً اللہ عزوجل کی بارگاہ قدس میں مقبول ہونے کی دلیل ہے۔ اس کی تائید حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ ارشاد ہے: اللہ عزوجل جب کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو اس سے حضرت جبریل کو آگاہ فرماتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ تم بھی اس بندے سے محبت کرو۔ پھر تمام آسمان والوں کے دل میں اس بندے کی محبت ڈال دیتا ہے۔ پھر حکم دیتا ہے زمین والوں میں ندا کر دو یہ میرا محبوب بندہ ہے سب اس سے محبت کریں۔ اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ پھر زمین والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ باشندگان ملا، اعلیٰ اور حضرت جبریل خواص ہی ہیں علاوہ ازیں حضرت جبریل ملک مقرب ہیں اس لئے ان کی ندا جس سے مراد القافی القلب ہے اور جبریل امین کا یہ القا خواص ہی کے قلوب میں ہوگا۔

ایک ۱۳۸۱ھ سے پہلے کا دوسرا۔ اس کے بعد کا۔ یہ خادم شوال ۱۳۵۶ھ میں خدمت

اقدس میں خود حضرت کے ارشاد پر آستانہ عالیہ پر دارالعلوم مظہر اسلام کی تدریسی خدمت کے لئے حاضر ہوا۔ اس وقت حضرت کی مقبولیت صرف خواص تک محدود تھی۔ عوام میں وہ ہر دلعزیزی نہ تھی جو اس کے چند سالوں کے بعد پیدا ہوئی۔ اور دن بدن بڑھتی چلی گئی۔ رہ گئے خواص تو بلا استثناء تمام خواص حضرت مفتی اعظم ہند کے مقتدائے انام ہونے کے دل سے معترف تھے۔ خواص کا ایک فرد حضرت مفتی اعظم ہند کو وقت کا سب سے بڑا عالم، سب سے بڑا مفتی، سب سے بڑا فقیہ سب سے بڑا وارث نبی، سب سے بڑا عارف، سب سے بڑا حق آگاہ، سب سے بڑا ولی مانتا تھا۔

مگر اس کے باوجود عوام کا رابطہ بہت کم تھا اس لئے سفر برائے نام تھے۔ اور سفر میں بھی عوام کا رجوع برائے نام تھا۔ آپ لوگوں کو حیرت ہوگی کہ اس سال صرف ایک سفر فرمایا۔ بھروج گجرات میں جماعت رضائے مصطفیٰ کی ایک بہت اہم تاریخی کانفرنس تھی جس میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے اور پھر وہاں سے جبل پور عرس سلامی میں شرکت کے لئے گئے اس وقت تک کے مریدین کی گنتی کی جائے تو افسوسناک حد تک کم ہوگی۔

لیکن ۱۳۸۱ھ کے بعد خواص کے ساتھ ساتھ عوام کا رجوع ایسا بڑھا کہ عقل دنگ رہ گئی۔ معلوم ہوتا تھا کہ حضرت مفتی اعظم ہند ایک شمع ہیں جس پر نثار ہونے کے لئے پوری دنیا سنی پر وانہ وار ٹوٹی پڑتی ہے۔ جس کا نظارہ پوری دنیا نے بارہا کیا ہے۔ کہ حضرت مفتی اعظم ہند محبوبیت عظمیٰ کے اس عظیم منصب پر مشد نشین ہیں جن کی محبت عقیدت ہر سنی کے دل کی دھڑکن بن چکی ہے۔

مفتی اعظم اپنے فضل و کمال کے آئینے میں، مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی



مفتی اعظم کا تقویٰ اور متشرع زندگی

(بحرالعلوم حضرت علامہ مفتی عبدالمنان صاحب شیخ الحدیث مدرسہ شمس العلوم گھوسی)

پھولوں کے ہجوم میں آپ کا چہرہ خود ایک شگفتہ پھول نظر آتا تھا۔

انسانوں میں پائی جانے والی خوبیوں کی دو بنیادی قسمیں ہیں۔ (۱) ذاتی (۲) اضافی۔ آدمی کی اضافی خوبیوں سے ہماری مراد وہ بڑائیاں ہیں جو کسی فرد کو کسی دوسری بڑی چیز سے رشتہ اور علاقہ کی بنیاد پر حاصل ہوں۔ مثلاً زید بہت بڑا آدمی ہے۔ اس لئے کہ ایک بہت بڑے آدمی کا لڑکا ہے۔ عمر ایک بہت اونچا انسان ہے اس لئے کہ وہ ایک عالی خاندان کا فرد ہے۔ بکر ایک گریٹ جنٹلمین ہے اس لئے کہ وہ ایک فمیس جگہ کارہنے والا ہے۔

الغرض وہ ساری خوبیاں جو خود انسان میں نہ ہوں بلکہ کسی بڑی سوسائٹی کا فرد یا بڑے مقام کا باشندہ ہونے یا بڑے آدمی کے رشتہ ناتہ کے ذریعے آدمی کو بڑا بناتی ہوں وہ ہمارے نزدیک اضافی خوبی ہے۔

ہر چند کہ یہ خوبی انسان کی اصلی خوبی نہیں شمار کی جاتی۔ چنانچہ شعراء نے اس کی مذمت کی ہے حضرت سعدی فرماتے ہیں۔

ہنر بنما اگر داری نہ جوہر

گل از خارست و ابراہیم از آذر

”تم میں کوئی خوبی اور کمال ہو تو دکھاؤ، تم اپنے حسب و نسب کی بڑائی نہ شمار کراؤ۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ پھول کانٹوں کے ہجوم میں مسکراتا ہے اور ابراہیم علیہ السلام آذر بت پرست کے گھر میں ہوئے۔“

اور حدیث پاک میں اسی پر تنقید کی گئی۔

من ابطاً عملہ لم یسرعہ نسبہ۔

”جس آدمی کو اس کا عمل سست کر دے، اسکو اس کا خاندان آگے نہیں بڑھا سکتا“ بلکہ خود قرآن عظیم میں بھی بڑائی اور بزرگی کا معیار نسب کو نہیں قرار دیا گیا۔ بلکہ اصلی اور ذاتی خوبیوں کو ہی کرامت کا معیار قرار دیا گیا۔“
ارشادِ ربانی ہے۔

انّا جعلناکم شعوباً و قبائل لتعرفوا ان اکر مکم عند اللہ اتقاکم۔

”ہم نے تم کو مختلف خاندانوں میں باہمی امتیاز کیلئے اور تعارف کی خاطر بانٹا۔ اللہ کے

نزدیک سب سے بزرگ وہی جو سب سے زیادہ خدا سے ڈرے۔“

مگر اضافی خوبی کی یہ ساری تنقید اسی صورت میں ہے، کہ آدمی صرف اضافی خوبیوں پر ہی اترائے ذاتی خوبیاں اس کے پاس کچھ نہ ہوں۔ ورنہ ذاتی خوبیوں کے ساتھ ملکر یہ اضافی خوبی بھی حسن و زیبائش کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ ایک دفعہ صحابہ نے آپ سے عرض کی۔

من اکر م الناس یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بزرگ کون ہے۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اکرم الناس یوسف نبی اللہ بن نبی اللہ بن نبی اللہ۔

”حضرت یوسف علیہ السلام سب سے بزرگ ہیں کہ خود نبی انکے باپ نبی انکے دادا پر

دادا تو ابراہیم خلیل اللہ۔“

ایک دفعہ خود اپنا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا۔

ان اللہ اصطفیٰ کنانہ من ولد اسماعیل واصطفیٰ قریشاً من کنانہ ومن

قریش بنی ہاشم و اصطفائی من بنی ہاشم.

”اللہ تعالیٰ نے اولاد اسمائیل میں سے قبیلہ بنو کنانہ کو منتخب فرمایا اور بنو کنانہ میں سے قریش کے خاندان کا انتخاب کیا۔ اور قریش میں بنو ہاشم کو اعزاز بخشا، اور ان میں مجھ کو نبی مصطفیٰ اور حبیب رب السماء بنایا۔“

یہ دونوں حدیثیں بباغ و بیل اعلان کر رہی ہیں کہ نسبی فضیلت اور خاندانی وجاہت بھی، باعث مدح و ستائش اور سبب فضل و شرف ہے۔

اور ایک حدیث میں تو آپ نے خود اپنی ذات سے نسبی اور سببی علاقہ رکھنے والوں کی ایک غیر معمولی خوبی کا ذکر کیا چنانچہ ارشاد ہے۔

کل نسب و سبب یقطع یوم القیامۃ الانسبی و ضہری.

”تمام رشتے اور ناتے قیامت کے دن منقطع ہو جائیں گے میرے رشتے اور ناتے کے

علاوہ۔“

اور اسی علاقے پر مباحثات کرتے ہوئے حضرت مولانا علی رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا۔

وبنت محمد خدنی و عرسی

مسوط لحمها بدمی و لحمی

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی میری ہم راز اور میری دلہن ہے۔ میرا اور

انکا خون اور گوشت ایک دوسرے سے مخلوط ہو گیا ہے۔“

الغرض انسان کی اضافی خوبی بھی قابل لحاظ خوبیوں میں سے ہے جبکہ وہ ذاتی محاسن سے عاری نہ ہو۔ پھر ذاتی محاسن کی بھی دو قسمیں ہیں۔ (۱) وہی (۲) کسی۔

وہی خوبیوں کے دائرے میں وہ محاسن آتے ہیں جن کے حصول میں خود انسان کی اپنی کدوکاوش اور جدوجہد کو اتنا دخل نہ ہو۔ جیسے رنگ و روغن کی خوشنمائی قد و قامت کی

دربائی، اعضا کی موزونیت اور شخصیت کی دلکشی، اور کسی خوبیوں کی تو ایک لمبی فہرست ہے جنہیں ذکر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں، ہر شخص انہیں جانتا پہچانتا ہے۔

اور یہ دونوں خوبیاں فی الحقیقت ایسی ہیں جو انسان کے فضل و شرف کا معیار ہیں اور جن کی بدولت ایک کم حیثیت آدمی بھی اوج ثریا تک بلند پروازی کر سکتا ہے۔ بلکہ شہرت کے اعلیٰ مدارج تک پہنچتا ہے اس میں بھی آخر الذکر کو اول الذکر پر غیر معمولی فضیلت حاصل ہے۔

بریلی کے غیر مسلموں کی زبان میں بڑے مولانا صاحب اور پورے ہندوستان کے سنیوں کی زبان میں مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی انہیں غیر معمولی انسانوں میں سے ہیں۔ جنہیں قدرت نے اصلی اور اضافی، وہی اور کسی، سبھی قسم کی غیر معمولی خوبیوں سے بڑی فیاضی کے ساتھ نوازا تھا۔

اضافی خوبیاں

سب سے پہلے میں آپکی اضافی خوبیوں کا ایک شمعہ بیان کرتا ہوں۔ آپ کے والد ماجد مجددِ مائتہ رابعہ عشر حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب قدس سرہ العزیز انسانی شکل و صورت میں آیۃ من آیات اللہ (اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی) تھے۔ انہوں نے اپنی زبان کی لافانی تسخیری قوت، اپنی تحریر کا بے مثال زور اور اس کی غیر معمولی تاثیر روح اور اپنے بے کراں علم کا خزانہ عامرہ استعمال کر کے، بلکہ اپنی ذات کی تمام توانائیاں نچوڑ کر، اسلام کے رخ زیبا پر جمی ہوئی صدیوں کی گرد صاف کی جس کے نتیجے میں اسلام کا حسن فطرت نئی آب و تاب کے ساتھ دنیا کے سامنے جلوہ گر ہوا۔ اور اسی وجہ سے اہل حق نے آپ کو مجدد گردانا۔ اور اہل زلیغ نے بدعتی کہا یہ ان کی نگاہوں کا تصور اور طرازی ادا کی خرابی تھی ورنہ انہوں نے بھی وہی دیکھا جو ساری دنیا کے حق پرستوں کو نظر آیا۔ اور جسے

حدیث مبارک میں بیان کیا گیا۔

ان اللہ عز وجل یبعث لهذه الأمة علی رأس کل مائة سنة من یجدد لها دینها.

(ابوداؤد، مشکوٰۃ مع مرآة ص ۲۱۴)

ان اللہ تعالیٰ یبعث علی رأس کل مائة لسنة من یجدد لها دینها.

”بے شک اللہ تعالیٰ ہر صدی میں ایک مجدد و مبعوث فرماتا ہے، جو دین کو نئی آب و تاب دیتا ہے۔“

آپ کے دادا حضرت مولانا تقی علی خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وقت کے امام، اور اہل دل صوفیوں کے سرخیل تھے، صاحب تصانیف کثیرہ، اور حق پرست خوش عقیدہ مسلمانوں کے سالار کارواں تھے مولوی رحمان علی صاحب اپنی کتاب تذکرہ علمائے ہند میں فرماتے ہیں۔ یہاں جس دلکشی کا ذکر کر رہا ہوں اس میں اور بزرگی میں کوئی مناسبت نہیں۔ میں یہاں کسی جوان العمر شخصیت کی دلکشی کا ذکر بھی نہیں کر رہا ہوں۔ میں تو ایک ایسی شخصیت کا ذکر کر رہا ہوں جس میں یہ دل آویزی، یہ جمال اور یہ دل کشی اس کی روحانیت اور بزرگی ہی نے پیدا کی ہے۔

ان الذین امنوا و عملوا الصالحات سیجعل لهم الرحمن ودا.

”بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے اللہ پاک مخلوق کے دل میں انکی محبت پیدا فرماتا ہے۔“

پھر بھی میں ایک ایسا واقعہ ذکر کر رہا ہوں جس میں مذکورہ بالا شبہ کی بھی گنجائش نہیں۔

ایک دفعہ کلکتہ سے واپسی میں ہوڑہ اسٹیشن پر حضرت کا ساتھ ہو گیا۔ کچھ لوگ پہنچانے کے لئے بھی آئے تھے۔ گاڑی میں ابھی دیر تھی اور بچیں ساری بھر گئی تھیں۔ اس لئے زمین پر ہی حضرت کے لئے فرش بچھا دیا گیا۔ بس پھر کیا تھا۔ سیکڑوں مسلمانوں اور غیر مسلموں نے

آپ کو گھیر لیا نہ کبھی کی دید نہ شنید نہ تعارف مگر ہر انجان جاننے کی کوشش کر رہا ہے کون بزرگ ہیں؟ کہاں کے رہنے والے ہیں؟ کہاں آئے تھے اور کہاں جائیں گے۔

میں کہوں گا عرس کی تقریب میں تو اس قبول عام کی وجہ عقیدت مندوں اور مریدوں کی معرفت تھی ہوزہ اسٹیشن پر انجانوں میں اس قبول عام کا سبب آپ کی پرکشش شخصیت کے علاوہ اور کونسی چیز تھی سراپا پر نظر پڑ گئی اور جم کر رہ گئی، قدم رک گئے اور دل بے اختیار کھلنے لگے۔

کسی نے خوب کہا ہے۔

صداقت ہو تو دل سینے سے کھینچنے لگتے ہیں واعظ

حقیقت خود کو متوالیتی ہے مانی نہیں جاتی

خود میری وارفتگی اور گردیدگی کا سبب حضرت کا کوئی غیر معمولی علمی کارنامہ یا ان کی عظیم بزرگی اور خدا رسیدگی نہیں ہے۔ مجھے پہلے سے اتنا معلوم تھا کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں۔ مگر جب دیکھا تو یہ انکی شخصیت کی دلکشی ہی تھی جس نے مجھے اپنی طرف کھینچ لیا۔ زندگی میں انہیں سیکڑوں بار دیکھا اور مختلف حالتوں میں دیکھا مگر جب دیکھا جمال وقار حسن دل کشی کا موقع دیکھا۔ اور جس حال میں دیکھا ان کی ہر ادا دل کو بھاتی رہی۔

”میں نے انکو بیٹھ کر تعویذ لکھتے ہوئے دیکھا ہے۔ اور بیشتر اوقات وہ تعویذ ہی لکھتے

رہتے تھے۔ سر پر قیمتی بھاگلپوری عمامہ، جسم پر قیمتی چکن کا نہایت صاف کرتہ، اس پر پولسٹر یا قیمتی کپڑے کی رنگین صدری، گلے میں گلاب کے پھولوں کا خوشنما ہار، پیر میں علی گڑھی پاشجامہ، جو چھالٹی کا بھی ہوتا اور ٹیری کاٹ کا بھی، جتنا جسم کپڑے سے باہر ہوتا نہ چونے کی طرح سفید نہ گیہوں کی طرح سرخ بلکہ سفید گیہوں کی طرح دو دھیا۔ اور چہرے پر ایک خاص قسم کی چمک (حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ یہ چمک شب زندہ داروں

اور تہجد گزاروں کی علامت ہے) بایاں زانوز میں پر رکھا ہوا۔ اور دایاں کھڑا ہوا۔ اسی پر رکھ کر تعویذ لکھتے رہتے تھے۔ کاغذ پر تعویذ کے خانوں کی لکیر لوگ بائیں سے کھینچتے ہیں۔ آپ داہنے سے ہی بلا تکلف نہایت صاف سیدھی لکیریں بناتے تھے کاغذ پھاڑنے کے لئے اس کو موڑنے اور نشان ڈالنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ تعویذ مکمل ہو گیا تو دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت کے اشارے سے اور بائیں ہاتھ سے کاغذ دبا کر، جہاں سے ضرورت ہو بقیہ کاغذ آہستہ آہستہ الگ کر لیا، اور کاغذ کبھی بے قاعدہ یا غلط نہیں پھٹتا تھا۔

اب میں کیا عرض کروں؟ عمامہ شاندار نظر آتے یا بد وضع، عام طور پر لوگ عمامہ اہتمام سے ہی باندھتے ہیں مگر حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کو میں نے کبھی بھی عمامہ اہتمام سے باندھتے نہیں دیکھا، باندھنے کے بجائے اس کو لیٹنا کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ مگر زندگی میں کم لوگوں کو دیکھا جن کے سر پر عمامہ اتنا خوبصورت معلوم ہوتا ہو۔ معلوم ہوتا تھا کہ عمامہ کی وضع انہیں کے فرق اقدس کے لئے ہوئی ہے۔

یوں ہی علمائے کرام میں ایک سے ایک مرصع لباس پہننے والے ملے۔ ان کی بڑائی کی وجہ سے میں ان کے لباس پر خاموش رہا ہوں یہ اور بات ہے لیکن دل میں ہمیشہ ناگواری ہی رہی۔ اور سادہ پسندی کی وجہ سے اکثر و بیشتر علمائے کرام کا میں شاک کی ہی رہا مگر میں اقرار کرتا ہوں کہ حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کے لباس فاخرہ کو میں نے ہمیشہ مستثنیٰ قرار دیا۔ اور دل نے ہر بار یہی فیصلہ دیا کہ جس کے جسم پر لباس ایسا پھبتا ہو اس کو بلاشبہ ہر عمر میں ایسا ہی لباس پہننے کا حق حاصل ہے۔ واللہ العظیم میں نے اتنا جامہ زیب انسان وہ بھی اتنا بوڑھا دیکھا ہی نہیں۔

مالا گلاب کی ہو یا گیندے کی مجھے کبھی نہیں بھائی، اگرچہ خود بھی پہنا اور لوگوں کو بھی پہنے ہوئے دیکھا۔ مگر حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ ان کے گلے میں سرخ گلاب کی مالا ایسا زیب دیتی تھی کہ بار بار جی چاہا کہ ایک مالا خرید کر میں بھی گلے میں ڈال دوں پھولوں کے

ہجوم میں آپ کا چہرہ خود ایک پھول نظر آتا تھا۔

میں نے ان کو چلتے ہوئے بھی دیکھا ہے

مذکورہ بالا لباس پر دبیز پوسٹر چکن کی ایک نیچے دامن پوری آستین، بند گلے کی عبا کا اضافہ ہو جاتا دائیں ہاتھ میں عصا اور بائیں کو موڑ کر اس میں ایک رومال دا بے ہوئے رہتے۔ دور سے معلوم ہوتا ایک خوبصورت گلدستہ ہولے ہولے حرکت کر رہا ہے اس آہستگی اور نرمی سے زمین پر قدم رکھتے تھے کہ معلوم ہوتا پھول برس رہے ہیں۔ میں نے بار بار سوچا سبحان اللہ زمین پر نرم قدم رکھ کر اور سر جھکا کر چلنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ جب اس سنت رسول کی نقل اتنی دلکش ہے تو صاحب سنت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل رفتار کس درجہ حسین و دلربا رہی ہوگی۔

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

میں نے آپ کو دسترخوان پر کھاتے بھی دیکھا ہے

جبل پور میں حضرت مولانا برہان الحق زید مجدد ہم کے یہاں آپ مہمان تھے۔ دسترخوان نہایت مکلف اور وسیع تھا۔ اس علاقہ میں کڑھی بڑے اہتمام سے بکتی ہے جو اتفاق سے حضور مفتی اعظم ہند کو بھی مرغوب تھی دسترخوان پر وہ بھی سامنے رکھی ہے، آپ ہاتھ سے اس کی پلیٹ ذرا اور کھسکا رہے ہیں، اور فرماتے ہیں مجھے زکام ہوا ہے یہ نقصان کرے گی، اور لوگ منت و سماجت کر رہے ہیں، نہیں حضور یہ تو زکام کو مفید ہے اس سے زکام بہہ کر صاف ہو جاتا ہے۔ الغرض کافی عرض و معروض کے بعد آپ نے اس سے تھوڑا شوق فرمایا۔ سرخ مرچوں اور لہسن کی چٹنی بھی آپ کو پسند تھی۔

روٹی کا چھلکا شوربے میں ڈبو کر اس طرح منہ میں رکھتے کہ ہاتھ کا کم سے کم حصہ آلودہ ہو۔ تین انگلیوں سے کھانے کا انداز مسنون ہے۔ یہ حدیثوں میں پڑھا تھا۔ لیکن حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ کر اس کی عملی مشق بھی فراہم ہوئی، اور یہ معلوم ہوا کہ یہ ڈھنگ حسن و نفاست سے بھرپور اور آنکھوں کو بھی بھلا لگنے والا ہے۔

مختصر لقمہ منہ میں رکھ کر منہ بند کر کے دیر تک چلاتے رہتے، ساتھ ہی سر کو بھی تھوڑی جنبش ہوتی رہتی۔ مجھے ان کے اس طرح منہ چلانے کا انداز بھی بے حد بھلا لگتا۔ اور ان کے ساتھ دسترخوان پر میں کام و دہن کی لذت کے ساتھ حسن نظارہ کا کیف بھی حاصل کرتا تھا۔

ایک دفعہ موائٹیشن پر اپنے ساتھ کھانے پر بٹھالیا۔ میں اپنی عادت کے موافق لمبے لمبے ہاتھ مارنے لگا۔ اور حضرت اپنی عادت کے موافق تناول فرمانے لگے۔ تھوڑی دیر میں مجھے احساس ہوا کہ میں حضرت کے ساتھ کھانے کے لائق نہیں۔ اور حسن و ادب کے ساتھ کھانے کا سلیقہ بھی ایک فن ہے۔

ایک دفعہ آپ ٹرین میں سفر فرما رہے تھے۔ ڈبہ میں کسی غیر مسلم نے بائیں ہاتھ سے کھانا شروع کیا آپ نے فرمایا میاں کھانا دائیں ہاتھ سے کھاتے ہیں اس نے جواب میں کہا بابا میں مسلمان نہیں۔ مطلب یہ کہ مسلمان ہوتا تو دائیں ہاتھ سے کھاتا۔ کہ دائیں ہاتھ سے کھانا سنت ہے۔ آپ نے فرمایا، ارے میاں مسلمان نہیں ہو تو انسان تو ہو۔ سبحان اللہ کیا عمدہ ہدایت ہے کہ بائیں ہاتھ سے کھانا انسانیت کے بھی خلاف ہے۔

ایک دفعہ دعوت میں کھانے کے بعد کسی نے لائف بوائے صابن سے ہاتھ دھلانا شروع کیا۔ فرمانے لگے سبحان اللہ کھانا کتنا عمدہ کھلایا، اور ہاتھ اتنے بدبودار صابن سے دھلایا۔ کھانے کے بعد کوئی خوشبودار صابن ہونا چاہئے۔

آپ کے کھانے کی نشست بھی عموماً ایک زانو موڑ کر اور دوسرا کھڑا کر کے ہوتی میں

نے آپ کو چار زانو بیٹھے کبھی نہیں دیکھا۔ سفر میں چاہے کتنے روز گزر جائیں مشتبہ اور دوکان کے کھانے سے پرہیز کرتے۔ حقہ مسلسل نوش کرے مگر ہر کش نہایت خوشگوار اور باسلیقہ ہوتا۔

الغرض آپ کا کھانا بھی حسن و نفاست اور خوشنمائی کا ایک خوشگوار عمل ہوتا۔ اور جب آپ دسترخوان سے اٹھتے تو معلوم ہوتا کہ آپ نے کھانا نہیں کھایا ہے دسترخوان کو نوازا ہے۔

میں نے آپ کو بستر پر آرام کرتے بھی دیکھا ہے

پہلی بھیت میں عرس شہمتی کے موقع پر بعد قتل مولانا مرحوم کے آنگن میں ہی حضرت کیلئے بستر لگا۔ میں نے دیکھا فی الوقت کوئی خادم نہیں ہے۔ تو تھوڑی دیر میں نے ہی پاؤں دبایا۔ آپ کے افعال کی متانت و آہستگی دیکھ کر یہ خیال ہوتا تھا کہ آپ کا جسم بے حد لائم اور نرم ہوگا۔ مصافحہ کے وقت ہاتھ کی نرمی سے بھی یہی اندازہ ہوتا تھا۔ لیکن مجھے حیرت ہوئی کہ آپ کی پنڈلیاں اور رانیں کافی سخت محسوس ہوئیں۔ دائیں کروٹ رخسارے کے نیچے ہاتھ رکھ کر، اور پاؤں ذرا سمیٹ کر آرام کر رہے تھے۔ سونے کے اس انداز کے بعد مجھے دوسرے تمام طریقوں پر تنقیدی نظر ڈالنی پڑی، اور اس کے مقابلے میں سب کو ہی رد کرنا پڑا۔ پٹ سونے کی تو حدیث شریف میں ممانعت آئی ہے۔ چت ہاتھ پاؤں پھیلا کر سونے میں مردے کا گمان ہوتا ہے حق یہ ہے کہ زندوں اور زندہ دلوں کا سونا وہی ہے جو سنت رسول ہے۔ اور حضور مفتی اعظم ہند جس پر کار بند تھے۔

آپ کی نماز کا منظر بھی دیکھنے کا ہوتا تھا

گھر سے آپ کے برآمد ہوتے ہی کئی آدمی آپ کو آگے پیچھے سے گھیر لیتے، اور مسجد کے

دروازہ تک پہنچتے پہنچتے جو مشکل سے پچاس قدم کی دوری پر ہوگا، کسی کو دست بوسی کا شرف بخشتے۔ کسی کو مصافحہ سے نوازتے اور کسی کے سلام کا جواب دیتے اتنے میں مسجد کے دروازے میں داخل ہو جاتے۔ نہایت متانت و آہستگی سے اللہم افتح ابواب رحمتك پڑھتے اور عمامہ اتار کر وضو کے لئے بیٹھ جاتے جو شخص عام انسانوں کے سامنے کبھی بھی سر کھول کر نہ آیا ہو جس کو لوگوں نے علی العموم، تاج کرامت اور کلاہ عزت کے ساتھ دیکھا ہو۔ اور جو مسجد میں ابھی ابھی اس شکوہ کے ساتھ داخل ہو۔ وہ اپنے رب کے حضور یوں ننگے سر ہو کر خادمانہ حاضر ہو، یہ دیکھ کر دوسروں میں بھی جذبہ عبودیت مچنے لگتا تھا۔ خادم ایک بڑے لوٹے میں نصف کے قریب پانی پاس ہی رکھ دیتا، اور آپ اسی متوضاء پر تشریف فرما ہوتے جہاں وضو کیلئے پائپ لگے ہوتے ہیں۔ پہلی بار جب میں نے یہ حالت دیکھی تو مجھے یہ طول عمل معلوم ہوا۔ لیکن دریافت سے معلوم ہوا کہ نل سے وضو کرنے میں پانی زیادہ ضائع ہوتا ہے اس لئے حضرت نل سے وضو پسند نہیں کرتے کہ وضو میں پانی ضائع کرنا اسراف ہے میں نے پوچھا پانی کیوں آدھا لوٹا رکھا گیا تو معلوم ہوا کہ لوٹا بھر دیا جائے تو حضرت کے ہاتھ سے اٹھ نہ سکے گا۔ خیال ہوا کوئی دوسرا وضو کر دیتا، دوسرے لمحہ خیال آیا وضو خود ہی کرنا مستحب ہے۔

سارے اعضاء سنت کے موافق مکمل طور پر دھلتے۔ چہرہ دھلتے وقت البتہ دسیوں بار آنکھوں پر پانی کے چھینٹے دیتے چونکہ کسی کے دل میں خیال آسکتا تھا کہ کہاں تو پانی کے استعمال میں وہ احتیاط اور کہاں یہ کشادہ دستی، تو واقع شبہ کے لئے خود ہی فرما دیتے بار بار آنکھیں چپک جاتی ہیں۔ ”یعنی آنکھ سے بطور مرض جو پانی نکلے ناقص وضو ہے۔“ پورے وضو میں ادعیہ ماثورہ کی تلاوت پست آواز میں جاری رہتی۔

ارکان نماز کی ادائیگی میں تو معبود طریقہ ہی برتنے لیکن خشوع و خضوع کا یہ عالم تھا کہ پوری نماز میں آپ کے وجود پر عبودیت کی شان اور بندگی کا جمال طاری رہتا تھا۔ دیکھنے

والادور سے ہی فیصلہ کر لیتا تھا کہ ایک مومن قانت نے اپنے مولا کی رضا جوئی کے لئے اپنے پورے وجود کو عجز و درماندگی اور عرض و التماس کے سانچے میں ڈھال لیا ہے،
وقوموا للہ قانتین۔

آخری اوقات میں جب ضعف و نقاہت میں بے حد اضافہ ہو گیا تھا اور بیٹھے رہنے میں بھی تکلیف ہوتی تھی۔ یہ دیکھا گیا کہ مسجد میں جب تک بیٹھے ہیں مسلسل کراہ رہے ہیں۔ اٹھتے ہیں تو سہارا دیا جاتا ہے بیٹھتے ہیں تو سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ چلتے ہیں تو لوگ دونوں طرف سے سنبھالے رہتے ہیں۔ لیکن جیسے ہی تکبیر شروع ہوئی ایسی چستی کے ساتھ کھڑے ہو جاتے جیسے کوئی تکلیف ہی نہ ہو۔ پوری نماز قیام و رکوع کے ساتھ نہایت تندہی اور مستعدی کے ساتھ ادا کرتے۔ اور اف تک کی صدالب تک نہ آتی جیسے قیام و قعود اور رکوع و سجود کی مشقتیں خشیت الہی اور خوف ربانی میں تحلیل ہو گئی ہوں۔ کہ ارشاد الہی ہے۔
وانہا لکبیرۃ الاعلیٰ الخشعین۔

بے شک نماز سخت بوجھل اور گراں ہے۔ مگر اللہ کے خوف سے ڈرنے والوں کے لئے۔

یا یوں کہئے کہ ساری کلفتیں راحت و آرام میں بدل گئیں کہ ارشاد نبوی ہے۔

قرۃ عینی فی الصلوۃ۔

میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا چین نماز ہے۔

ہماری مذکورہ بالا تحریر کا مقصد یہ تھا کہ علم و فضل و تقویٰ و طہارت اور دیگر اخلاق فاضلہ سے قطع نظر خود آپ کی ذات بابرکات بھی اتنی پرکشش تھی کہ بے اختیار دل مائل ہونے لگتے، آنکھیں فرط عقیدت سے جھکنے لگتیں۔ اور روح کی دنیا مسخر ہونے لگتی۔

اللہ تعالیٰ نے انکی ذات مبارک پر تسخیر قلوب و اطاعت اذہان اور محبوبیت عیون و ابصار کی خلعت فاخرہ ڈال رکھی تھی۔ اس سلسلے کی ایک خاص بات جس کو میں نے نوٹ کیا۔ اور

جو آپ میں اور شموگہ کے ایک بزرگ حضرت درویش بابا میں، میں نے مشترک دیکھی یہ تھی کہ اخیر عمر میں جب جسم گھل کر بالکل ہاڑرہ گیا تھا۔ اس وقت بھی چہرہ پر گوشت اور نہایت بارونق تھا۔ چہرہ دیکھ کر کوئی یہ اندازہ ہی نہیں لگا سکتا تھا کہ اندر سے یہ اس درجہ دبلے ہوں گے۔ حضرت درویش کو تو میں بار بار دیکھ چکا تھا۔ لیکن حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کو اس طرح دیکھنے کا زندگی میں صرف ایک بار موقع ملا۔ جب ایک دفعہ بغل بنوانے کے لئے لوگوں نے جسم سے کپڑا ہٹایا، تو مجھے شدید احساس ہوا کہ چہرے اور جسم کے اس تفاوت کی خصوصیت حضرت میں بھی ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ تسخیر خلائق اور شخصیت کی دلکشی کا جو ہر بھی روحانیت کی برکت اور قربت خدا اور رسول کا ہی ثمرہ ہے۔

کسی محاسن

حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کے کسی کمالات کے لئے تو ایک دفتر کی ضرورت ہے۔ کیونکہ وہ ایک بہت بڑے عالم تھے۔ سواد اعظم اہلسنت و جماعت کے سب سے بڑے فقیہ تھے۔ متعدد دینی کتابوں کے بالغ نظر مصنف تھے، اہل دل صوفی، اور باکمال بزرگ تھے، بلکہ میرے نزدیک معمولات ذکر و فکر میں ان کی ایک مجتہدانہ شان تھی، وعظ و تقریر نہیں فرماتے تھے، لیکن لوگوں کی رشد و ہدایت کے لئے ان کے چند جملے لمبی لمبی تقریروں پر بھاری تھے داد و دہش اور بذل عطاء میں شاہانہ انداز تھا۔ مدتوں مدرسہ مظہر اسلام ان کے ذاتی صرفہ سے چلتا رہا۔ انہوں نے ہزاروں مقدمات کا مصنفانہ فیصلہ فرمایا، مختصر یہ کہ آپ کی کسی خصوصیات سے متعلق اسی طرح کے بیسوں عنوان ہیں، اور ہر عنوان قلم سے اپنے حق کا مطالبہ کر رہا ہے۔ مگر اس مختصر مضمون میں ان سب کی گنجائش کہاں۔ میں اس وقت صرف اتباع شرع و متابعت سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

سلسلے میں چند مثالیں پیش کر رہا ہوں۔

(۱) جمعہ کے دن مصلیوں کی گردن پھلانگ کر آگے جانے والوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک وعید ہے۔

من تخطی رقاب الناس يوم الجمعة اتخذ جسراً الى جہنم۔

”جس نے جمعہ کے دن لوگوں کی گردنیں پھلانگیں اس نے جہنم کی طرف پل بنایا۔“

اس فرمان والا نشان کے بموجب شریعت اسلامیہ کا یہ حکم ہے کہ جمعہ کے دن جامع مسجد میں مصلیوں کی گردن پھلانگ کر آگے جانا شرعاً ممنوع اور معصیت ہے۔ ہاں اگلی صف والوں نے جگہ چھوڑ رکھی ہو تو اسے پر کرنے کے لئے آگے جایا جاسکتا ہے کہ صف پر کئے پیچھے بیٹھ کر ان لوگوں نے اپنی حرمت خود ضائع کی۔

اس شرعی مسئلہ کو پیش نظر رکھ کر مندرجہ ذیل واقعہ ملاحظہ فرمائیں

۳۵،۳۰ سال پہلے کی بات ہے کہ اشرفیہ کے سابق ناظم الحاج محمد عمر صاحب مرحوم کے خلف الصدق حضرت مولانا نثار احمد صاحب غالباً پہلی بار مبارک پور میں حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کو لائے، اور آپ کی یہ تشریف آوری بالکل نجی اور بغیر کسی سابقہ اطلاع کے صرف شخصی دعوت پر ہوئی، اس لئے عوام اہلسنت تو کیا، اشرفیہ کے لوگوں کو بھی اس کی پیشگی خبر نہ ہو سکی دن جمعہ کا تھا، جمعہ کے وقت مولانا نثار احمد صاحب حضرت کو لے کر اس وقت پہنچے کہ مسجد بھر چکی تھی، موسم گرمی کے تھے اس لئے مصلیوں کی آخری صفیں دھوپ سے بچنے کے لئے بالکل ملی جلی مسجد کی پوربی دیوار کے سایہ میں پتھی ہوئی تھیں۔

حضرت کرتہ پانجامہ اور غالباً زرد رنگ کی صدری اور دوپٹی ٹوپی اوڑھے ہوئے تشریف لائے گرمی سے بچنے کے لئے تو لیہ سر پر ڈال رکھا تھا۔

آج سے لگ بھگ تیس پینتیس سال قبل، مبارک پور کے دل میں، علماء و مشائخ کی جو قدر و منزلت تھی، ادھر حضرت کا پر نور چہرہ اور دلکش شخصیت پھر ساتھ میں مولانا نثار احمد لوگوں

نے دیکھتے ہی اندازہ لگا لیا کہ کوئی بڑے عالم دین ہیں، اچھے بزرگ ہیں، اور ادھر ادھر کھسک کر آگے جانے کے لئے آپ کو راستہ دینے لگے کیونکہ مسجد میں بھی علماء کے ساتھ ان کے احترام عقیدت کا یہی معمول تھا۔ لیکن حضور مفتی اعظم ہند دھوپ میں ہی تو لیہ بچھا کر سب سے پیچھے بیٹھ گئے اصرار کے باوجود آگے نہیں بڑھے۔ یہ سارا واقعہ ادھر بھی ہو رہا تھا جدھر میں تھا۔ نماز کے بعد میں نے معلوم کرنا چاہا یہ کون بزرگ تھے تو معلوم ہوا کہ مفتی اعظم ہند! غالباً یہ میری پہلی زیارت تھی، دل نے فیصلہ کیا سبحان اللہ مسئلہ ہم لوگ بھی پڑھتے ہیں لیکن صرف پڑھنے کے لئے، اور یہ اللہ والے پڑھتے ہیں تو عمل کرنے کے لئے۔ آپ کے اس عمل میں اتباع شریعت کے ساتھ ساتھ، احیائے سنت بھی پائی جا رہی ہے کہ لوگ آج کل اس سے غافل ہیں، اور مسجد میں لوگوں کی گردنیں پھلانگنے میں کوئی خوف نہیں محسوس کرتے۔

(۲) گذشتہ صفحات میں ہم نے ایک حدیث نقل کی کہ مسجد امور دنیا کے لئے نہیں ہے۔ اسی حدیث کی روشنی میں حضرات علمائے شرع نے مسجد میں کھانے پینے اور سونے، تجارت وغیرہ امور دنیا سے منع فرمایا صرف معتکف کو اجازت ہے، وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ مسجد آلودہ نہ ہو اور اسی لئے یہ مستحب ہے کہ آدمی مسجد میں جب بھی داخل ہو اعتکاف کی نیت کرے، اور کچھ ذکر الہی میں مصروف رہے اگر بضرورت کچھ کھانا پڑے تو معتکف ہونے کی وجہ سے اس کی اباحت ہوگی۔

مسئلہ شرعی ذہن نشین کر لینے کے بعد حضرت کی احتیاط شرعی ملاحظہ ہو۔

ایک دفعہ بریلی حاضری ہوئی۔ اور رات میں قیام کا اتفاق پڑا۔ شہر کے کسی حصے میں میلا د شریف کی تقریر تھی حضرت کے ساتھ میں بھی شریک ہوا۔ جلسہ میلا د ایک مسجد میں تھا اور نہایت مختصر سامعین تھے۔

مجمع کم: دو یا زیادہ میرا بارہا کا یہ تجربہ ہے کہ جس جلسے میں حضور مفتی اعظم ہند یا حضور

حافظ ملت ہوں وہ جلسہ بے حد پر کیف ہو جاتا تھا، تقریر خوب جہتی تھی اور مقرر اور سامع دونوں ہی کافی محفوظ ہوتے تھے۔

چنانچہ اس جلسہ میں بھی روایت خوانی کے بعد میں نے تقریر شروع کی مختصر تعداد کے باوجود جلسہ بے حد پر کیف اور کامیاب رہا اور آپ حسب معمول جلسہ میں آنکھیں بند کئے تشریف فرما رہے۔ کوئی خاص مقام آتا تو آنکھیں کھول کر مقرر کو دیکھ لیتے۔ اور جب بہت تاثر ہوتا تو آنکھیں بھیگ جاتیں۔ اور ڈبڈبائی نظروں سے دیر تک مقرر کو تکتے رہتے۔

ختم و عظ کے بعد صاحب مجلس نے حاضرین کی چائے سے تواضع کی حضرت نے چائے کی پیالی ہاتھ میں لے کر ارشاد فرمایا ہم نے مسجد میں داخل ہوتے وقت اعتکاف کی نیت کر لی تھی۔ جس نے نہ کی ہو اب کرے کہ مسجد میں غیر معتکف کو کھانا پینا منع ہے۔

بادی النظر میں یہ معمولی ادب ہے۔ لیکن غور سے دیکھا جائے تو جو شخص شریعت کے کسی ادنیٰ درجہ کے ادب پر بھی اس شدت کے ساتھ مواظبت فرمائے۔ دیگر احکام شرعیہ کی بجا آوری میں اس کا کیا حال ہوگا۔ ساتھ ہی ساتھ اس واقع سے رفع شبہ اور ہدایت خلق کے اہتمام کا بھی پتہ چلتا ہے۔

(۳) حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے جس سے مسلمانوں کی حقیقی

شان اور ان کے داعی حق ہونے کے منصب کا اظہار ہوتا ہے۔

من رای منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ وان لم

یستطع فبقلبہ وذلک اضعف الایمان۔

”تم میں سے کوئی برائی دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے بدل ڈالے اگر ہاتھ سے بدلنے

کی طاقت نہ رکھتا ہو تو زبان سے اس کی برائی بیان کرے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو

دل میں اس کو برا سمجھے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔“

اور اسی امر کو قرآن عظیم نے اپنے انداز میں بیان کیا ہے۔

كنتم خير أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر
 ”تم لوگ بہترین امت جو انسانوں کے لئے بنائے گئے ہوتا کہ لوگوں کو نیکی کا حکم
 دو، اور برائیوں سے روکو۔“

مگر اسلام میں جتنی اس کی تاکید ہے۔ عام لوگ اسی نسبت سے مدہنت اور زمانہ سازی
 میں بکثرت مبتلا ہیں۔ خاص خاص مردان حق اور خاصان خدا البتہ ہر زمانہ میں اس فرض منصبی
 پر مضبوطی سے قائم رہتے ہیں۔ حدیث مبارک میں ایسے ہی لوگوں کی مدح فرمائی گئی ہے۔

لا يزال طائفة من امتي ظاهرين على الحق لا يخافون فيه لومة لائم.
 ”میری امت کا ایک طبقہ ہمیشہ حق پر قائم رہیگا اور اس باب میں اسے کسی کے لعنت
 و ملامت کی پرواہ نہ ہوگی۔“

آئین جواں مردی حق گوئی و بیباکی
 اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ اپنے اس وصف میں اپنے اہل زمانہ میں ممتاز
 مشارالہ تھے چنانچہ ناممکن تھا کہ کوئی غلط بات حضرت کے سامنے ہو جائے اور حضرت اس
 کی اصلاح نہ فرمائیں۔

آپ کی مجلس میں تعویذ کے لئے مردوں اور عورتوں کی بھینٹ لگی رہتی تھی۔ لیکن کیا مجال
 کہ کسی عورت کا ہاتھ بھی بے پردہ ہو جائے جہاں کسی سے بد احتیاطی ہوئی، اور آپ کی
 ڈانٹ پڑی، لا الہ الا اللہ استغفر اللہ، استغفر اللہ، ارے اپنا ہاتھ ڈھانک بے
 غیرت مجھ بڑھے کو اپنا ننگا ہاتھ دکھانے آئی ہے اور پوری مجلس پر سناٹا چھا گیا، اور سب نے
 اپنے کپڑے درست کر لئے۔

ایک دفعہ دو اپٹوٹ اور بے پردہ مسلمان عورتیں ساڑھی میں ملبوس کہیں دور سے تعویذ
 لینے کے لئے آئیں آپ نے تعویذ لکھتے لکھتے نظر جو اٹھائی تو نگاہ ان پر پڑ گئی۔ فوراً رخ

پھیر لیا، اور سر نیچا کئے ہوئے، لگ بھگ پندرہ منٹ تک ان کی سرزنش کرتے رہے۔ انداز کچھ نرم اور بے حد تحسّر آمیز تھا۔ گویا انہیں دلی تکلیف پہنچی ہو جو کچھ فرمایا اس کا خلاصہ کچھ اس طرح تھا۔ نہ اللہ و رسول کے حکم کا خوف نہ اپنے طرز معاشرت کی پروا نہ انجام کا خیال۔ اتنی دور سے تنہا عورتیں چلی آئیں ساتھ میں کوئی محرم نہیں۔ اس پر ظلم یہ کہ بے پردہ، مزید ستم یہ کہ لباس بھی مسلمانوں کا نہیں۔ ٹرینوں میں حادثات ہوتے رہتے ہیں۔ ان پر کوئی زیادتی ہو تو مسلمان کیسے ان کی حمایت کریں، کسی حادثہ میں مرجائیں تو یہ کیسے پتہ چلے کہ مسلمان ہیں۔ خیال فرمائیے کہ نہ مٹی نہ جنازہ یونہی پھونک دی جائیں گی یہ سب وبال ہے اللہ و رسول کے حکم کی خلاف ورزی کا۔ وہ عورتیں بے حد شرمسار ہوئیں، لیکن ان کے پاس پردے کا تو کوئی اہتمام تھا ہی نہیں کرتیں کیا؟

حضرات مقررین سے کبھی جوش بیان میں، کبھی نقطہ زبان سے اور کبھی لاعلمی اور جہالت سے (کہ آج کل تقریر کے لئے رسوخ علم ضروری نہیں رہ گیا ہے) دوران تقریر ایسے جملے صادر ہو جاتے ہیں۔ جو شرعاً عقلاً، اخلاقاً، یا زبان و بیان کے لحاظ سے قابل اعتراض ہوتے ہیں۔

اگر مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ اسٹیج پر ہیں تو کیا مجال ہے کہ کوئی مقرر ایسی بداحتیاطی کر کے گزر جائے، اور آپ امر بالمعروف نہ فرمائیں۔ کئی بڑے خطباء سے تو برسرا مبر انہوں نے توبہ تک کرائی خود اپنی زندگی میں مجھے دو مرتبہ ایسی سرزنش سے پالا پڑا ہے۔ توبہ تک کی نوبت البتہ نہیں آئی۔

ضلع گیا کے جلسہ میں ایک بار آپ کے ساتھ شرکت کا اتفاق ہوا، رات میں تقریر کے دوران میں نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں لفظ نور استعمال فرمایا۔ ”تقریر ختم ہوئی اور جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے، انکے فیض صحبت سے محفل بڑی پر کیف پر نور رہی۔ دوسرے دن ساتھ ہی گھوسی کے لئے واپسی ہوئی، راستہ میں بڑے خوشگوار ماحول

میں باتیں ہوتی رہیں۔ اسی دوران آپ نے فرمایا، رات آپ نے تقریر میں اللہ تعالیٰ کے لئے عمل کا لفظ استعمال فرمایا۔ اگر کہیں قرآن و حدیث میں یہ لفظ ذات باری کے لئے آیا ہو۔ تب تو اس کا بولنا صحیح ہوگا۔ ورنہ نہیں۔ اس امر کی تحقیق کر لیجئے گا۔“ آج پندرہ بیس سال ہو گئے اور میں اس سلسلہ میں غور کرتا رہتا ہوں مجھے تو کوئی ایسا محل استعمال نہ ملا۔

دوسری بار مغربی یوپی کے ہی کسی علاقہ میں تقریر کرتے ہوئے میں نے کہا۔ ”بد نصیب مسلمان آج کل رات میں بارہ بجے تک سینما دیکھتے ہیں اور دن میں دس بجے تک سوتے ہیں۔“ اک بیک بازو سے میری طرف پوری طرح مخاطب ہو کر کہا نہایت بلند آواز میں، بیحد بیزاری کے ساتھ گویا مجھ پر پھٹ پڑے۔ ”مولانا! میں اس کو مان نہیں سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت بد نصیب ہو۔ آپ اس کو بد نصیب نہ کہئے کچھ اور کہہ لیجئے۔“ حق یہ ہے کہ جس امت کے نگہبان رسول عربی ہوں وہ بد قسمت کیسے ہو سکتی ہے۔

چہ غم دیوار کو کیا غم جو تیرے جیسا کھیاں ہار رکھتی ہے۔

چہ باک از موج بحر آں راکہ دارد چوں تو کشتیاں

امت کی دیوار کو کیا غم جو تیرے جیسا سہارا رکھتی ہے۔ اور طوفان نوح سے اس کو کیا خوف جو تیرے جیسا کھیاں ہار رکھتی ہے۔

اور لسان و بیان کی اصلاح کا انداز تو بے حد دلچسپ اور پر لطف ہوتا تھا۔ ایک دفعہ لوگوں نے آپ کے سامنے کہنا شروع کیا۔ طوفان (ایکسپریس) ایک بجے آرہا ہے۔ ایک بجے طوفان آرہا ہے۔ کئی بار اس جملے کو سن چکے تو فرمایا! سبحان اللہ بولنے کا کیا انداز ہے۔ طوفان آرہا ہے، طوفان آرہا ہے میاں کہنا ہی ہے تو یوں کہو ایک بجے بریلی اسٹیشن سے طوفان گزر جائے گا۔“ سبحان اللہ بات وہی ہے لیکن پہلے جملے کا ظاہر بے حد بھیاںک ہے اور دوسرے کا ظاہر و باطن یکساں خوشگوار تھوڑے سے تصرف نے فتح کو حسن بنا ڈالا۔

فتاویٰ رضویہ جلد سوم شائع ہوئی تو آپ کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے ایک نسخہ

marfat.com

Marfat.com

لے کر حاضر خدمت ہوا خیال ہوا کہ اس کا پیش لفظ سنا دیا جائے پیش لفظ میں ایک جگہ حضور علیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے غیر معمولی قوت حافظہ کے بارے میں تحریر تھا۔ ”حافظہ اس بلا کا تھا۔“ پوری زندگی ہم نے اس جملے کو بار بار مقام مدح میں سنا اور پڑھا۔ اور یہاں بھی موقع استعمال مقام مدح ہی تھا۔ سکر حضرت نے فرمایا۔ واہ واہ! آپ کی حضرت کے حافظے کی تعریف فرمائی ہے، یا آپ کی تنقیص کی ہے۔ آپ کا حافظہ بلا کا تھا، یہ بلا کون سی چیز ہے۔ تب مجھے احساس ہوا حضرت والا زبان و بیان کا بھی کس درجہ لطیف ذوق رکھتے تھے اور اسکی باریکیوں پر کیسی مہارت تامہ حاصل تھی۔

الغرض آپ کی بارگاہ میں شرعی لغزش ہو یا اخلاقی و لسانی سب پر پوری دار و گیر ہوتی اور اعلان حق اور امر بالمعروف کا پورا پورا حق ادا کیا جاتا۔ اس ضمن میں یہاں جس خاص واقعہ ذکر رہا ہوں، وہ بھی ایک غیر معمولی واقعہ ہے۔

الجامعۃ الاشرافیہ مبارکپور اعظم گڑھ کی زندگی کے بے حد ہنگامی ایام تھے۔ خاندان اشرفیہ کی ایک شاخ (اہل کچھوچھ) جو اب تک اس ادارے کے سرپرست اور حاکمان مطلق تھے خفا ہو کر علیحدہ ہو چکے تھے۔ اور اپنی برأت کا اعلان بھی شائع کر چکے تھے۔ اور پورے ہندوستان میں ادارے کے خلاف جگہ جگہ بدگمانیوں کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ ادھر حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک سچے مسلمان کے حوصلہ ایمانی کے ساتھ یکہ وتہا میدان عمل میں اتر پڑے تھے۔ اور نئی تعمیرات کے سنگ بنیاد کے موقع پر ایک آل انڈیا تعلیمی کانفرنس کا اعلان فرما چکے تھے۔

کانفرنس ہوئی اور بے مثال ہوئی۔ اس میں ازراہ دین پروری حضور مفتی اعظم ہند، اور حضرت مولانا آل مصطفیٰ علیہا الرحمہ بھی شریک ہوئے۔ کچھ عقیدت مندوں نے اہل کچھوچھ کے بائیکاٹ سے متاثر ہو کر اس خاندان کی دوسری شاخ (اہل بسکھاری) کے سجادہ نشین المعروف بہ بابومیوں کو شرکت کی دعوت دی تو وہ بھی شریک ہوئے۔

یہاں جملہ معترضہ کے طور پر خانوادہ اشرفی کے ان دونوں خاندانوں کا تھوڑا پس منظر بھی بیان کرنا ضروری ہے، تاکہ جس واقعہ کو ہم بیان کرنے جا رہے ہیں اس پر قرار واقعی روشنی پڑ سکے، تو اس خاندان کی ان دونوں شاخوں میں بہت دنوں سے حضور مخدوم وارث اور درگاہ حضرت مخدوم رضی اللہ عنہ پر قابض و ذلیل ہونے کے سلسلے میں آویزش چلی آرہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہی سبب ہو یا کوئی اور پورے ہندوستان میں کچھو چھہ کی شاخ علمائے حق اہلسنت و جماعت کے ساتھ ہے۔ بلکہ یہ حضرات خود اساطین اہل سنت و جماعت میں شمار ہوتے ہیں جبکہ سنا جاتا ہے کہ کسی مناظرہ میں جو علمائے دیوبند اور علمائے اہلسنت میں ہوا تھا۔ بابومیاں کے اجداد نے علمائے دیوبند کی سرپرستی کی تھی۔

علمائے دیوبند کے خلاف علمائے عرب و عجم کے فتویٰ کفر سے ساری دنیا واقف ہے، اور اعلیٰ حضرت اور ان کے خاندان کو اس سلسلہ میں حق کی حمایت اور سچ کی جنبہ داری میں جو تقدم حاصل ہے وہ کسی کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں۔

اب صورت حال یہ ہے کہ بابومیاں جن کے آباء و اجداد دیوبندیوں کے حامی تھے۔ اس جلسہ سنگ بنیاد میں شرکت کے موقع پر حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کے لئے، دارالعلوم اشرفیہ کی نچلی منزل کے مغربی کمرہ میں آئے۔ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کو سلام کیا، مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ اور خود ہی تعارف کرایا ہوگا۔ یا کسی نے بتایا ہوگا۔ یا پہلے سے ہی حضرت کو معلوم تھا۔ بہر حال حضرت نے نہ سلام کا جواب دیا نہ مصافحہ کیا۔ بلکہ فرمایا، صاحب آپ کے خاندان کے لوگ علمائے دیوبند کے حامی رہے ہیں۔ اور ان پر علمائے عرب و عجم کے کفر کے فتوے ہیں۔ اگر آپ بھی اس روش میں ان کے ہی ہمراہ ہیں تو میں آپ سے کیسے سلام و کلام کر سکتا ہوں۔ جبکہ حدیث شریف میں ایسے لوگوں سے قطع تعلق کا حکم آیا ہے۔

بابومیاں نے کہا حضور میں کبرائے دیوبند کی تکفیر میں ساری دنیا کے اہل اسلام کا ساتھی

marfat.com

Marfat.com

ہوں، چنانچہ اسی وقت انہوں نے اس مضمون کی اپنی دستخطی تحریر مفتی اعظم ہند کے حضور میں پیش کی۔

اس وقت لوگوں نے ایک عجیب و غریب منظر دیکھا حضور مفتی اعظم ہند نے بابومیاں سے فرمایا صاحبزادے آپ ذرا کھڑے ہو جائیں۔ نہ تو بابومیاں یہ سمجھے کہ کیوں یہ حکم ہو رہا ہے۔ نہ مجلس میں بیٹھنے والے ہی، مگر جب حکم پا کر بابومیاں کھڑے ہوئے تو حضور مفتی اعظم ہند نے بآن شان و جلال، بہ آن عظمت و تقدس وہ آن ریش سفید و رفعت پیری، ایک سبزہ آغاز نوجوان (بابومیاں) کا پیرو دونوں ہاتھ سے پکڑ لیا۔ ڈبڈبائی آنکھیں انکے چہرہ کی طرف اٹھا کر فرمایا۔ صاحبزادے ہم تو آپ کے غلام و خانہ زادے ہیں۔ ہمارے پاس جو کچھ ہے آپ کے ہی جد کریم کا دیا ہوا ہے۔ ہم نے شروع میں جو کیا آپ کے ہی جد کریم کے حکم کی بجا آوری اور انہیں کے دین کا پرچم بلند کرنے کیلئے! ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ ایک چاکر اپنے مالک کے پاؤں پکڑ کر اس سے معافی مانگ رہا ہے۔ اس وقت پورے مجمع پر رقت طاری تھی اور کھلی آنکھوں سے دنیا دیکھ رہی تھی کہ بلاشبہ حق و ہدایت، اطاعت شرع، اتباع سنت انہیں بزرگوں کے دم قدم سے ہے۔

دروہو میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جنہوں نے فرمایا من رأی منکراً فلیغیرہ
بیدہ جو برائی دیکھے اپنے ہاتھ سے اسے درست کرے۔ اور سلام ہو حضور مفتی اعظم ہند
پر کہ آپ نے سرکار کے اس حکم پر پوری زندگی عمل کر کے شاہراہ حق قائم فرمادی۔

ماہنامہ استقامت، کانپور ۱۹۸۳ء۔



مفتی اعظم علم و فن کے دریائے ذخار

(حضرت علامہ شاہ اختر رضا صاحب ازہری آستانہ رضویہ بریلی شریف)

جدی الکریم مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان میرے مربی بھی تھے استاد بھی اور شیخ طریقت بھی اور ایسے شیخ جو حقیقی معنوں میں آقائے نعمت اور دریائے رحمت تھے ان کا فیض اپنے مریدین ہی کے لئے نہیں ہر سنی کے لئے عام تھا اس سورج کی روشنی میں جو آیا اسے روشنی ملی، تو انائی ملی اور ذروں کو بھی وہ تابانی ملی کہ وہ بھی چمکنے لگے مفتی اعظم کی عظمت ان کی علمی جلالت ان کی ولایت و کرامت اور دوسرے محاسن کا میں کہاں تک ذکر کروں میں کچھ بھی کہوں گا تو کہنے والے کہیں گے کہ اپنے بزرگوں کی تعریف تو سبھی کرتے ہیں میں تو اتنا جانتا ہوں کہ بڑا وہ ہے جس کی بڑائی نہ صرف عقیدت مند اور اپنے تسلیم کریں بلکہ غیر بھی تسلیم کریں جدی الکریم مفتی اعظم اس معیار پر پورے اترتے ہیں وہ طاہری حیات میں تھے تب بھی خاموش رہے اور لوگ ان کے بارے میں بولتے رہے لکھتے رہے اور چہرہ کو ہی دیکھ کر جانے کتنے بھٹکے اور بگڑے ہوئے لوگ منزل پا گئے اور بن سنور گئے اور آج بھی جب وہ بظاہر اس دنیا میں ہماری نگاہوں کے سامنے نہیں ہیں تب بھی دنیا ان کی باتیں کرتی ہے ان کی محفل سجاتی ہے ان کی یاد کی محفل ان کا عرس مناتی ہے اور انشاء اللہ یہ سلسلہ قیامت تک چلتا رہے گا بہر حال میں زیادہ نہ کہہ کر مختصراً مفتی اعظم کے کچھ حالات و واقعات پیش کر رہا ہوں جس سے سرکار مفتی اعظم کی عظمت اور ان کی بڑائی کا پتہ چلتا ہے مفتی اعظم اللہ کے ولی تھے ولی برحق اور ولی ہونے کے لئے کرامتوں کا ظہور اور خوارق عادات ضروری نہیں حالانکہ مفتی اعظم سے بی شمار کرامتیں ظاہر ہوئی ہیں ولی وہ ہیں جو تقویٰ شعار ہو ان الاولیاء الا المتقون (اللہ کے ولی نہیں مگر متقی) مفتی اعظم کے متقی

ہونے میں کسے شک ہے وہ متقی ہی نہیں متقی اعظم تھے۔

آخری عمر میں حضرت کا کشف بہت بڑھ گیا تھا اور میں نے سفر میں بھی اکثر حضرت کے کشف کا مشاہدہ کیا ہے اپنے ہی ساتھ گزرا ہوا ایک کشف کا واقعہ بیان کر رہا ہوں دارالعلوم امجدیہ ناگپور کے سنگ بنیاد کے موقع پر چندہ ہور ہا تھا میں نے اپنا روپیہ بکس میں رکھ دیا تھا اب سوچا اس وقت روپے ہوتے تو میں بھی اس میں کچھ حصہ لیتا ابھی یہ خیال دل میں آیا ہی تھا کہ حضرت نے اپنی جیب سے دو سو روپیہ نکال کر دیا اور فرمایا یہ اختر میاں کی طرف سے ہے میں فوراً سمجھ گیا کہ حضرت کو بذریعہ کشف میرا خیال معلوم ہو گیا اسی ناگپور کے سفر میں، حضرت میں اور حضرت کا خادم ٹرین سے جا رہے تھے ڈبہ میں بڑی بھیڑ تھی حضرت آرام فرما رہے تھے ظہر کا وقت تنگ ہو رہا تھا میں بڑا پریشان تھا کہ حضرت اس بھیڑ بھاڑ میں کیسے وضو فرمائیں گے اور کیسے نماز ہوگی ابھی کشمکش میں ہی تھا کہ حضرت خود بخود بیدار ہو گئے اور بھیڑ نے خود راستہ دیدیا حضرت نے وضو کیا اور پھر فرمایا تم لوگ جگہ کر دو ہم نماز پڑھیں گے بھی غیر مسلم تھے اسمیں سے ایک نے کہا جگہ تو ہے نہیں کیسے نماز پڑھیں گے حضرت کو جلال آ گیا اور کہا کہ ایک پر ایک چڑھ جاؤ وہ ایک دوسرے سے سمٹ سمٹ کر کھڑے ہو گئے اور نماز کے لئے جگہ مل گئی اور حضرت کے طفیل ہم سب کو بھی نماز مل گئی۔ اس واقعہ سے نہ صرف حضرت کی کرامت کا ظہور ہوتا ہے بلکہ ان کی شریعت پر سختی سے پابندی، ان کے تقویٰ اور بے خوفی کا بھی اظہار ہوتا ہے۔

حضرت کی دعاؤں کی مقبولیت

حضرت کی دعاؤں کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ تمام مادی وسائل ہوتے ہوئے بھی لوگ جب تک اپنے کسی مسئلہ یا معاملہ میں حضرت سے دعا نہ کرالیں انہیں اپنے مسئلہ کے حل یا کام کے ہونے کا یقین نہیں ہوتا تھا لاکھ بے سر و سامانی کے عالم میں اگر حضرت نے دعا

فرمادی تو انہیں اپنے کام کے بن جانے کا پورا پورا یقین ہو جاتا تھا اور وہ کام بھی ہو جاتا تھا اس طرح کے جانے کتنے واقعات ہیں جن کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔

جو ناگڑھ کے پاس ایک مقام ہے بلکھا وہاں حضرت کے ساتھ مجھے بھی جانا تھا حضرت کو لوگ گھیرے ہوئے تھے اور تاخیر ہو رہی تھی اب بلکھا والوں نے مجھ سے کہا کہ تب تک آپ چل کر تقریر کریں حضرت بعد میں آجائیں گے میں نے کہا حضرت سے اجازت لے لیجئے حضرت نے اجازت بھی دیدی اور دعا بھی فرمادی کہ تمہاری تقریر کامیاب ہو اللہ کے فضل اور حضرت کی دعا سے تقریر کامیاب ہوئی اور لوگوں کو فائدہ ہوا۔

بعد داخل سلسلہ برکتوں کا ظہور

میں بچپن سے ہی حضرت سے داخل سلسلہ ہوں جامعہ ازہر سے واپسی کے بعد میں نے اپنی دلچسپی کی بنا پر فتوے کا کام شروع کیا شروع شروع میں مفتی افضل حسین صاحب علیہ الرحمہ اور دوسرے مفتیان کرام کی نگرانی میں یہ کام کرتا رہا اور کبھی کبھی حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر فتویٰ دکھا دیا کرتا تھا۔

میرے کرم فرما اور علمی دوست مفتی قاضی عبدالرحیم صاحب بستوی بھی میری ہمت افزائی کرتے تھے۔ کچھ دنوں کے بعد اس کام میں میری دلچسپی زیادہ بڑھ گئی اور پھر میں مستقل حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے لگا حضرت کی توجہ سے مختصر مدت میں اس کام میں مجھے وہ فیض حاصل ہوا کہ جو کسی کے پاس مدتوں بیٹھنے سے بھی نہ ہوتا۔

قاری اسرائیل صاحب اثر فیضی جھریاوی نے بیان کیا کہ بچپن میں ان کی آنکھ میں روشنی نہیں کے برابر تھی لیکن حضرت سے مرید ہونے کے بعد انہیں ایسا محسوس ہونا شروع ہوا کہ دن بدن آنکھ میں روشنی بڑھتی جا رہی ہے اور آج وہ دن میں بہ آسانی بغیر کسی کے سہارے چلتے پھرتے ہیں اور لکھنے پڑھنے بھی لگے ہیں وہ خود کہتے ہیں کہ یہ حضرت کی

کرامت اور آپ سے بیعت ہونے کے بعد مجھ پر ان کی برکتوں کا ایسا ظہور ہوا کہ نہ صرف آنکھ کی روشنی ملی بلکہ دل کی روشنی بھی ملی اور میں خود بھی اندھیرے سے روشنی میں آ گیا اور مجھے مقبولیت حاصل ہو گئی۔

تعویذ کی برکت

حضرت کے نقوش و تعویذات کی برکتیں بے شمار ہیں ایک بار میرے بچے کو سخت بخار آیا گھر والے گھبرا اٹھے میں نے حضرت سے تعویذ لیا بخار بہت جلد اتر گیا۔

عشق رسول میں فنائیت

سیدی مفتی اعظم حضرت مصطفیٰ رضا قدس سرہ العزیز رضائے مصطفیٰ تھے اور جو عظمت انہیں حاصل ہوئی محبت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کی بنا پر اور بلاشبہ عشق مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء ہی جان ایمان ہے حضرت کی سرکار علیہ السلام کے عشق میں فنائیت کا شاہد ان کی زندگی کا ہر لمحہ ہے ان کی محبت رسول میں فنائیت کا صحیح اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ آخری عمر میں باوجود شدید علالت کے نعت کی محفل میں گھنٹوں باادب بیٹھے رہتے تھے اور نعت پاک کے ہر مصرعے پر دونا اور والہانہ کیفیت کا طاری ہونا اس بات کا غماز ہے کہ وہ مصطفیٰ کی محبت میں ضم ہو چکے تھے۔

فقر و توکل

فقر و توکل ولایت کی پرکھ ہوتی ہے تقسیم ہندو پاک کے موقع پر مفتی اعظم پر جو حالات گزرے ہیں اس کا بیان کیا جائے بس یہ سمجھ لیجئے کہ ان کی جگہ پر اگر پلٹن بھی ہوتی تو وہ اپنا مقام چھوڑ دیتی مگر حضرت ہر طرح کے حالات سے نپٹتے رہے اور ان پر خوف و ہراس نہ

طاری ہوا۔ لوگوں نے ترک وطن تک کا مشورہ دیا مگر استقامت کا یہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوا جبری نس بندی کے دور میں اس کے خلاف آواز بلند کر کے حضرت نے جس بیباکی اور حق گوئی کا ثبوت دیا اس زمانہ میں اس کی مثال مشکل ہے اللہ پر توکل کی یہ بھی ایک مثال ہے کہ فتنہ ارتداد کے سدباب میں حضرت نے جان کی بازی لگا دی میلوں پیدل چلتے بھوکے پیاسے رہ کر تبلیغ کرتے اور مشرکین کے جال میں بھنس گئے مسلمانوں کو گمراہ ہونے سے بچایا اور جو مسلمان دھوکے میں آ کر مرتد ہو گئے تھے انہیں ارتداد سے نکال کر توبہ کرائی اور اسلام کے دامن سے پھر سے وابستہ کر دیا۔

التزام شریعت

شریعت کا جو التزام مفتی اعظم نے فرمایا اسے دیکھ کر صحابہ کرام اور ان کی زندگی کو دیکھنے کا شوق پایا جاتا ہے بارہا ایسا ہوا کہ نماز کے لئے ٹرین چھوڑ دی حتیٰ کہ اخیر وقت میں وصال سے چند گھنٹے قبل بھی نماز کا خیال رکھا اور سردی کے موسم میں باقاعدہ وضو کر کے کھڑے ہو کر نماز مغرب ادا کی۔

معمولات

سفر میں ہو یا حضر میں حضرت مفتی اعظم پانچوں وقت کی نماز کے بعد وظیفہ میں مشغول رہتے تھے بقیہ وقت تعویذ لکھنے، لوگوں کی حاجت برآری اور فتویٰ نویسی میں گزارتا تھا۔ گئے رات تک اپنے تلامذہ و خدام کو فتویٰ نویسی سکھاتے رہتے رات کبھی زیادہ تر عبادت اور ریاضت میں گزرتی اکثر دوپہر کا کھانا تک نہ کھاتے مہمانوں کا بڑا خیال رکھتے اور صحت کے عالم میں خود مہمانوں کو اپنے سامنے کھانا کھلاتے اور ان کی خاطر داری کرتے۔

تجر

مفتی اعظم علم کے دریائے ذخارتھے۔ جزئیات حافظے سے بتا دیتے تھے۔ فتاویٰ قلم برداشتہ لکھ دیا کرتے تھے ان کا عمل ان کے علم کا آئینہ دار تھا ان کے عمل کو دیکھنے کے بعد اگر کتاب لکھی جاتی تو اس میں وہی ملتا جو حضرت کا عمل ہوتا تھا ہر معاملہ میں حضرت ہی کی رائے اول ہوتی تھی اور جن علمی اشکال میں لوگ الجھ کر رہ جاتے تھے وہ حضرت چٹکیوں میں حل فرما دیا کرتے تھے۔

خصوصیات جو ہم عصروں سے ممتاز کرتی ہیں

سیدی مفتی اعظم احتیاط اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں ان کا وہ مقام تھا جو دوسرے حضرات میں نہیں پایا جاتا تھا قدم قدم پر لوگوں کو برائی سے باز رکھنا نیکی کی تلقین کرنا اور بلا جھجک غیر شرعی حرکت پر ٹوک دینا یہ وہ خوبیاں ہیں جو سیدی مفتی اعظم میں ان کے ہم عصروں سے زیادہ پائی جاتی تھیں۔

ماہنامہ استقامت کانپور ۱۹۸۳ء



مفتی اعظم کے ایک فتوے کا تقابلی مطالعہ

(مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ مبارکپور)

کسی شخصیت کے علمی فضل و کمال سے آشنائی کے لئے دو ہی طریقے زیادہ کارگر اور معتبر ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ خود اس کی علمی گفتگو سنی جائے اور مختلف موضوعات پر اس سے کلام کر کے اس کی وسعت نظر، استحصار، اور علمی گہرائی کا اندازہ کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ اگر اس کی رشحات قلم ہوں اور متعدد موضوعات پر اس کے مضامین و کتب دستیاب ہوں تو انہیں پڑھ کر اس کے علمی منصب و مقام کا تعین کیا جائے۔ ماضی کی شخصیات کے بارے میں یہی دوسرا طریقہ زیادہ استعمال ہوتا ہے اور باوثوق سمجھا جاتا ہے اور دوسروں کی زبانی فضل و کمال کا جو اجمالی تعارف کرنے والے افراد کا علم و کمال اور ثقاہت و تقویٰ اس کے نزدیک زیادہ قوی نہ ہو تو اس کے لئے اعتماد اور مشکل ہو جاتا ہے۔

ہم نے مفتی اعظم کی علمی مجلسیں تو بالکل نہ پائیں یا بہت ہی کم پائیں۔ اس لئے ہمارے لئے ان کی تصانیف اور ان کے رشحات قلم ہی مشعل راہ کا کام کر سکتے ہیں۔ اور بجمہ تعالیٰ جب ہم ان کا مطالعہ کرتے ہیں تو نہ صرف فقہ و فتویٰ بلکہ تفسیر و حدیث، عقائد و کلام، عربیت و بلاغت، حسن انشاء و کمال تفہیم، حالات زمانہ سے آشنائی اور حکمت و تدبیر جیسے بہت سے محاسن مفتی اعظم کی ذات میں یکجا نظر آتے ہیں۔

اس اجمال کی تفصیل یا اس دعوے کی تصدیق کے لئے میں کچھ شواہد پیش کر رہا ہوں۔ تاکہ عام قارئین بھی مفتی اعظم کی جلالت شان سے کسی قدر روشناس ہو سکیں۔

فتوے کا کام کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ مفتی اعظم کے زمانے میں اور اس عصر سے پہلے اور بعد میں بھی یہ کام برابر ہوتا رہا ہے اور آج بھی جاری ہے مگر جب فتاویٰ کا تقابلی مطالعہ کیا

جائے اور ہر مفتی کے خاص کمال کو گہری نظر سے دیکھنے کی کوشش کریں تو ہر ایک کا جوہر نمایاں ہوتا ہے۔ اور جوان میں ممتاز ہے اس کی امتیازی حیثیت عیاں ہوتی ہے۔

حسن اتفاق سے مجھے ایک سوال ایسا ملا جس کا جواب مفتی اعظم کے ساتھ ان کے معاصر متعدد ارباب فتویٰ نے رقم کیا ہے۔ ان جوابات میں جو فرق میں نے محسوس کیا وہ بیان کرنے میں اگر کامیاب ہو گیا تو کسی حد تک مفتی اعظم کے افتا کا کمال واضح ہو سکے گا۔ قصہ یہ ہے کہ تحریک خلافت کے دوران مسٹر ظفر بی اے کی ایک نظم بعنوان ”نالہ خلافت“ کئی بار شائع ہوئی۔ پھر ۱۹۲۵ء کے اخبار زمیندار میں وہی نظم ”فیصلہ کفر و اسلام“ کے عنوان سے دوبارہ چھپی۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے خلیفہ و شاگرد مولانا سید احمد ابوالبرکات قادری رضوی قدس سرہ (۱۳۱۳ھ تا ۱۳۹۸ھ) نے اس نظم کے تین اشعار سے متعلق مفتیان کرام سے استفتاء کیا۔ اور ان کے جوابات شائع کئے۔ (بعض حضرات سے سوالات میں اس سے قبل کے بھی دو اشعار ارسال کئے گئے تھے۔) اشعار یہ ہیں۔

یہ سچ ہے کہ اس پہ خدا کا چلا نہیں قابو مگر ہم اس بت کافر کو رام کر لیں گے
 بجائے کعبہ خدا آج کل ہے لندن میں وہیں پہنچ کے ہم اس سے کلام کر لیں گے
 جو مولوی نہ ملے گا تو مالوی ہی سہی خدا خدا نہ سہی رام رام کر لیں گے
 ذوق ایمانی رکھنے والا ہر شخص ان اشعار کو سنکر ہی متنفر و بیزار ہو جائے گا۔ اور پکاراٹھے گا
 کہ یہ کسی ایمانی فکر و ذہن کی پیداوار نہیں ہے۔ اور شاعر حریم الاسلام سے قدم باہر نکال چکا
 ہے۔ مگر جب ایک مفتی سے اس کے متعلق سوال ہوگا تو وہ محض اپنے ذوق کے حوالہ سے
 جواب نہیں دے سکتا، بلکہ عقل و استدلال کی کسوٹی پر پرکھ کر اور شرعی اصول پر ہر شعر کی
 جانچ کر و شگاف انداز میں دلائل و وجوہ کے ساتھ واضح کر کے اسے جواب دینا پڑے گا۔
 اب آئیے دیکھیں کہ مفتیان کرام نے کیا جوابات تحریر فرمائے۔

(۱) مفتی مدرسہ ارشاد العلوم رام پور، مولانا ارشاد حسین مجددی نے ان تین اشعار اور ان سے قبل کے دو اشعار دیکھ کر جو حکم تحریر فرمایا ہے وہ ان کے الفاظ میں یہ ہے ”صورت مسئولہ میں تیسرے شعر کا پہلا مصرع، اور چوتھا شعر، اور پانچویں شعر کا آخری مصرع لزوم کفر میں صریح ہے۔ اس وجہ سے تیسرے شعر کے پہلے مصرع میں قائل خدائے تعالیٰ کے عاجز ہونے کی تصریح کرتا ہے۔ وھل هذا الا کفر صریح۔ اور چوتھے شعر کو بالفرض اگر تعریض پر محمول کیا جائے تب بھی ایسی تعریضیں کہ جن سے حق سبحانہ و تعالیٰ کی شان و شوکت کی تنقیص متشرح ہو اور اس کی تزیہ و تقدیس کے خلاف ہوں قطعاً کفر ہیں۔ خدا خدا نہ ہوا بلکہ ان یا وہ گو۔ الشعراء يتبعهم الغاؤون کے تعریضات اور تمسخر کا آلہ ہو گیا کہ کبھی کسی اکفر سے خدا کو تعبیر کر دیا اور کبھی مشرک سے، کبرت کلمة تخرج من أفواہهم۔ کجا حق سبحانہ و تعالیٰ وحدہ لا شریک لہ، معبود برحق اور کجا رام و پچھمن کہ جو دو شخص اہل ہنود کے معبود باطل، جن کو وہ نعوذ باللہ خدا ماننے اور جانتے ہیں۔

مؤخر الذکر تین شعروں کے بعض الفاظ صریح کفر ہیں۔ اور شرعاً حکم کفر اس پہ ہوتا ہے جس پر صراحتہ قائل کا لفظ دلالت کرے اگرچہ قائل نے قصد کفر نہ کیا ہو۔

مذکورہ اشعار کے حکم میں کل اتنی ہی بات ہے جو اس فتوے میں لکھی گئی اور قائل پر حکم کی صراحت قید تحریر میں نہ آئی۔ ہاں ابتدائی تمہید اور بعد کی عبارتیں ایک ساتھ ملانے کے بعد یہی متعین ہوتا ہے۔ کہ صاحب فتویٰ کے نزدیک اشعار کے قائل کی تکفیر ہی ہوگی۔ وجہ کفر میں صرف ایک بات واضح طور پر بیان کی گئی کہ پہلے مصرع میں قائل نے خدا کے عاجز ہونے کی تصریح کی ہے۔ اس کے باوجود یہ فرمایا ہے کہ ”لزوم کفر“ میں صریح ہے۔ اور بطور ابہام یہ لکھا ہے کہ تین شعروں کے بعض الفاظ صریح کفر ہیں۔ جبکہ ان الفاظ کی صراحت اور وجہ کفر کی وضاحت کے لئے قاری کی جستجو اور دریافت کو سخت تشنگی محسوس ہوتی ہے۔

(۲) دوسرا فتویٰ پاکستان کے مشہور عالم مولانا عبدالکریم دریس مفتی کراچی کا ملاحظہ ہو، ان

کے پاس مذکورہ تین اشعار اور ان سے قبل کے دو شعرا رسال ہوئے تھے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں۔

”نیچے کے تینوں شعر متوازی بکفر و محتوی ارتداد ہیں۔ ان تینوں شعروں میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس کا حقیقی معنی مہجور یا معذّر یعنی ایسا متروک الاستعمال ہو جس میں تاویل کی گنجائش ہو۔ تیسرے شعر کے جملہ ”یہ سچ ہے“ سے شائبہ شک بھی دور ہو گیا۔ اور نعوذ باللہ من سوء ذاک الاعتقاد، خالق کا اپنی مخلوق پر قابو نہ چلنے کی تحقیق اور تاکید ہو گئی اور آیہ کریمہ وهو علی کل شیء قدیر سے صاف صاف انکار ہو چکا۔ وهذا کفر صریح اور دوسرے مصرع میں ذات خداوندی پر اپنی اندیت ثابت کی ہے۔ خاک بدہن قائلش۔

چوتھے شعر کے پہلے مصرع سے اس موجود حقیقی کا کعبہ سے خلو، اور لندن کو اس لامکان ذات کا مکان اور مقام قرار دینا کفر نہیں تو اور کیا ہے۔؟

اور دوسرا مصرع پہلے مصرع کا مؤید یعنی وہیں پہنچ کر ہم اس سے کلام کر لیں گے۔“ اور کلام کر لیں گے۔“ سے کلیم اللہ بناسب سفسطہ اور الحاد ہے۔

پانچویں شعر میں آیہ کریمہ لا یستوی الاعمی ولبصیر کا انکار ہے۔ مولوی اور مالوی یعنی مومن اور کافر، عارف اور اجنبی یعنی غیر عارف، دونوں مسٹر ظفر کے سامنے برابر ہیں۔ مالوی اور مولوی تو مولوی ایک فاسق مسلم کے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔ ان شعروں کا قائل کافر اور مرتد ہے۔ اِلَّا أَنْ یَرْجِعَ وَیَتُوبَ

اس فتوے میں وجوہ کفر کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) یہ کہنا کہ مخلوق پر خالق کا قابو نہ چلا (۲) اپنے کو ذات الہی کا مساوی و مقابل ٹھہرانا

(۳) ذات لامکان کے لئے مکان قرار دینا (۴) کلیم اللہ بننے کا دعویٰ اور خیال

(۵) مومن و غیر مومن کو یکساں قرار دینا اور دونوں میں فرق نہ جاننا۔

ساتھ ہی قائل کا حکم آخر میں واضح کر دیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ فتویٰ پہلے فتوے سے

زیادہ وقوع اور تشفی بخش ہے۔ بیان میں اجمال اور عربی الفاظ کے کثرت سے استعمال کی شکایت کی جاسکتی ہے۔ وہ غالباً اس وجہ سے ہے کہ مستفتی خود ہی زبردست عالم ہیں۔ بہر حال بحیثیت مجموعی پہلے فتوے سے یہ بدرجہا واضح و جامع ہے۔

(۳) تیسرا فتویٰ مولانا محمد ابراہیم قادری مدرس اول دارالعلوم شمس العلوم بدایوں کا ملاحظہ ہو وہ لکھتے ہیں۔

فقہائے کرام علیہم الرحمہ نے فرمایا کہ جو شخص خدائے تعالیٰ کو معاذ اللہ ایسے وصفوں سے متصف کرے کہ اس کے لائق نہ ہوں۔ یا خدائے تعالیٰ کو جاہل، عاجز ٹھہرائے یا اس کے نام کے ساتھ تمسخر کرے۔ اور اختیاراً ایسے قول کہے (وہ تعریضاً اور نقلاً نہ ہوں) اگرچہ کہنے والا اسے کفر نہ جانے اور اس کا اعتقاد نہ رکھے وہ شرعاً ایسے قول کی بنا پر کافر ہو جاتا ہے۔ اس بیان کو مؤید عبارتیں نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

”جو شخص نشراً، نظماً یہ کہے کہ خدا کا اس بت کافر پر قابہ نہ چلا مگر اس کو مطیع کر لوں گا، یا خدا کی جگہ رام رام باتباع فلاں کافر کر لوں گا تو یہ کلمات صریحاً کفر کے ہیں۔ جس میں تاویل کی گنجائش نہیں۔ اگرچہ کہنے والا اعتقاد نہ رکھے۔

اس فتوے کی تمہید میں چند وجوہ کفر ذکر کرنے کے بعد ان کے قائل کا حکم بیان کیا اور اس کی تائید میں کتب فقہ کی عبارتیں پیش کر دیں۔ آخر میں شعر سے متعلق کفر کی دو وجہیں تحریر کیں۔ ایک خدا کو عاجز اور اپنے کو قادر بتانا۔ دوسری خدا کی جگہ باتباع کافر رام رام کرنا، ان سب کو کفریہ کلمات بتایا۔ اور قائل خاص کا حال غالباً تمہید فتوے کی روشنی میں فہم ناظرین پر چھوڑا۔

بہر حال اس میں دو وجہیں بہت صراحت کے ساتھ بیان کیں۔ اور قائل کا حکم بھی کسی قدر ظاہر کر دیا۔ اگرچہ بالفاظ خویش صراحت نہ کی۔ اس لحاظ سے یہ فتویٰ پہلے فتوے سے بہتر اور دوسرے فتوے سے کم تر ہے۔

(۴) چوتھا فتویٰ امام احمد رضا قدس سرہ کے سچے اور جاں نثار حامی ہمارے مخدوم گرامی حضرت مولانا سید اولاد رسول محمد میاں قادری برکاتی سجادہ نشین سرکار مارہرہ شریف رحمۃ اللہ تعالیٰ ورحمننا بہ کا ہے۔ ان کی ابتداء و اشگاف اور واضح و غیر مبہم ہے اور جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس میں کسی شہرت گیر اخبار کے ایڈیٹر کے ادنیٰ سے ادنیٰ پاس و لحاظ سے بہت دور ہو کر دین و ایمان، حقیقت و حقانیت کی پاسداری کا جذبہ بہت عیاں ہے۔ جو اس خاندان والا شان کی ہر دور میں نمایاں روایت رہی ہے اور بفضلہ تعالیٰ آج بھی جاری ہیں۔ رقمطراز ہیں۔

”شعر نمبر ۳۔ یقیناً، قطعاً کفر خالص ہے۔ اس میں نہایت صاف واضح الفاظ میں خدا کو عاجز کہا اور عاجز بھی کیسا کہ جس ”بت کافر“ پر بقول اس شاعر کافر کے خود یہ قادر ہے۔ خدا کا اس پر کچھ نہیں چلا۔ اور یہ خدا کی طرف عجز کی نسبت، اور وہ بھی ایسی، یقیناً قطعاً اجماعاً کفر خالص ہے۔“

اس کے بعد تائیدی عبارتیں نقل کی ہیں۔ پھر فرماتے ہیں:

”یہ شعر اپنے اس معنی کفری میں نہایت واضح و صاف، متعین، ناقابل تاویل و توجیہ ہے۔ جس میں کسی ایسی تاویل کی جو اسے کفر سے نکال سکے اصلاً گنجائش نہیں۔ نہ ایسے کفر صریح میں ادعائے تاویل مقبول و صحیح۔“

پھر شفاء و نسیم الریاض کی عبارتیں پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”اس شاعر کے خسار و بوار کے لئے اس کا یہی ایک ملعون شعر کیا کام تھا کہ اس نے آگے اور کفر بکا۔ اور شعر ۴ کے پہلے مصرع میں مشرک کو اپنا رہبرہ رہنما، ہادی و پیشوا بنانے کی اپنی مشرک پرستی کو ایک تعلق موہوم کی بے معنی آڑ کے ساتھ ظاہر کرنے کے بعد دوسرے مصرع میں صاف صاف کہہ دیا کہ۔ خدا خدا نہ سہی رام رام کر لیں گے۔“

اس مشرک پرستی پر توڑ و کامل علمائے اہل سنت کے رسائل میں ہے۔ یہاں کہنا یہ ہے کہ

اس دوسرے مصرع میں کلمہ 'اسلام خدا خدا کو ایک کلمہ' کفر رام رام سے مساوی ماننا اور اس کلمہ 'اسلام کو چھوڑ کر اس کلمہ' ملعونہ، یعنی رام رام کو اختیار کرنا ہے۔ اور یہ دونوں یقیناً کفر ہیں۔

کفر و اسلام کے مساوی جاننے کا کفر ہونا تو بدیہی ہے۔ اور رام کے معنی ہیں "رما ہوا، سمایا ہوا"۔ مشرک خدا کو اسی لئے رام کہتے ہیں کہ وہ ان کے زعم فاسد میں ہر شے، ہر خلا میں رما ہوا، سمایا ہوا ہے۔ اور خدا کو کسی چیز میں رما ہوا جاننا یقیناً کفر ہے۔ (پھر عبارت اعلام ابن حجر و حوالہ شفا)

اور کفر اس وقت کرے یا آئندہ، اس کے کرنے کا ارادہ کرے بہر حال اسی وقت کافر ہو جائے گا۔ (بعدہ عبارت ہندیہ عن الخلاصہ)۔

اس فتوے میں شاعر کا حکم بھی واضح ہے اور وجوہ کفر بھی تحقیقی طور پر صاف صاف بیان کی گئی ہیں۔ الفاظ بھی سلیس، اکثر عام فہم زور دار اور واضح وغیر مبہم استعمال کئے گئے ہیں۔ غور فرمائیں درج ذیل وجوہ کفر کو کس عمدہ طریقہ پر ثابت فرمایا ہے۔

(۱) خدا کی طرف عجز کی نسبت، بلکہ صراحتاً عاجز کہنا، وہ بھی اس حد تک کہ جس پر خود یہ شاعر قادر ہے وہ اس سے عاجز ہے۔

(۲) مشرک کو اپنا ہادی و پیشوا بنانا، جس کی تفصیل رسائل علمائے اہل سنت کے حوالہ کی۔

(۳) کلمہ 'اسلام کو کلمہ' کفر کے مساوی ماننا۔

(۴) کلمہ 'اسلام کو چھوڑ کر کلمہ' کفر اختیار کرنا۔

(۵) خدا کو کسی چیز میں رما ہوا سمجھنا۔

یہ پانچ وجہیں اس فتوے سے عیاں ہیں اور جیسا کہ راقم نے اخذ کیا۔ مولانا عبدالکریم درس علیہ الرحمہ کے فتوے سے بھی پانچ وجہیں دریافت ہوتی ہیں پہلی وجہ تو وہی ہے جو ہر فتوے میں بیان کی گئی ہے۔ باقی چار وجہیں الگ ہیں۔

(۲) اپنے کو ذات الہی کا مساوی و مقابل ٹھہرانا۔

(۳) ذات لامکان کے لئے مکان قرار دینا۔

(۴) کلیم اللہ بننے کا دعویٰ

(۵) مومن و غیر مومن کو یکساں قرار دینا۔

اگرچہ یہ ذہبیں مولانا سید اولاد رسول محمد میاں برکاتی علیہ الرحمہ کے طرز تحقیق اور انداز
بیاں کے ساتھ بہت واضح طور پر نہیں لکھی گئیں۔ مگر ان کے کلام سے یہ ذہبیں آسانی سے
اخذ کی جاسکتی ہیں۔ تاہم تعداد و جوہ برابر ہے۔ اور فتوائے مارہرہ کی زبان و بیان کا کمال،
اظہار حق میں صراحت و جسارت کا جلال، شعر کے فہم و تفہیم کے ساتھ بعض الفاظ کی تحقیق
اور وجوہ کفریت پر کتب علماء کی تائید کا حسن و جمال اپنی جگہ عیاں ہے۔

(۵) اب آئیے امام احمد رضا قدس سرہ کے فرزند جلیل مفتی اعظم مولانا شاہ مصطفیٰ رضا
قدس سرہ کے فتوے پر نظر ڈالیں جنہوں نے فتوے کے گھر میں آنکھیں کھولیں۔ فقہ و کلام
کی باریکیوں کے حل میں طالب علمی کا زمانہ بسر کیا۔ اور یہ عہد ابھی سر بھی نہ ہوا تھا کہ افتاء کا
آغاز کر دیا۔ اور والد گرامی کی اجازت افتاء اور عطا کردہ مہر سے سرفراز ہوئے۔ دراصل
اسی فتوے کے لئے سابقہ چار فتوے بھی مکمل پاس و ادب کے ساتھ نقل کئے گئے۔ تقابلی
مطالعہ کا کام ہی کچھ ایسا پیچیدہ ہے کہ بہت سے قابل قدر اور اپنی جگہ عظیم و جلیل رشحات
قلم پر نگاہ نقد گزارتے ہوئے ہر ایک کے درجہ و مقام کو متعین کرنا فرائض میں داخل ہو جاتا
ہے۔ مگر انشاء اللہ المولیٰ الروف الکریم ہم کسی حال میں اکابر کے ادب و احترام کا دامن
ایک لمحہ کے لئے بھی ہاتھ سے چھوٹنے نہ دیں گے۔ وهو الموفق و خیر معین۔

اس فتوے پر بیس جلیل القدر علماء کی تصدیقات بھی ہیں۔ جن میں درج ذیل ہستیاں خاص
طور سے قابل ذکر ہیں۔

(۱) صدر الشریعہ ابوالعلاء مولانا محمد امجد علی اعظمی (۲) صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین

مراد آبادی (۳) شیربیشہ اہلسنت مولانا حشمت علی خاں قادری لکھنوی (۴) مولانا سید غلام قطب الدین سہوانی سہیل ہند۔ (۵) مولانا مفتی محمد غلام جان قادری ہزاروی، (۶) مولانا معوان حسین احمد مجددی (۷) مولانا محمد اسماعیل محمود آبادی (۸) مولانا حسین رضا قادری بریلوی (۹) مولانا محمد مختار صدیقی۔ میرٹھی (۱۰) مولانا تقدس علی رضوی بریلوی۔ علیہم الرحمہ۔

مستفتی کی حیثیت سے نائب ناظم حزب الاحناف لاہور جناب محمد الدین کلاتھ مرچنٹ کا نام ہے۔ اور صرف تین اشعار مذکورۃ الصدر سے متعلق سوال کیا گیا ہے کہ کفریات کا تعلق ان ہی تین سے ہے۔ صورت سوال یہ ہے:

”آیا یہ اشعار شرعاً درست ہیں یا خلاف شرع ہیں۔ در صورت ثانی شاعر کا کیا حکم ہے؟ ہمارے دیار کے علمائے کرام فرماتے ہیں کہ ان اشعار کا مفہوم کفر و الحاد ہے اور قائل پر تجدید اسلام اور تجدید نکاح لازم اور جس طرح ان اشعار کی اشاعت عام ہوئی اسی طرح توبہ نامہ کی اشاعت بھی واجب ہے۔“

بعض شعراء کا خیال ہے کہ ان اشعار کا مفہوم کفر نہیں، پس جناب کی خدمت میں گزارش ہے کہ اشعار ذیل کے مفاہیم پر غور فرما کر جو حکم شرع شریف ہوا سے دلائل فقہیہ سے مزین بہواہیر فرما کر پتہ ذیل پر حتی الوسع واپس فرمائیں۔“

خاص ان اشعار سے متعلق جواب سات صفحات پر مشتمل ہے۔ اور درمیان میں علمائے دین کے خلاف عوامی غوغا آرائیوں اور نئی روشنی، نئی تہذیب کے بے حد بے جا تجدد پسند اور فرقہ نیچر یہ کے اضلال و اغوا اور کید و افترا کا رد ہے۔

چونکہ فتویٰ بہت تفصیلی ہے اس لئے یہاں اس کی تلخیص اور تقابلی مطالعہ کے طور پر ضروری تحلیل سے کام لیا جا رہا ہے۔

ابتداءً چند مثالوں کے ساتھ واضح کرتے ہوئے یہ رقم فرمایا ہے کہ:

”اے عزیز یہ کیا پوچھتا ہے کہ اشعار درست ہیں یا خلاف شرع۔ ارے برادر دینی یہ پوچھ کہ کیسے اجنبت و اشنع کفریات ہیں، جن میں شائبہ بھی ایمان کا نہیں اور جو ان کے کفر ہونے اور ان کے قائل و قابل کے کافر ہونے میں شک کرے اس کا کیا حکم ہے؟ بلکہ درحقیقت تو بات پوچھنے کی یہ بھی نہیں کہ ہر مسلمان جانتا ہے کہ یہ قطعاً کفر ہیں، یقیناً کفر ہیں۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔“

بے شک ان اشعار کا قائل و قابل کافر اور جو اس کے کفر و مستحق عذاب ہونے میں ادنیٰ شک کرے وہ بھی اسی کا ساتھی۔“

ان الفاظ سے قول اور قائل اور ان کے حامی و موافق سبھی کا حکم پہلی نظر میں ہی واضح ہو جاتا ہے۔ تفصیل اور دلائل کا نمبر اس کے بعد آتا ہے۔ وہ یہ طرز افتاء ہے جو امام احمد رضا کے فتاویٰ میں عام طور سے ملتا ہے۔ الولد سر لابیہ۔

ساتھ ہی ان سطور کے تیور سے عیاں ہوتا ہے کہ باری تعالیٰ کی بارگاہ منزہ و مقدس میں جسارت و بے لگامی اور گستاخی و بدکلامی کس قدر شنیع و قبیح ہے جس کے بعد انسان کی ذاتی شان و شوکت اور وجاہت و شہرت شریعت مقدسہ کی عدالت عالیہ اور علمائے ربانیین کی بارگاہ حق پسند میں ذرا بھی پاس و لحاظ کے قابل نہیں رہ جاتی جیسے دنیاوی کچھریوں میں قتل ناحق کا یقینی مجرم یا کسی شاہی حکومت میں پاک و صاف بادشاہ پر غلط بہتان و افترا کرنے والا باغی یا خلاف تہذیب گالیاں دینے والا بے باک یا ایسے کسی سلطان کا قاتل پوری حکومت میں کسی کے نزدیک قابل رحم و لائق حمایت نہیں قرار پاتا اور ہر شخص اس کے خون سے زمین کا چہرہ رنگین کر دینا سراسر عدل و انصاف تصور کرتا ہے۔ یہی حال ان افراد کا ہوتا ہے جو خدا کی تنزیہ و تقدیس اور اس کی اطاعت و وفاداری کا قلابہ گردن میں ڈال لینے کے بعد اس پاک و بے عیب ذات بلند کی شان اقدس میں بے ہودہ گوئی یا اس کے باجبروت قانون عام کی کھلی ہوئی خلاف ورزی و بغاوت اور اس کی حکومت میں رہ کر اس سے بے

وفائی پر آتے ہیں۔ یقیناً یہ کوئی زیادتی یا نا انصافی نہیں ہے۔

نئی روشنی کے بے جا تجدد پسندوں کو شائبانہ خدا اور رسول کی بہ حیثیت شاید آفتاب کی روشنی میں بھی نظر نہیں آتی، یا دماغوں کی صائب روشنی سے عاری ہو چکے ہیں۔ اس لئے مذکورہ بالا قسم کے دنیاوی فیصلوں کو تو حق و انصاف سمجھتے ہیں۔ مگر اس سے زیادہ بڑے جرم پر شرعی فیصلوں کو طعن و تشنیع سے یاد کرنا، اپنے ذہن و دماغ کا کمال اور اپنی زبان و قلم کا ہنر سمجھتے ہیں۔ جبکہ یہ سراسر نا انصافی ہے۔ بد دماغی اور بد زبانی ہے، خدا عقل سلیم سے نوازے اور حق کو حق، ناحق کو ناحق دکھائے۔

اب آئیے یہ دیکھا جائے کہ فتوے کی ابتدائی سطور کی تفصیل اور ان کی دلیل میں کیا لکھا گیا ہے۔

ابتدائی سطور چند باتوں پر مشتمل ہیں (۱) قول کا حکم (۲) قائل کا حکم (۳) اس قول کو ماننے والے اور قبول کرنے والے کا حکم (۴) قائل و قابل کے کفر میں شک لانے والے کا حکم۔ اس لئے تفصیل اور دلیل میں بھی ان سب سے بحث ناگزیر ہے۔ دیگر فتاویٰ سے اس فتوے کا ایک امتیازی پہلو یہ بھی ہے کہ یہ صرف قول و قائل ہی نہیں بلکہ ذکر شدہ چاروں امور کا احاطہ کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو تحریر فرماتے ہیں:

”شعر اول کے دونوں مصرعے کفر خالص ہیں۔ (۱) پہلے میں صاف تصریح کی کہ اس بت پر خدا کا قابو نہ چلا۔

(الف) یہ اللہ عزوجل کی کھلی توہین اور اس کی قدرت عظیمہ، کاملہ، کریمہ، ان اللہ علی کل شیء قدیر کا رد و انکار ہے کہ ایک شے ایسی بھی ہے جس پر خدا کو قدرت نہیں اور اس پر اس کا قابو نہیں اور وہ اس سے عاجز رہا۔

(ب) یہ سرے سے الوہیت کا انکار ہوا کہ جو عاجز ہو خدا ہی نہیں ہو سکتا۔ تو مصرعہ خبیثہ لعینہ کے قائل نے الوہیت ہی کا حقیقتاً انکار و ابطال کیا۔ تو بے شک وہ اور جو اسے قبول

کرے وہ ہر مسلمان کے نزدیک کافر ہوا اور جو ایسے کو کافر نہ جانے یا اس کے کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے کہ پہلے نے کفر کو کفر نہ جانا۔ الوہیت ہی کا انکار اگر کفر نہ ہوا تو اور کیا کفر ہوگا۔ ایمان کو ایمان جیسا جاننا ضروری ہے۔ یوں ہی کفر کو کفر جاننا۔ جو کفر کو کفر نہ جانے گا وہ ایمان کو ایمان کیا جانے گا کہ تعرف الأشياء بأضدادها (چیزیں اپنی ضدوں سے پہچانی جاتی ہیں) اندھا روشنی کی قدر کیا بتائے گا۔ اور دوسرے نے شک کیا۔ اور کفر کے کفر ہونے کی تصدیق ضروری ہے تو شک اور ایمان جمع نہیں ہو سکتے کہ تصدیق کا ہی نام ایمان ہے اور وہ بحالت شک ناممکن۔

(۲) اور دوسرے مصرعہ میں بر ملا اپنے آپ کو خدا سے زائد قدرت والا بتایا۔ تو اس کا مرتبہ گھٹایا اور اپنا مرتبہ اس سے بڑھایا۔ ہر مسلمان جانتا ہے کہ یہ کتنا خبیث ترین کفر ملعون ہوا۔ اس دوسرے مصرعہ میں اپنی الوہیت کا اثبات کیا، پہلے مصرعہ میں خدا کی الوہیت سے اسی لئے انکار کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ مطلب یہ ہوا کہ لوگ جسے خدا کہتے ہیں اور اس کی قدرت بہت عظیم مانتے ہیں اور اسے ہر شے پر قادر جانتے ہیں۔ ہم سچ کہتے ہیں کہ ایک چیز ایسی ہے کہ اس سے وہ عاجز رہا۔ وہ اسے اپنی قدرت سے دبا تا رہا۔ مگر اس کا اس پر قابو نہ چلا تو وہ خدا نہ ہوا کہ خدا عاجز نہیں ہوتا۔

اور ہم اس چیز کو بھی رام کر لیں گے، جس پر لوگوں کے خدا کا قابو نہ چل سکا اور جس سے وہ عاجز رہا۔ کسی طرح اسے رام نہ کر سکا۔ تو ہم ہر شے پر قادر ہوئے، تو ہم خدا ہوئے نہ کہ وہ عاجز جسے لوگوں نے خدا بنا لیا۔ والعیاذ باللہ سبحانہ و تعالیٰ۔

کیا کوئی مسلمان اس کے کفر و ملعون ہونے میں ادنیٰ شک لائے گا۔ بیشک ہر مسلمان کہے گا کہ لا ریب یہ کفر ہے اور اس کا قائل و قابل کافر۔

(۲) یوں ہی اس کا وہ دوسرا شعر

بجائے کعبہ خدا آج کل ہے لندن میں

وہیں پہنچ کے ہم اس سے کلام کر لیں گے

کفر خالص ہے۔ (۱) مسلمانوں کا دین حق مقدس اسلام اللہ کو جسم و جسمانیات سے پاک بتاتا ہے۔

(۱) مکان جسم ہی کے لئے مخصوص ہے تو اللہ تعالیٰ مکان سے پاک ہے وہ مجسم نہیں۔
(ب) مکان مخلوق ہے وہ خالق ہے (ج) مکان حادث ہے وہ قدیم ہے۔ (د) مکان جسم کو محیط ہوتا ہے اور اللہ اس سے پاک ہے کہ کوئی شے اس کا احاطہ کرے وہ اپنے علم و قدرت سے ہر شے کو محیط ہے۔ واللہ بكل شے محیط

اور شاعر لندن کو خدا کا مکان بتاتا ہے۔ تو خدا کو مجسم جانتا ہے اور لندن کو اسے محیط مانتا ہے جب تو کہتا ہے کہ خدا آج کل کعبے میں نہیں لندن میں ہے۔ بیشک وہ اہل اسلام کے نزدیک کافر ہے۔ اللہ و رسول کے نزدیک کافر ہے۔

باوجودیکہ مسلمان کعبہ، معظّمہ، بلکہ ہر مسجد کو، اس لئے وہ خالصاً اللہ ہی کی ملک میں ہیں۔ بیت اللہ کہتے ہیں۔ مگر جو کعبہ معظّمہ کو اللہ کا مکان اور اللہ تبارک و تعالیٰ کو اس کا ملکین مانے ان کے نزدیک کافر ہے یوں ہی اللہ عز و جل زمان سے بھی پاک ہے کہ زمانہ بھی حادث و مخلوق ہے۔

(۲) اور یوں بھی اس لئے کہ کعبہ، معظّمہ سے لندن کو بڑھایا۔ کعبہ مقدس کی توہین کی۔ مگر جو رب کعبہ کی ایسی شدید توہین و تنقیص کر چکا ہو ایسے سے اس کی کیا شکایت۔ ماعلیٰ مثله بعد الخطا۔

(۳) یوں ہی اس کا تیسرا شعر کھلا الجاد و زندقہ ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ
(۱) مولوی و مالوی اس کے نزدیک برابر ہیں۔ (ب) خدا اور رام ایک ہیں۔ (ج) کفر و اسلام میں کچھ فرق نہیں (د) اس کے نزدیک خدا خدا نہ کیا، رام رام کر لیا بات ایک ہی ہے۔ حاصل وہی ہے۔ حالانکہ ہرگز خدا رام نہیں۔ اور ہرگز رام خدا نہیں۔

۹۹
marfat.com

Marfat.com

(ہ) مشرکین کا مذہب نامہذب ہے کہ خدا ہر چیز میں رہا ہوا، سرایت و حلول کئے ہوئے ہے۔ خدا کو اپنے اسی عقیدہ خبیثہ کی بنا پر رام کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ”رمتے“ اور حلول کرنے سے پاک ہے تو خدا کو رام کہنا کفر ہوا۔ اور خدا خدا کرنا عبادت۔ اور کفر کو عبادت جاننا کفر۔ اور نہ سہی فرض کیجئے کہ وہ رام کے یہ معنی نہ سمجھتا ہو جب بھی ہمارا خدا وہ نہیں، جو ہنود بے بہود کا مذموم خدا ہے جسے مشرکین نے خدا سمجھ لیا ہے۔

(و) اور مشرکین میں اتنا جذب ہو جانے کو تو دیکھو کہ خدا خدا نہ سہی رام رام کر لیں گے کہ مسلمان اور ان کے پیشواؤں کو چھوڑنے کے ساتھ ساتھ ان کے معبود برحق کا ترک اور مشرکین میں گھلنے کے لئے ان کے معبود باطل کا اختیار ہے۔ اور یہ ترک اور اختیار دونوں کفر ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ کیسا انجست کلمہ ہے۔

جو مولوی نہ ملے گا تو مالوی ہی سہی

خدا خدا نہ سہی رام رام کر لیں گے

کہ مولوی نہ ملے گا تو وہ بد نصیب مولوی کے خدا کو ہی چھوڑ دے گا۔ اور مشرکین کے طاغوت مالوی کو اختیار کرے گا اور مالوی کے خدا کو پوجنے لگے گا۔ اس قائل اور ان شعراء پر جنہوں نے کہا ہے کہ ان اشعار کے مفاہم کفر نہیں، توبہ و تجدید ایمان فرض، اور ہر فرض سے بڑھ کر فرض ہے۔ نئے سرے سے مسلمان ہوں اور اپنی اپنی بیویوں سے جبکہ وہ راضی ہوں از سر نو نکاح کریں۔ اور اگر کہیں بیعت ہوں تو تجدید بیعت بھی لازم۔ یوں ہی اگر حج کر چکے ہوں تو حج کرنا بھی ضروری ہے کفر سے اعمال حبط ہو جاتے ہیں۔ تو پہلا حج مثل اور اعمال کے حبط ہو گیا۔ اب دوسرا حج یوں فرض کہ حج کی فرضیت کا وقت عمر ہے۔ لہذا اب پھر حج ضروری و واجب، توبہ کریں اور بہانے نہ بنائیں کہ وہ کافر ہو چکے اپنے ایمان کے بعد واللہ الموفق (ملخصاً)

اس فتوے میں جو وجوہ کفر کا جس ژرف نگاہی اور وقت نظر سے جائزہ لیا گیا ہے وہ ناظرین پر عیاں ہے ساتھ ہی ہر وجہ کی دلیل بھی بیان کر دی گئی ہے۔ اور قائل کا حال بھی منکشف کر دیا گیا ہے۔ وجوہ کفر پر نظر ڈالیں تو درج ذیل امور سامنے آئیں گے۔

- (۱) خدا کی قدرت کاملہ کا انکار اور اس کی عاجزی کا اقرار (۲) اس سے دراصل خدا کی الوہیت اور اس کے خدا ہونے سے انکار ہوا۔ (۳) اپنی قدرت کو خدا کی قدرت سے زائد بتانا۔ (۴) یہ دراصل اپنی الوہیت کا اثبات ہوا، اسی لئے پہلے خدا کی الوہیت سے انکار کیا۔ (۵) خدا کے لئے مکان ماننا (۶) مکان جسم کے لئے ہوتا ہے تو خدا کو جسمانی جاننا (۷) یہ ماننا کہ لندن اسے محیط ہے۔ (۸) لندن کو کعبہ معظمہ سے بڑھانا اور کعبہ کو توہین کرنا (۹) مولوی و مالوی مومن و غیر مومن میں فرق نہ ماننا۔ (۱۰) خدا اور رام کو ایک سمجھنا (۱۱) کفر و اسلام میں فرق نہ جاننا (۱۲) کلمہ اسلام خدا خدا اور کلمہ کفر رام رام کو یکساں قرار دینا (۱۳) خدا کے لئے کسی چیز میں سرایت و حلول کے اعتقاد پر مشتمل لفظ اختیار کرنا (۱۴) اہل اسلام اور ان کے معبود برحق کا ترک (۱۵) اہل باطل اور ان کے معبود باطل کو اختیار کرنا۔

ان اشعار میں جو قوی، صاف، صریح اور ناقابل تاویل و جہمیں التزاماً اور لزوماً موجود تھیں ان ہی کو فتوے میں واضح طور پر پیش کر کے ان کے احکام بیان کر دیئے گئے ہیں اور جو کچھ بیان کیا گیا یہ اس کی صداقت و قوت سے انکار کی گنجائش نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ خود فتوے کے الفاظ پیش کر دینے اور ان کی خصوصیات کی جانب اجمالی اشارہ اور مختصر وضاحت کر دینے کے بعد دیگر فتاویٰ سے اس فتوے کا امتیاز اور مفتی اعظم کی دقت نظر، جودت قلم، حسن تفہیم، کمال تنقیح، زور بیان، شوکت کلام اور سطوت فتویٰ عیاں کرنے کے لئے مزید تبصرے اور بسیط کی حاجت باقی نہیں رہی۔

اس فتوے کے آخر میں حسب طلب سائل نصوص فقہیہ بھی پیش کر دیئے گئے ہیں۔ اور

ایک حدیث کے ساتھ یہ حکم بھی مرقوم ہے کہ اعلان جرم کی طرح اعلان توبہ بھی ضروری ہے۔ یہ گمان نہ کریں اور اب اس گھمنڈ میں نہ رہیں کہ کلمہ کفر ایک بار زبان یا قلم سے نکل گیا اس کے بعد ہزار بار کلمہ پڑھا ہے اب تک کیا وہ کفر باقی رہ گیا؟ اس پر مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کی یہ عبارت بھی پیش کی ہے۔

”إن اتى بكلمة الشهادة على وجه العادة لم ينفعه ما لم يرجع عما قاله لأنه بالاتيان بكلمة الشهادة لا يرتفع الكفر“

اگر بطور عادت اس نے کلمہ طیبہ پڑھ لیا تو یہ اس کے لئے فائدہ مند نہیں ہوگا۔ جب تک کہ توبہ نہ کرے، کیونکہ بغیر توبہ صرف کلمہ پڑھ لینے سے کفر ختم نہیں ہوتا۔

یہ مبارک فتویٰ انجمن حزب الاحناف لاہور سے پہلی بار ۱۳۴۲ھ میں شائع ہوا دوسری بار رضا دارالاشاعت رچھ ضلع بریلی شریف سے ۱۴۱۰ھ میں شائع ہوا۔ سرورق پر ایک عرفی نام ہے ”سیف الجبار علی کفر زمیندار“ دوسرا بجزری تاریخ پر مشتمل ”القسورة علی ادوار الحجر الکفرة“ (۱۳۴۳ھ) تیسرا عیسوی تاریخ پر مشتمل ”ظفر علی رمة من کفر“ (۱۹۲۵ء)

درمیان رسالہ ان لوگوں کی خبر گیری بھی ہے جو ایسے شخص کو دائرہ اسلام میں شمار کرتے ہیں، جو کلمہ اسلام کا مدعی ہے خواہ اس کے ساتھ وہ نبوت کا دعویٰ کرے۔ مدعی نبوت کی حمایت کرے۔ اسے نبی یا امام و پیشوا مانے۔ خدا کے لئے کذب ممکن بلکہ واقع مانے۔ علم رسول کو حیوانات و بہائم کے علم سے ناپاک تشبیہ دے۔ کلمہ میں نام رسول کی جگہ اپنے پیر اشرف علی کا نام لے۔ جنت و نار، جن و ملائکہ کے وجود اور نماز و روزہ وغیرہ فرائض کا منکر ہو۔ ختم نبوت کی قطعی اجماعی معنی کو نہ مانے۔ دوسرا نبی آنا جائز یا واقع مانے۔ اور ایسے ہی بڑے سے بڑے ایک یا چند کفر کا مرتکب ہو مگر ان کے نزدیک کلمہ پڑھ لینے کے بعد جس قدر کفریات کرتا اور بکتا رہے ایمان و اسلام رخصت نہیں ہوتا۔ آدمی سچا پکا مسلمان برقرار

رہتا ہے۔

ہاں جو ایسے سخت شنیع کفریات کے مرتکب کو کافر کہے وہ ان کے نزدیک مجرم ہے اس کی ہر طرح تذلیل و تحقیر ان کے یہاں داخل تہذیب و شرافت ہے۔ اس کے خلاف صفحات کے صفحات رنگین کرنا عظیم خدمت ہے۔ ان کے خیال میں کفر کرنا، کفر لکھنا کچھ عیب نہیں۔ ان خیالات فاسدہ کے رد میں رقم طراز ہیں:

”قرآن و حدیث ہمیں بتاتے ہیں کہ زمانہ اقدس میں ایسے لوگ تھے جو کلمہ اسلام پڑھتے تھے اور نہ صرف کلمہ اسلام ہی پڑھتے تھے بلکہ دربار رسالت میں حاضر ہو کر شہادتیں ادا کرتے تھے کہ ضرور ضرور بے شک و شبہ یقینی حضور اللہ کے رسول ہیں۔ حضور کی خدمت میں حاضر رہتے۔ حضور کے پیچھے نمازیں پڑھتے۔ حضور کے ساتھ جہاد کرتے مگر اس کے باوجود انہیں اللہ و رسول نے جھوٹا، فریبی، کذاب، منافق فرمایا۔ اور ان کے اس کلمہ طیبہ کو پڑھنے اور بڑی بڑی تاکیدات کے ساتھ شہادت رسالت دینے اور نمازیں ادا کرنے اور جہاد میں شریک ہو کر اپنی جانیں دینے اور کفار کی جانیں لینے پر نظر نہ فرمائی۔ سب کو ہبائے منشوراً فرمادیا۔“ (اتنی بتلخیص لیسر)

اس کے بعد آیات و احادیث پیش کر کے اسے واضح فرمایا ہے کہ علماء جو کچھ بیان کرتے ہیں اپنی طرف سے نہیں، قرآن و حدیث سے بیان کرتے ہیں۔ بلکہ قرآن نے ان باغیان بارگاہ صمدیت اور گستاخان دربار رسالت کو جس تذلیل و تحقیر کے ساتھ اور جیسے القاب حقارت کے ساتھ یاد کیا ہے علماء ان کے لئے وہ سب استعمال بھی نہ کر سکے۔ اگر اسی طرح وہ بھی انہیں یاد کرتے تو نہ معلوم کیسا کچھ جامہ سے نکلتے۔ آپے سے باہر آتے، اس پر قرآنی آیات لکھ کر وہ القاب مذمت عیاں کر دیئے ہیں۔ جو ان منکرین کے لئے وارد ہوئے۔ اس کے بعد فرمایا:

”بحمد اللہ تعالیٰ کلام اپنے منتمی کو پہنچا اور ظاہر و باہر ہوا کہ یہ علماء کو بے تہذیب اور بے

ادب بتانے والے خود سخت و بے تہذیب اور نہایت بے ادب ہیں۔“

آخر میں چند آیات و حدیث پیش کر کے یہ بھی واضح کر دیا کہ ان باغیوں اور گستاخوں کے ساتھ اہل ایمان کو کیسا سلوک کرنے کی ہدایت و تعلیم دی گئی ہے۔ اور بنظر اختصار چند ہی پراکتفا کی ہے۔

الغرض عہد و ماحول کو سامنے رکھتے ہوئے اس مسئلہ کے تمام متعلقات کو بھی بیان کر دیئے ہیں۔ اور متعدد فتنوں اور غوغا آرائیوں کی جڑ کاٹ کر رکھ دی ہے۔ اہل عقل و خرد اگر عدل و انصاف کے ساتھ اس رسالہ کا مطالعہ کریں تو ان کے دلوں میں ایمان و اسلام کی اہمیت، بارگاہ خدا و رسول کی عظمت، کفر و ارتداد کی شناخت و قباحت اللہ و رسول کے قطعی احکام کی خلاف ورزی و بغاوت کرنے والوں کی خرابی و حقارت اور شان خدا و رسول میں بے ادبی و جسارت کی رذالت اچھی طرح سے جاگزیں ہو سکتی ہے اور جاہلانہ و ظالمانہ مکرو فریب اور فتنہ و فساد سے نجات بہت آسان ہو سکتی ہے۔

اس رسالہ کے مطالعہ سے مفتی اعظم کے علم و افتاء کے کچھ اور گوشے بھی ملے جو ان کے کچھ اور فتاویٰ میں بھی دیکھے۔ انشاء اللہ المولیٰ تعالیٰ ان سب پر تفصیلی گفتگو ایک مستقل مضمون میں ہوگی۔ فی الحال میں سمجھتا ہوں کہ جو موضوع میں نے اختیار کیا اور جو عنوان منتخب کیا اس سے مکمل طور پر نہیں تو بڑی حد تک سبکدوش ہو چکا ہوں۔ وما توفیقی إلا باللہ علیہ توکلت و إلیہ أنیب۔



مفتی اعظم کا تقویٰ اور خشیت ربانی

(مولانا نسیخ اختر صاحب مصباحی دارالقلم دہلی)

اطاعت خداوندی، اتباع سنت رسول، فرائض و واجبات کی پابندی، ارتکاب محرمات سے اجتناب، ترک نفسانیت، آداب شریعت کی محافظت، ظاہر و باطن میں یکسانیت، حقوق العباد کی رعایت، اور حسن اخلاق و کردار کے مجموعہ کا نام ہے تقویٰ و خشیت ربانی۔

رضائے الہی کی طلب و جستجو میں انہماک و استغراق اور بارگاہ مولیٰ میں عتاب و عقاب کے تصور سے خوف و سراسیمگی ہی تقویٰ و خشیت ربانی کا وہ جوہری عنصر ہے جو قرآن حکیم کا مطلوب و مقصود ہے۔

تقویٰ اور خشیت انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی وراثت ہے اور علماء کرام و راہت انبیاء کے حامل و امین ہیں۔ رب کائنات ارشاد فرماتا ہے۔

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ط (سورہ فاطر آیت ۲۸ پارہ ۲۲)

اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ تحریر کرتے ہیں ”اور اس کی صفات کو جانتے اور اس کی عظمت کو پہچانتے ہیں۔ جتنا علم زیادہ اتنا خوف زیادہ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ مراد یہ ہے کہ مخلوق میں اللہ تعالیٰ کا خوف اس کو ہے جو اللہ تعالیٰ کے جبروت اور اس کی عزت و شان سے باخبر ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

قسم اللہ عزوجل کی کہ میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ جاننے والا ہوں اور سب سے زیادہ اس کا خوف رکھنے والا ہوں۔ (خزائن العرفان)

اولاد آدم کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے تمہیں دو طرح کے لباس دیئے ہیں۔ ایک تو وہ جس سے تم اپنے پوشیدہ اعضاء کو چھپاتے ہو اور ایک وہ جس سے تمہارے جسم کی آرائش و زیبائش ہوتی ہے لیکن ایک لباس ایسا ہے جو ان دونوں سے بھی اچھا اور بہتر ہے۔ "وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ لَا ذَٰلِكَ خَيْرٌ ط (سورۃ اعراف آیت ۲۶ پارہ ۸)

اور پرہیزگاری کا لباس وہ سب سے بھلا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

جس طرح دنیوی سفر کے لئے زادراہ ضروری ہے اسی طرح آخرت کے لئے بھی زادراہ ضروری ہے۔ فرمان الہی ہے۔ "وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ ر (سورۃ بقرہ آیت ۱۹۷ پارہ ۲) اور توشہ ساتھ لو کہ سب سے بہتر توشہ پرہیزگاری ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان) تقویٰ کے بعض دنیوی و اخروی فوائد کا ذکر قرآن میں اس طرح آیا ہے۔

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ ط (سورۃ حجرات آیت ۱۳ پارہ ۲۶)

بیشک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان) وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۖ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ط (سورۃ طلاق آیت ۲/۳ پارہ ۲۸) اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لئے نجات کی راہ نکال دے گا۔ اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں اس کا گمان نہ ہو۔ (ترجمہ کنز الایمان)

وَالْآخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِينَ ۝ (سورۃ زخرف آیت ۳۵ پارہ ۲۵)

اور آخرت تمہارے رب کے پاس پرہیزگاروں کے لئے ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ۝ (سورۃ ذاریات آیت ۱۵ پارہ ۲۶)

بیشک پرہیزگار باغوں اور چشموں میں ہیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

تقویٰ کیا چیز ہے اس کے مراتب کیا ہیں اور متقی کسے کہتے ہیں؟ اس کی کچھ تفصیل بیان

کرتے ہوئے سورہ بقرہ کی پہلی آیت کریمہ کی تفسیر میں صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی تحریر کرتے ہیں۔

”هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ“ اگرچہ قرآن کریم کی ہدایت ہر ناظر کے لئے عام ہے مومن ہو یا کافر جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا هُدًى لِّلنَّاسِ لیکن انتفاع چوں کہ اس کے اہل تقویٰ کو ہوتا ہے اس لئے هُدًى لِّلنَّاسِ ارشاد ہوا۔ جیسے کہتے ہیں بارش سبزہ کے لئے ہے۔ یعنی منتفع اس سے سبزہ ہوتا ہے۔ اگرچہ برستی کلراور زمین بے گیاہ پر بھی ہے۔

تقویٰ کے کئی معنی آتے ہیں۔ نفس کو خوف کی چیز سے بچانا۔ اور عرف شرع میں ممنوعات کو چھوڑ کر نفس کو گناہ سے بچانا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا متقی وہ ہے جو شرک و کبائر و فواحش سے بچے۔ بعضوں نے کہا متقی وہ ہے جو اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر نہ سمجھے۔ بعض کا قول ہے تقویٰ حرام چیزوں کا ترک اور فرائض کا ادا کرنا ہے۔ بعض کے نزدیک معصیت پر اصرار اور تقویٰ پر غرور کا ترک تقویٰ ہے۔ بعض کے نزدیک تقویٰ یہ ہے کہ تیرا مولیٰ تجھے وہاں نہ پائے جہاں اس نے منع فرمایا۔ ایک قول یہ ہے کہ تقویٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی پیروی کا نام ہے (خازن) یہ تمام معنی باہم مناسبت رکھتے ہیں اور مال کے لحاظ سے ان میں کچھ مخالفت نہیں۔

تقویٰ کے مراتب بہت ہیں۔ عوام کا تقویٰ ایمان لا کر بچنا۔ متوسطین کا اوامر و نواہی کی اطاعت۔ خواص کا ہر ایسی چیز کو چھوڑنا جو اللہ تعالیٰ سے غافل کرے۔ (اجمل)

حضرت مترجم (امام احمد رضا) قدس سرہ نے فرمایا تقویٰ کی سات قسم ہے۔

- (۱) کفر سے بچنا۔ یہ بفضلہ تعالیٰ ہر مسلمان کو حاصل ہے۔ (۲) بد مذہبی سے بچنا۔ یہ بتی و نصیب ہے۔ (۳) ہر کبیرہ سے بچنا۔ (۴) صغائر سے بھی بچنا۔ (۵) شبہات سے اجتناب۔ (۶) شہوات سے بچنا۔ (۷) غیر کی طرف التفات سے بچنا۔ یہ انحصار الخواص کا منصب ہے۔ اور قرآن کریم ساتوں مرتبوں کا ہادی ہے۔“ (خزائن العرفان)

تقویٰ کے بارے میں متعدد اقوال اور روایتیں بیان کرتے ہوئے محبوب سبحانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے فرمایا مجھے تقویٰ کے بارے میں بتائیے۔ انہوں نے فرمایا کیا آپ کبھی کانٹوں والے راستے پر چلے ہیں؟ فرمایا ہاں انہوں نے پوچھا وہاں آپ کیا طریقہ اختیار کرتے ہیں؟ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا ڈرتا ہوں اور دامن بچا کر چلتا ہوں۔ حضرت کعب نے فرمایا تقویٰ اسی طرح ہے۔ (غنیۃ الطالبین ص ۳۷۶)

ترجمہ: از مولانا محمد صدیق ہزاروی۔ فریڈیک ڈپو اسٹال اردو بازار لاہور۔ بار اول ۱۹۸۸ء

حضرت شہر بن حوشب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں متقی وہ ہے جو ان چیزوں کو چھوڑ دیتا ہے جن میں حرج نہیں تاکہ حرج والی چیزوں میں داخل ہونے سے محفوظ رہے۔

(غنیۃ الطالبین ص ۳۷۶)

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں متقی اسے کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈرے۔ (غنیۃ الطالبین ص ۳۷۶)

حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے۔ تقویٰ شبہات سے بچنے کا نام ہے۔ (غنیۃ الطالبین ص ۳۷۷)

تقویٰ اور متقی کے بارے میں یہ تفصیلات جاننے کے بعد ماضی قریب کی عہد ساز شخصیت تاجدار اہلسنت حضور مفتی اعظم مولانا الشاہ مصطفیٰ رضا خاں قادری نوری بریلوی قدس سرہ کی مقدس زندگی کا جب ہم جائزہ لیتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ کا سینہ خشیت ربانی سے معمور اور آپ کی حیات کا ہر لمحہ انوار تقویٰ سے پر نور تھا۔ آپ کا ہر عمل اطاعت خداوندی کا مظہر اور آپ کی ہر ہر ادا سنت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی ترجمان تھی۔

کلمہ حق کے اظہار میں حضور مفتی اعظم کی ذات گرامی اپنی مثال آپ تھی۔ کسی سے

ڈرنا اور دینا تو آپ نے سیکھا ہی نہیں تھا۔ دنیا سے بے نیازی و بے رغبتی کے واقعات آپ کی زندگی میں قدم قدم پر ملتے ہیں۔ اور جن لوگوں کو آپ کی زیارت کا شرف حاصل ہے اور آپ کی صحبت میسر ہے وہ گواہی دیں گے کہ شبہات سے اجتناب کے باب میں بھی آپ اپنے دور کے اہل تقویٰ میں امتیازی شان کے مالک ہیں۔

دو تین سال پہلے کی بات ہے حضرت مولانا مفتی محمد میاں شہر دہلوی کے دولت کدہ (باڑہ ہندوراؤ دہلی) پر میں حاضر ہوا۔ ان سے ایک مذہبی مسئلہ پر گفتگو ہو رہی تھی۔ انہوں نے دوران گفتگو مجھ سے یہ واقعہ بیان فرمایا۔

”مسجد فتحپوری دہلی میں ایک بار حضرت محدث اعظم سید محمد اشرف جیلانی کچھوچھوی رحمہ اللہ علیہ تشریف لائے۔ مسجد کے ایک حجرہ میں قیام فرمایا۔ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کچھ دیر بعد چائے پیش کی گئی۔ یہ چائے کسی غیر مسلم کے ہاتھ کی بنی ہوئی تھی۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے عرض کیا حضور! بریلی کے مفتی اعظم تو غیر مسلم کے ہاتھ کی بنی ہوئی چائے نوش نہیں فرماتے۔ چائے کی پیالی آپ کے سامنے رکھی تھی۔ آپ نے اپنے مخصوص انداز میں جواب دیتے ہوئے فرمایا۔ مفتی اعظم غیر مسلم کے ہاتھ کی بنی ہوئی چائے نہیں پیتے یہ ان کا تقویٰ ہے۔ اور پھر چائے کی پیالی ہونٹ تک لیجاتے ہوئے ارشاد فرمایا اور یہ ان کا تقویٰ ہے۔ اس کے بعد اطمینان کے ساتھ چائے پینے لگے۔

اسی طرح کا ایک واقعہ مولانا مرغوب حسن قادری اعظمی بیان کرتے ہیں ”ایک سفر میں حضور محدث اعظم اور حضور مفتی اعظم بعد نماز عصر مسجد ہی میں بیٹھ گئے۔ کسی نے وہیں آپ حضرات کی خدمت میں چائے پیش کی۔ حضور محدث اعظم نے مسجد ہی میں بیٹھ کر چائے نوش فرمائی۔ مگر حضور مفتی اعظم چائے کی پیالی لے کر مسجد کے باہر تشریف لے گئے اور چبوترہ پر بیٹھ کر چائے نوش فرمائی۔ دیکھنے والوں نے دونوں عظیم ترین علماء کرام کا عمل دیکھا اور کسی کے پوچھنے پر یا خود اپنی فراست سے حاضرین کے ذہنی تاثر کو بھانپ کر حضور

محدث اعظم نے ارشاد فرمایا۔

میں جب مسجد کے اندر داخل ہوتا ہوں تو اعتکاف کی نیت کر لیتا ہوں اور معتکف کے لئے مسجد کے اندر کھانے پینے میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔ مفتی اعظم کی بھی یہی نیت اعتکاف تھی مگر انہوں نے تقویٰ پر عمل کیا۔

ان دونوں واقعات کے اندر جہاں حضور مفتی اعظم کے تقویٰ کا اعلیٰ نمونہ ہمیں ملتا ہے وہیں مخدوم العلماء حضور محدث اعظم کی زبان مبارک سے آپ کے تقویٰ کی بلند پایہ شہادت بھی ملتی ہے۔

مؤخر الذکر واقعہ کے راوی حضرت مولانا عبدالحمید (بستہ ڈانگی پوسٹ سورجا پور ضلع مغربی دینا چپور) تلمیذ حضرت صدر الشریعہ و حضرت محدث اعظم بھی ہیں۔ (حسب روایت مفتی مطیع الرحمن صاحب مضطر پورنوی) اور حضرت مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی اس واقعہ کے راوی ہیں۔ حسب روایت مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی ڈاکٹر محمد اسد (علیگ) پہلی بھیتی بیان کرتے ہیں۔

”مولانا محمد عباس اشرفی خطیب مسجد قریشیان پہلی بھیت کا بیان ہے کہ ۱۹۶۸ء میں حضور مفتی اعظم جامع مسجد کھٹیمہ ضلع نینی تال تشریف لائے۔ اور آپ کا قیام ناچیز کے حجرے میں ہوا۔ ہم لوگوں نے بہترین مٹھائی، نمکین اور چائے کا اہتمام کیا۔ حضور مفتی اعظم نے صرف چائے نوش فرمائی جو ہم لوگوں کی بنائی ہوئی تھی۔ اور مٹھائی و نمکین کے بارے میں فرمایا کہ یہ میرے کھانے کی نہیں۔ ہم لوگ فوراً سمجھ گئے کہ اس انکار کی وجہ یہ ہے کہ مٹھائی اور نمکین غیر مسلم کے یہاں سے آئی ہوئی تھی“۔

ڈاکٹر محمد اسد ہی کی روایت کے مطابق مولانا محمد عباس اشرفی بیان کرتے ہیں ”۱۹۶۵ء میں ناچیز احمد آباد میں مدرس تھا۔ اس وقت کی بات ہے کہ ایک سفر میں حضور مفتی اعظم احمد آباد کے اپنے ایک عقیدت مند کے یہاں دعوت طعام میں تشریف لے گئے۔

marfat.com

Marfat.com

صاحب خانہ کے دروازہ تک پہنچ کر آپ کے قدم رک گئے صاحب خانہ حیرت میں پڑ گئے کہ آخربات کیا ہے۔ اور آپ کے قریب پہنچ کر گھر کے اندر تشریف لے چلنے کی انہوں نے درخواست کی۔ حضور مفتی اعظم نے فرمایا تمہارا مکان صنم خانہ بنا ہوا ہے۔ یہ سنتے ہی وہ تیزی کے ساتھ گھر کے اندر گئے اور دیوار وغیرہ پر لگی ہوئی ساری تصاویر ہٹائی تب کہیں جا کر حضور مفتی اعظم ان کے گھر کے اندر داخل ہوئے۔“

حضرت مولانا مجیب اشرف اعظمی ثم ناگپوری بانی دارالعلوم امجدیہ ناگپور جنہوں نے بریلی شریف منظر اسلام سے تکمیل علوم کیا اور جنہیں حضور مفتی اعظم کی خدمت اور سفر و حضر میں رفاقت کا بارہا شرف حاصل رہا وہ اپنے مشاہدات و تاثرات کا ذکر کرتے ہوئے ایک مجلس جس میں وہ خود موجود تھے اس کا ایک واقعہ راقم سطور سے اس طرح بیان کرتے ہیں (بتاریخ ۱۰ نومبر ۱۹۹۱ء در ناگپور)

۱۹۷۲ء کی بات ہے۔ حیدرآباد دکن کی مشہور خانقاہ یحییٰ مسکن قاضی ٹولہ میں حضور مفتی اعظم تشریف فرما تھے۔ حیدرآبادی علماء و مشائخ بھی زینت محفل تھے۔ خانقاہ کے سجادہ نشین حضرت مولانا سید محمد قادری مرحوم و مغفور کے کمرے میں یہ سبھی حضرات رونق افروز تھے اور مختلف دینی و علمی موضوعات پر آپس میں تبادلہ خیال ہو رہا تھا۔ (اب آگے جو واقعہ ذکر کیا جا رہا ہے اسے توجہ و انہماک کے ساتھ سماعت فرمائیں جس سے حضور مفتی اعظم کی جرات حق گوئی بھی ظاہر ہوتی ہے اور ترک نفسانیت و احتساب نفس کا جذبہ بھی آشکار ہو کر سامنے آجاتا ہے جو تقویٰ کی ایک نہایت اعلیٰ قسم ہے) محفل میں بیٹھے بیٹھے اچانک حضور مفتی اعظم کی نگاہ سامنے کی دیوار کی طرف اٹھی اور آپ نے استغفر اللہ۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ لا الہ الا اللہ پڑھتے ہوئے سر نیچے جھکا لیا۔ چند ہی لمحات کے بعد پھر آپ نے نگاہ اوپر اٹھائی اور توبہ توبہ استغفر اللہ۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ پڑھتے ہوئے دوبارہ سر نیچے جھکا لیا۔

حاضرین دم بخود تھے کہ آخر بار بار ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ سارے علماء و مشائخ بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کی نگاہ سے وہ کون سی چیز اوجھل ہے جس کا حضور مفتی اعظم مشاہدہ فرما رہے ہیں اور توبہ و استغفار فرما رہے ہیں۔ اسی عالم میں حضور مفتی اعظم کی آواز گونجتی ہے کس نے اس کو لگایا ہے۔ اتارو۔ پھینکو۔

اب جو دیکھا گیا تو اوپر ایک طغریٰ آویزاں ہے جس پر یہ شعر لکھا ہوا ہے۔

اچھے تو بخشے جائیں گنہگار منہ تکمیں

اے رحمت خدا تجھے ایسا نہ چاہئے

آپ نے ارشاد فرمایا رحمت خدا کے ساتھ ایسے نازیبا کلمات کا استعمال جائز نہیں۔

اس لئے صاحب خانہ (مولانا سید محمد قادری) اس سے توبہ کریں۔

حیدرآبادی تہذیب غالباً اس طرز عمل کی روادار نہ تھی اس لئے وہاں کے علماء و مشائخ

اس جرأت حق گوئی کا ناخوشگوار اثر اپنے اوپر محسوس کر رہے تھے۔ چارونا چار صاحب خانہ

نے اس طغریٰ کو نیچے اتارا اور پھر اپنی اس غلطی پر اظہار ندامت و پشیمانی کرتے ہوئے

بارگاہ خداوندی میں توبہ بھی کیا۔

اس پورے واقعہ کے دوران حیرت انگیز پہلو اس وقت سامنے آیا جب خود حضور مفتی

اعظم نے کہا۔ آپ لوگ گواہ رہیں کہ میں بھی توبہ کرتا ہوں۔ حاضرین کی سمجھ میں یہ بات

نہیں آرہی تھی کہ آخر اس وقت حضور مفتی اعظم سے کون سی غلطی سرزد ہوگئی جس سے وہ

اپنے توبہ کا اظہار فرما رہے ہیں۔ اس وسوسہ کا ازالہ فرماتے ہوئے آپ نے فرمایا تحریر کا

ادب چاہئے اور اس شعر میں چونکہ رحمت خدا کا لفظ بھی شامل ہے جس کا ادب ہر لحاظ سے

ضروری ہے۔ اور اس کے لئے میری زبان سے اتارو پھینکو کا جملہ نکل گیا ہے جو خلاف

ادب ہے۔ اس لئے آپ حضرات کو گواہ بنا کر میں بھی توبہ کرتا ہوں۔ پھر فرمایا۔ لا الہ الا

اللہ محمد رسول اللہ۔

مذکورہ بالا واقعہ بیان کرنے کے بعد حضرت مولانا مجیب اشرف اعظمی ثم ناگپوری نے ایک اور واقعہ بیان کیا۔ پہلا واقعہ اپنوں کی اصلاح سے متعلق ہے اور یہ دوسرا واقعہ غیروں کے سامنے کلمہ حق کے اظہار و اعلان کا شاہکار ہے۔

۱۹۵۵ء کی بات ہے حضور مفتی اعظم کو لکھنؤ سے بریلی شریف جانا تھا ساتھ میں حضرت مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور مولانا مجیب اشرف بھی تھے۔

لکھنؤ ریلوے اسٹیشن پر پہنچے ہی تھے کہ گاڑی نے ریٹنگنا شروع کر دیا۔ عجلت میں یہ کبھی حضرات ایک ڈبہ جو سامنے تھا اس میں داخل ہو گئے۔ اندر جا کر دیکھا تو سارے مسافر فوجی تھے۔ کیونکہ یہ ڈبہ ہی فوجی تھا۔ یہ فوجی اپنے انداز میں کچھ سوئے کچھ بیٹھے تھے۔ اور کچھ فوجی تاش کھیلنے میں مصروف تھے۔ حضور مفتی اعظم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان فوجیوں سے کہا گیا کہ یہ بزرگ آدمی ہیں آپ لوگ تھوڑی سی جگہ دے دیں تاکہ یہ بیٹھ جائیں۔ اگلے اسٹیشن پر ہم لوگ اتر جائیں گے۔

اس گزارش پر فوجیوں نے کہا کہ اس ڈبہ میں آپ لوگ کیسے آگئے یہاں کسی غیر فوجی کو بیٹھنے کی اجازت نہیں۔ بہر حال ایک فوجی نے ناگواری کے ساتھ اپنے پاؤں سمیٹتے ہوئے تھوڑی سی جگہ خالی کر دی جہاں حضور مفتی اعظم تشریف فرما ہوئے۔

فوجی آپس میں پہلے ہی سے کچھ مذہبی گفتگو کر رہے تھے۔ درمیان میں سلسلہ کلام منقطع ہو گیا تھا۔ گاڑی جب باقاعدہ چلنے لگی تو انہوں نے پھر اپنی گفتگو کا آغاز کیا۔ اور حضرت عیسیٰ و حضرت مریم علیہما الصلوٰۃ والسلام کی شان میں نازیبا کلمات استعمال کرنے لگے۔

اتنا سننا تھا کہ حضور مفتی اعظم جلال کے عالم میں اپنا عصا لے کر اٹھ کھڑے ہو گئے۔ اور فرمایا خبیث! چپ رہ۔ زبان بند کر۔ حضرت سیدنا عیسیٰ کے بارے میں خبردار اس قسم کے الفاظ نہ بکنا۔

یہ سن کر ایک فوجی نے کہا بڑے میاں! آپ کیوں غصہ ہو رہے ہیں ہم تو کرچین

(مسیحی) لوگوں کے پرافٹ (پیغمبر) کے بارے میں کہہ رہے ہیں۔ آپ کے پیغمبر محمد صاحب کے بارے میں تو ہم نے کچھ نہیں کہا۔

اس پر حضور مفتی اعظم نے فرمایا۔ عیسائی خبیث ان کو پیغمبر کب مانتے ہیں وہ تو ان کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں۔ پیغمبر تو ہم مانتے ہیں۔ اور ہر پیغمبر کی تعظیم و توقیر ہمارے مذہب میں فرض ہے۔ جس طرح ہم اپنے پیغمبر (حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے بارے میں کسی ادنیٰ گستاخی کو برداشت نہیں کر سکتے اسی طرح حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کے بارے میں کوئی نازیبا لفظ سننا گوارا نہیں کر سکتے۔ اس لئے اب اپنی زبان بند رکھ۔

اس جواب اور جرأت حق گوئی کا ان فوجیوں پر اتنا اثر ہوا اور ان پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ سب کے سب خاموش اور ششدر ہو گئے اور آپ سے معافی مانگنے لگے۔ پھر ایک فوجی نے پوری برتھ خالی کرتے ہوئے ایک فوجی کبل اس پر بچھا دیا اور عرض کیا کہ آپ اس پر آرام کریں۔

حضور مفتی اعظم نے وہ کبل اٹھا کر ایک طرف رکھ دیا۔ اور اپنے پاس جو بستر تھا وہ بچھا کر اس پر آرام فرما ہوئے۔ جب بریلی اسٹیشن آیا اور گاڑی سے آپ اترنے لگے تو سبھی فوجی ڈبہ سے نکل کر ہاتھ جوڑ کر آپ کو رخصت کرنے لگے اور آپ کی عظمت و جرأت کا اعتراف کرتے ہوئے آپس میں آپ کی تعریف و تحسین کرتے رہے۔

ان حقائق و واقعات کی روشنی میں حضور مفتی اعظم کے بارے میں بجا طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ اپنے دور کے مفتی اعظم ہی نہیں بلکہ مفتی اعظم بھی تھے اور امام اہل تقویٰ بھی۔

تمہاری شان میں جو کچھ کہوں اس سے سوا تم ہو



ایمر جنسی کا پرخطر دور

اور مفتی اعظم کی جرأت ایمانی

(ڈاکٹر فضل الرحمن شرر مصباحی لکچرار طبیہ کالج دہلی)

ایمر جنسی اور نسبندی کا مہیب دور تھا بیباکی ہولناکی سے پورا ملک تپ لرزہ میں مبتلا تھا۔ نسبندی کا رضا کارانہ عمل افسران کی طرف سے جبر و تشدد کے قالب میں ڈھل چکا تھا۔ حامیوں کے لئے کوٹے، پرمٹ اور لائسنس وغیرہ کے عطایا تھے، حرف گیری کرنے والوں کے لئے حقوق سے دستبرداری، ملازمت سے برطرفی اور جیل کی کال کوٹھری کا عذاب تھا۔ علماء سوء نسبندی کے فیوض و برکات کا وظیفہ گردانتے تھے۔ اطباء کرام اس کے محاسن و فضائل کا خطبہ پڑھتے تھے، ڈاکٹر صاحبان اس عمل کو بے ضرر اور مفید صحت ثابت کرنے کے لئے سائنس کے اصول مسلمہ میں خود غرضی کی جزئیات ڈھونڈتے پھرتے تھے۔ چھوٹے چھوٹے نیتا گاؤں گاؤں پھیری لگا کر نسبندی کے کیس بٹور کر ان کے سرٹیفکیٹ سے پیسے کماتے تھے، اعلیٰ افسران میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کا انتہا پسندانہ جذبہ کارفرما تھا، پولیس کی ٹولی ایمر جنسی کی برکت سے جس شریف کو چاہتی جوتوں لاتوں خاطر کر کے تھانے کے حوالات میں ڈھکیل آتی غرضیکہ پورے ملک پر خوف و دہشت کا عفریت راج کر رہا تھا اور غریب جتنا کا عرصہ حیات ان دونوں جڑواں بہنوں کے ہاتھوں تنگ تھا۔

نسبندی کے مبینہ عوائل اسلامی احکام و تعلیمات کے معارض تھے اس لئے مسلمانوں کی بے چینی اور غم و غصہ فطری بات تھی۔ لیکن افسران کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ اس کلیہ سے مسلمانوں کو مستثنیٰ کر دیتے۔ اسی اثناء میں چند ایمان فروش مسلمان بڑی دور کی کوڑی

لائے اور افسران حکومت کی نگاہوں اور میں سرخ رو ہونے کی غرض سے یہ صلاح دی کہ اگر کچھ اکابر ملت ہتھے چڑھ جائیں اور انہیں رام کر لیا جائے۔ تو کل الصيد فی جوف الفراء کا مقصد حاصل ہو جائے کیونکہ جب مفتیان دین بذات خود نسبندی کی شرعی افادیت کے لئے رطب اللسان ہوں گے تو اسے قبول کر لینے میں مسلمانوں کو کوئی تامل نہ ہوگا۔ چنانچہ اس نسخہ کیمیا کی عجلت کے ساتھ آزمائش شروع کر دی گئی۔ سب سے پہلے ایک مکتب فکر کے مشہور و معروف شیخ کہن سالہ کی ذات شریف کو تجربہ کے لئے منتخب کیا گیا پھر کیا تھا آل انڈیا ریڈیو اسٹیشن میں صدا بند کی ہوئی حضرت جی کی آواز تھی اور خلق خدا کے گوش سماعت۔ معلوم نہیں یہ تائیدی کلمات آں جناب کے دہن مبارک میں روایتی حلوے مانڈے کی طرح اترتے گئے تھے یا نیم پختہ زمین قند کی طرح حلق کی غشاء مخاطی کو کھرچتے چھیلتے البتہ دیکھا یہ گیا کہ ایک طرف افسران اپنی کامیابی پر بغلیں بجا رہے تھے دوسری طرف امت اپنے حکیم پر تین حرف بھیج رہی تھی۔ کسی شاعر نے کہا ہے۔

زبان خلق کو نقارہ خدا سمجھو

ایک تو ایمر جنسی اوپر سے نسبندی کا لے بھنگ پر چھٹرا بھلا کہاں تک نظروں کو بھاتا نتیجہ یہ ہوا کہ آں بدولت کے تلقین و ترغیب کا جاوہ کار گرنہ ہوا بلکہ ان کے خلاف نفرت و حقارت اور بے اعتمادی کا آنکھوا پھوٹ پڑا جو بعد میں تناور درخت کی شکل میں دیکھا گیا۔ مگر وہ افسر ہی کیا جس کے اندر افسری کی تڑک بھڑک نہ ہو۔ ہمت ہارنا اور ہمت ہار کے بیٹھ جانا تو کم نصیبوں کا نصیب ہے۔ چنانچہ افسروں کی چیرہ دستیاں بڑھتی گئیں۔ نئے شادی شدہ جوڑے کی نسبندی، کنوارے کنوار یوں کی نسبندی۔ حد یہ کہ گور میں پاؤں لٹکائے ہوئے ۸۰ سالہ بوڑھوں کی نسبندی گویا ہندوستان ایمر جنسی کا ایک کھیت تھا جس میں نسبندی خود رو گھاس کی طرح جمتی اور پھیلتی جا رہی تھی۔

ایمر جنسی و نسبندی کے انہیں عروج و کمال کے ایام میں لکھنؤ کے اولڈ ودھا ایک نورس

میں میری ملاقات مولانا ریحان رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی دوران گفتگو وہ یکا یک غیر معمولی سنجیدہ ہو گئے پھر گویا ہوئے کہ مجھے آج ہی بریلی جانا چاہئے۔ نہ جانے حضور مفتی اعظم پر کیا گذر رہی ہوگی۔ میں نے حیرت و استعجاب سے پوچھا کہ ایسی کیا بات ہے؟ کیا مفتی اعظم پر خدا نخواستہ..... مولانا نے جواباً فرمایا کہ حکام کا دباؤ پڑ رہا ہے کہ مفتی اعظم ایک بیان جاری فرمادیں تاکہ اس کی روشنی میں مسلمان کھلے دل سے نسبندی کی ضرورت اور افادیت کے معترف ہو جائیں۔ سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے مولانا نے فرمایا کہ ظاہر ہے مفتی اعظم ایسا نہیں کر سکتے اس لئے مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں افسران انہیں گرفتار نہ کر لیں۔

حضور مفتی اعظم ہند نہ صرف ہندوستان اور برصغیر کے اہلسنت و جماعت میں بلکہ پورے عالم اسلام میں مرکزی شخصیت تھے آپ کی ذات شریف قطعی غیر متنازعہ تھی یقیناً آپ کا فرمودہ ایک ایک حرف مسلمانان عالم کے لئے حرز جاں تھا۔ لیکن کس قدر حیرت و افسوس کی بات ہے کہ ایک ایسے بندہ خدا سے دنیا داری کی توقع کر لی گئی تھی جو اپنی دنیا کو دین و مذہب کے نام پر کب کا قربان کر چکا تھا۔ جس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ خدا اور رسول کی رضا میں صرف ہوا اور بواطمین کے خلاف سینہ سپر رہنا جس کا شعار رہا ہو یہ کیسے ممکن تھا کہ اس کا سر جبر و مصلحت کے آگے جھک جاتا۔ میں نے ریحان ملت سے عرض کیا کہ حضرت آپ گرفتاری کا اندیشہ ظاہر کر رہے ہیں اور میرا خیال یہ ہے کہ افسران کو حضور مفتی اعظم کے غیر معمولی اور ہمہ گیر اثرات کا بخوبی اندازہ ہے اس لئے انہیں گرفتار کرنے کا اقدام کر کے وہ ایک نئی غلطی کا ارتکاب نہیں کریں گے۔ لیکن ریحان ملت نے کہا کہ افسران کی نیت اچھی نہیں ہے وہ کچھ بھی کر سکتے ہیں مجھے بریلی جانا چاہئے۔ الغرض مولانا ریحان رضا خاں صاحب جو خود بھی اتر پردیش و دھان پریشد میں حکمراں پارٹی کے ممبر تھے بریلی شریف تشریف لے گئے۔ چند روز بعد کی آمدہ خبروں سے پتہ چلا کہ افسران حکومت

نے ہر پہلو سے دباؤ ڈالا لیکن مفتی اعظم ہند کی ایک نہیں تو ہزار نہیں نتیجہ کارساری توقعات پر جو افسران نے سابقہ تجربے کی بنیاد پر قائم کی تھیں پانی پھر گیا ابھی چند روز اور گزرے ہوں گے ایک تحریر حضور مفتی اعظم کے قلم حقیقت رقم سے منظر عام پر آئی جس سے اس عمل کے غیر فطری اور غیر شرعی ہونے کی مدلل وضاحت کی گئی تھی اور یہ ہدایت بطور خاص تھی کہ اس فتویٰ کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں چھپوا کر عامۃ الناس کو حکم شرعی پر مطلع کیا جائے۔

اگر ایمر جنسی کے اس اختلاف زدہ ماحول کا تصور کیا جائے تو یہ تحریر ایک ایسے مرد خدا کا قلمی شاہکار نظر آئے گی جو اپنی زندگی کو صرف خدا کی امانت سمجھتا ہو یقیناً متذکرہ تحریر ہم تک پہنچنے سے پہلے سرکاری میز کی زینت بن چکی ہوگی اور حالات کی سنگینی پر سر جوڑ کر غورو خوض بھی ہوا ہوگا لیکن چارہ کار بھی کیا تھا ارباب حل و عقد کو اچھی طرح سے معلوم تھا کہ مفتی اعظم کو گرفتار کر لینے کے بعد اگر ہندوستان کے سارے سرکاری دفاتر کو جیل خانے میں تبدیل کر دیا جاتا تو بھی حضور مفتی اعظم کے عقیدت کیشوں کو ٹھونسنے کے لئے جائے تنگ است کارونا باقی رہ جاتا۔

ایسے نمونہ سلف، عالم باعمل، صاف ظاہر، پاک باطن مرد حق آگاہ کے لئے ہمارا بہترین خراج عقیدت یہ ہے کہ ہم خدا اور اس کے رسول کو گواہ بنا کر یہ عہد کریں کہ جس طرح حضرت مرحوم نے باطل قوتوں کے خلاف صف آرا ہو کر انبیاء صادقین کی سنت کریمہ کا پرچم بلند کیا۔ اسلام کے خلاف جب بھی طاغوتی طاقتیں سرا بھاریں گی ہم مفتی اعظم کی زندگی اور تعلیمات کو زورہ بنا کر سرخروئی کے ساتھ زندہ رہنے کا حق حاصل کریں گے۔ اگر قوم مسلم اپنے اسلاف کی زندگی کو نمونہ حیات بنا کر زندہ رہنا چاہتی ہے تو آج بھی فتح و نصرت اور تائید غیبی کی دستک کو دروازوں پر سنا جاسکتا ہے۔ البتہ جبر و مصلحت کے آگے سرٹیک دینے والے لہور کل تک انگریزوں کی غلامی کا دم بھرنے والے اپنی رسوائی کا تماشا کھلی آنکھوں دیکھتے رہیں گے۔

یا مفتی اعظم! آپ تو دنیا سے فانی کو چھوڑ کر عالم جاودانی میں جا بسے اور ہاتھ غیبی کے مژدہ **يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۖ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۖ**۔
 کالبیک وسعدیک سے استقبال کیا لیکن امت مسلمہ کی کشتی حیات منجدرہا میں ہے اب بھی آپ کے تصرفات روحانی کا پتوار ہی اسے ساحل مقصود سے ہمکنار کر سکتا ہے۔ اب بھی ہمیں مصائب و آلام کی چنچناتی دھوپ میں آپ ہی کے ظل کرم کا سہارا ہے۔ آج بھی ہم بیکسوں کی لاج آپ ہی کے ہاتھ ہے۔

اے رہ نور و عالم بالا چگونہ

ما بے تو در ہمیم تو بے ما چگونہ

بندہ عاصی: محمد فضل الرحمن مصباحی

لکچر طبییہ کالج (دہلی یونیورسٹی) دہلی۔ ۵



مفتی اعظم عوام و خواص کا مرکز عقیدت

(مولانا محمد احمد نصیحتی رکن الجمع الاسلامی استاذ جامعہ شرفیہ مبارکپور)

مفتی اعظم مولانا شاہ مصطفیٰ رضا قادری بریلوی قدس سرہ کو ایک علامہ اجل اور ایک ولی باکمال کی حیثیت سے آج دنیا جانتی اور پہچانتی ہے۔ میں نے جب سے شعور کی آنکھیں کھولیں ان کی عظمت و بزرگی کے تذکرے سنتا رہا۔ مگر میں نے ان کی سب سے حیرت انگیز اور امتیازی خصوصیت جو دیکھی وہ یہ ہے کہ ان کے معاصر علماء و اکا بر بھی برملا ان کی جلالت شان اور عظمت و برتری کا اعتراف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ شرف اسی کو حاصل ہوتا ہے جو خدا کی بارگاہ میں قبول خاص سے سرفراز ہو چکا ہو اور جس کا سینہ عداوت و حسد، بغض و عناد، دوسروں کی تحقیر اور اپنی تعالیٰ سے پاک ہونے کے ساتھ علم و اخلاص کا مخزن ہو۔ جس کی زبان غیبت و بدگوئی سے دور اور شریعت و طریقت کی پابندی سے آراستہ و مزین ہو جس کا قلم نفسانی آویزشوں کے بجائے معارف و حقائق کی سچی عقدہ کشائی سے سرشار ہو جس کا تفقہ و تدبر پائے کا ہو کہ اس کے کردار و گفتار اور زبان و قلم سے بجائے اس کے کہ امت میں کسی بے جا اختلاف و افراق یا نفاق و شقاق کی راہ کھلے۔ اتفاق و اتحاد کے سوتے پھوٹیں بکھرے ہوئے شیرازے مجتمع ہو جائیں اور لوگوں کے دل وحدت ملی کے درد و غم سے بیقرار و مضطرب نظر آئیں۔

میں بلا خوف تردید یہ کہہ سکتا ہوں کہ مفتی اعظم اپنی حیات مبارکہ میں ایسے ہی تابناک نقوش کے حامل رہے جن کے نتیجے میں وہ نہ صرف یہ کہ تاجدار اہل سنت کہلائے بلکہ ان کی حیات تک امت میں بڑی حد تک اتفاق و اتحاد کا قابل صدر شک جلوہ کار فرما رہا میں اس اجمال کی تفصیل میں چند شواہد بھی پیش کروں گا۔ سب سے پہلے ان کے بارے میں چند

شہادتیں ملاحظہ کیجئے۔

(۱) محدث اعظم مولانا سید کچھوچھوی علیہ الرحمہ بلاشبہ مفتی اعظم کے معاصر مولانا وصی احمد محدث سورتی اور امام احمد رضا قادری علیہما الرحمہ کے شاگرد جلیل تھے۔ مگر مفتی اعظم سے متعلق ان کے خیالات عظمت و برتری کا ایک منظر آج بھی ایک فتوے کے ذیل میں محفوظ ہے۔ جس پر محدث اعظم نے ان الفاظ میں تصدیق کی ہے۔

هذا قول العالم المطاع وما علينا إلا الإتيان.

ان جاندار الفاظ میں جو اعتراف عظمت کا فرما ہے وہ اہل علم پر عیاں ہے۔

(۲) حافظ ملت مولانا شاہ عبدالعزیز مراد آبادی علیہ الرحمہ سابق سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور نے جامعہ اشرفیہ کی نئی درسگاہ بلڈنگ کے جشن افتتاح کے موقع پر ۱۶/۷/۱۹۷۲ء کے لئے مفتی اعظم قدس سرہ کو دعوت دی تھی۔ حضرت تشریف لائے۔ افتتاح کا کام حضرت ہی کے ہاتھوں انجام پانے والا تھا۔ جس کے لئے پہلے دن بعد مغرب نئی عمارت میں ایک تقریب منعقد ہوئی۔ یہ ابتدائی سال تھا۔ اور شوال المکرم کی ۲۰/۱۹ تاریخوں کی درمیانی شب تھی۔ اس وقت شیخ الحدیث حضرت مولانا قاضی شمس الدین احمد جعفری رضوی علیہ الرحمہ تھے۔ درجہ فضیلت کے طلبہ کو درس بخاری شریف شروع کرا کے افتتاح کی رسم ادا ہونے تھی۔ اس موقع پر افتتاح سے قبل حافظ ملت نے ایک مختصر تقریر کی تھی جس کا حاصل کچھ اس طرح ہے۔

”حضرت مفتی اعظم مدظلہ سے اس عمارت کا افتتاح اور ان سے بخاری شریف کا ایک سبق پڑھ لینا بہت بڑی سعادت ہے۔ وہ بلاشبہ ولی ہیں۔ آج جو ان سے سبق پڑھا ہے کل اسے اس پر فخر ہوگا کہ میں نے مفتی اعظم سے ایک سبق پڑھا ہے جو ان سے بیعت ہوگا اسے اس فخر ہوگا کہ میں مفتی اعظم سے بیعت ہوا ہوں۔ جو ان سے مصافحہ کرے گا اسے اس پر فخر ہوگا کہ میں نے ان سے مصافحہ کیا ہے۔ جو ان کی زیارت کرے گا وہ اس پر فخر

کرے گا کہ میں نے انہیں دیکھا ہے۔ وہ علم و فن کا سمندر ہیں۔ خود ایک بار فرمانے لگے کہ جب کوئی مسئلہ لکھنے کے لئے قلم ہاتھ میں لیتا ہوں تو نوک قلم پر علمی مضامین کی اس قدر بارش ہونے لگتی ہے کہ سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ان کی ذات ہمارے لئے بہت بڑی غنیمت ہے۔ ان سے سبق پڑھنا آپ کی بہت بڑی سعادت ہے۔ مولائی تعالیٰ ان کا سایہ ہمارے سروں پر دراز فرمائے۔

حضرت قاضی شمس الدین احمد علیہ الرحمہ نے فرمایا:

”جہاں تک مجھے علم ہے حضرت نے کسی کو بخاری شریف شروع نہ کرائی۔ یہ سعادت ان طلبہ کا مخصوص حصہ ہے۔“ اس کے ساتھ وہ حافظ ملت کے بیان کی تصدیق بھی کرتے جاتے تھے۔

(۳) میں رمضان ۱۳۹۰ھ میں رانچی پہنچا۔ اس وقت مدرسہ غریب نواز رانچی کے بانی مولانا شاہ عبدالحق چشتی امجدی اعظمی وہیں تشریف فرما تھے۔ دو دن ان کے مدرسہ میں میرا قیام رہا۔ اس دوران ان سے بہت سے موضوعات پر گفتگو رہی۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا۔ تم کسی سے مرید ہو یا نہیں؟ میں نے کہا نہیں۔ فرمایا۔ مرید ہونا ہے تو مفتی اعظم سے مرید ہونا۔ سیادت اپنی جگہ ہے مگر تقویٰ میں ان کا کوئی ہم پلہ نہیں۔

شاہ صاحب علیہ الرحمہ خود بہت بڑے پیر اور سید تھے۔ مگر مفتی اعظم سے ان کی عقیدت اور ان کی طرف سے اپنے ایک ہم وطن کی مخلصانہ رہنمائی اس سطوت و شوکت کا پتہ دیتی ہے جو ان بزرگ پیروں کے دلوں پر بھی حکمرانی کر رہی تھی۔ وہ محفل سماع کے عادی تھے۔ مگر جب کبھی مفتی اعظم اجمیر شریف پہنچ جاتے تو شاہ صاحب بہت محتاط ہو جاتے اور کہتے کہ انہوں نے اگر دیکھ لیا تو پھر خیر نہیں۔

(۴) حضرت مولانا آسی بلیاوی جو ایک سلسلے کے معروف پیر اور درس نظامی کے جید فاضل ہیں۔ ان سے جمشید پور وغیرہ سے اکثر میری ملاقات اور گفتگو رہتی۔ ایک بار فرمانے لگے

کہ اس وقت تین اکابر ہیں۔ مفتی اعظم، حافظ ملت مجاہد ملت (مولانا شاہ حبیب الرحمان قادری اڑیسوی علیہ الرحمہ) ان کے دم سے تقویٰ کا بھرم باقی ہے۔ خدا ان کا سایہ دراز کرے۔ ان کے بعد پھر کوئی ایسا نظر نہیں آتا۔

مجھے موصوف کی یہ بات بار بار یاد آتی ہے اور اس وقت سے آج تک برابر میرے میں گونجتی رہتی ہے۔ (ان کے دم سے تقویٰ کا بھرم باقی ہے) انہوں نے بڑی تنقیدی نگاہ سے جائزہ لیتے ہوئے یہ کہا تھا اور خود میں بھی جب نگاہ غور کرتا ہوں تو ان کا قول بحرف صحیح نظر آتا ہے۔ یہ تو اکثر حضرات کو علم ہے کہ مفتی اعظم قدس سرہ کی حیات تک کسی مسئلہ میں کوئی خلجان ہوتا یا کوئی اختلاف نظر آتا تو مفتی اعظم کا فیصلہ حرف آخر سمجھا جاتا اور تمام علماء ان کی فقہی و کلامی باریک بینی کے قائل نظر آتے۔ صرف لاؤڈ اسپیکر پر نماز پڑھانے کے مسئلے میں بعض علماء نے ان سے اختلاف کیا اور اپنے اختلاف پر قائم رہ گئے۔ مگر مفتی اعظم نے جو دلائل پیش کئے ان کا جواب آج تک نہ ہو سکا۔ اور جمہور علماء نے حضرت ہی کی تائید کی۔

اس اختلاف کا خاص پہلو یہ ہے کہ اس خصوص میں مفتی اعظم نے اپنی تحریروں میں صرف مسئلے کا اثبات کیا۔ اور کسی کی ذات یا علم کو طنز و تعریض کا نشانہ ہرگز نہ بنایا۔ نہ ہی اس اختلاف کو علمی اختلاف کی سرحدوں سے کسی طرح متجاوز ہونے دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اختلاف کرنے والے بھی حضرت کے ادب و احترام سے دور اور ان کی عظمت و عبقریت کے اعتراف سے منحرف نہ ہو سکے۔ اور قلم کی متانت و شرافت بھی آلودہ نہ ہو سکی اس صورت حال سے مفتی اعظم کا اخلاص عمل، ان کی سنجیدگی، ان کی بالغ نظری اور حکمت و تدبیر بھی پر عیاں ہے۔ یقیناً اس میں ہمارے لئے بہت عظیم درس عبرت ہے۔

ان کی حیات کا بہت روشن پہلو یہ بھی ہے کہ وہ کسی سے خلاف شرع قول و فعل کو دیکھ کر خاموش نہیں رہ سکتے تھے بلکہ اس پر نکیر ضروری تھی۔ اس کردار کے خصوص میں ان کا التزام، ان کی جسارت، ان کا قلبی اضطراب اور ان کا حسن اخلاص دیکھ کر دل بے اختیار گواہی دیتا

کہ بلاشبہ یہ سچے نائب رسول اور واقعۃً وارث علوم انبیاء ہیں۔ رسول کے سامنے اگر کسی نے کوئی کام کیا یا کوئی بات کہی اور رسول نے اس پر سکوت اختیار کیا، انکار نہ فرمایا تو یہ اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ یہ فعل یا قول درست اور صحیح ہے۔ اگرچہ غیر رسول کی یہ شان نہیں۔ مگر سچے نائب رسول کی یہ ذمہ داری ضرور ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کو منکر (برائی) سے روکے، اور معروف (نیکی) کا حکم دے۔ لیکن انکار منکر سے عالم کو اگر فتنے کا اندیشہ یا جان و عزت کا خطرہ ہو یا اس منکر کی برائی سے مرتکب اور دوسرے سبھی آگاہ ہوں۔ ساتھ ہی منع کرنے سے باز آنے کی توقع نہ ہو تو بعض حالات میں عالم کے لئے سکوت کی رخصت مل جاتی ہے۔

مگر مفتی اعظم بجائے رخصت کے عزیمت پر عامل تھے۔ اور ان کی جلالت و سطوت یہ تھی کہ کوئی کیسا ہی صاحب ثروت یا صاحب اقتدار کیوں نہ ہو مگر حضرت کی زبان شریعت ترجمان کے آگے مجال دم زدن نہ تھی۔

انہوں نے بڑے بڑے قد آور اور نامور خطباء کو بھی برسر عام ٹوک دیا اور بعض صورتوں میں توبہ بھی کرائی ہے۔ مگر عموماً ان کی یہ اصطلاح بڑی آسانی اور خندہ پیشانی سے قبول کر لی جاتی اور تقریر کرنے والے اپنی ممنونیت کا اعتراف و اعلان کرتے۔ آج کسی کے لئے یہ کام بڑا مشکل ہے۔

ایک طرف تقریر کی سطحیت اور بازاری پن کا یہ حال ہے کہ تاریخی واقعات و حکایات میں بے سرو پا ملاوٹ، اور تہ بہ تہ غلطیاں تو الگ رہیں احادیث کے متن میں اس قدر آمیزش کی جاتی ہے کہ قول رسول کی اصل صورت ہی مسخ ہو کر رہ جاتی ہے۔ فقہ و عقائد اور علم و فن کے لحاظ سے غلط، ناروا اور تکلیف دہ جملوں اور عبارتوں کا استعمال عام ہوتا جا رہا ہے اور جہالت کی فراوانی کا یہ عالم ہے کہ نئی نسل ان غلط سلسلہ تقریروں کو رٹ کر عوام سے داد و تحسین اور زر و مال کے انبار لوٹ رہی ہے۔ اور کسی کو ہمت نہیں کہ ان چرب زبانوں پر

کوئی قدغن لگا دے۔ اگر کسی نے جرأت کی تو انجام اور زیادہ خطرناک ہے۔
 مقرر صاحب بجائے اس کے ممنوں ہوں اور توبہ و اعتراف کر کے دنیا میں اپنی غلطیوں
 سے باز آئیں اور آخرت میں اپنی نجات کا سامان کریں۔ اٹنے اپنے بزرگ محسن ہی کے
 خلاف ایک طوفان کھڑا کر دیں گے اور اعتراف قصور میں اپنی ذلت محسوس کرتے ہوئے
 اس بزرگ کی تذلیل و تحقیر کے درپے ہو جائیں گے۔ اور اسی میں اپنے وقار، اپنے شرف
 اور اپنی مقبولیت کا سارا راز مضمحل سمجھیں گے۔

یہ وہ المیہ ہے جس سے ہم مفتی اعظم کی حیات کے بعد دوچار ہیں۔ صد افسوس کہ آج کی
 دنیا علم و عمل انصاف اور اعتراف حقائق سے کس قدر دور ہوتی جا رہی ہے اور کوئی ایک
 شخصیت تو کیا علماء کی کوئی ایک مجلس یا یونین بھی ایسی نہیں جو ہمارے اس خلاء کو اس طرح پر
 کر دے کہ نہ کوئی اختلاف ہونہ کوئی فتنہ برپا ہو۔ کوئی ایسی تدبیر بروئے کار لائی جائے جس
 سے عوام اس قابل ہو جائیں کہ غلط بولنے والے مقررین کو گوارا نہ کر سکیں۔ یا مقررین اتنے
 ذمہ دار بن جائیں کہ بغیر تیاری اور کافی علم و آگہی کے لب کشائی کی جرأت نہ کر سکیں۔ یا کم
 از کم اپنے دل میں ایمان و انصاف اور اخلاص و امانت کا اتنا جوہر ضرور رکھتے ہوں کہ
 اعتراف خطا کو اپنی ذلت کے بجائے اپنی عزت، اپنی عافیت اور اپنی نجات تصور کریں۔ بہر
 حال آج درد مند ان ملت اور دانشوران قوم کا یہ فریضہ ہے کہ اس طرح کے امراض کا علاج
 تلاش کریں۔ بیماریوں سے مصالحت کو بیماریوں کا علاج ہرگز قرار نہیں دیا جاسکتا۔

مفتی اعظم کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان کے حلقہٴ ادارت میں علماء اس
 کثرت سے داخل ہوئے کہ بہت سے پیروں کے مریدین کی مجموعی تعداد بھی ان کے
 برابر نہ ہوگی۔ ان علماء کو بھی دیکھئے تو ان میں ایک قابل ذکر تعداد ایسے علماء کی مل جائے گی
 جو اپنے علم و فضل اور تدین و تقویٰ کے لحاظ سے نہ معلوم کتنے پیروں پر بھاری ہوں گے۔
 ایسے علماء جس کے ہاتھ پر بیعت ہوں گے وہ اپنے علم و فضل اور اخلاص و تقویٰ میں یکتائے

روزگار ہوگا۔

مفتی اعظم کے مریدین میں عوام کی بھی بڑی تعداد ہے۔ ان میں اہل ثروت بھی بکثرت ہوں گے۔ مگر حضرت کی زندگی کا لمحہ لمحہ شاہد ہے کہ انہوں نے اپنے مریدین کو کبھی بھی اپنی منفعت بخش ”جائیداد“ تصور نہ کیا۔ نہ کبھی اس کی کوشش ہوئی کہ کوئی دولت مند حلقہ ادارت میں داخل ہو جائے۔ ان کا فیضان عام تھا۔ غریب و امیر یکساں ان کی بارگاہ میں حاضر ہوتے اور سب کے ساتھ یکساں سلوک ہوتا۔ خصوصاً اپنے والد گرامی بلکہ اپنے رسول عظمت مآب علیہ التحیات والصلوات کی سنت کریمہ پر عمل کرتے ہوئے غریب کی دلداری کا ہمیشہ پاس و لحاظ رکھتے اور کسی امیر کی رعایت میں کسی غریب کی دل شکنی ہرگز گوارا نہ تھی۔

ظاہر ہے کہ جس کا دل حب دنیا سے پاک ہو۔ جو مریدوں کی دولت کے بجائے اپنے مولیٰ کی رحمت پر بھروسہ رکھتا ہو۔ جو کسی ناروا قول و فعل کو دیکھ کر خاموش نہ رہ سکتا ہو جو عوام تو عوام علماء کو بھی علمی و عملی خطاؤں پر نظر انداز کر دینا مصلحت اندیشی کی تاریخ کا جرم عظیم تصور کرتا ہو۔ جس کے اخلاص و عزیمت کے آگے علماء و اکابر کی گردنیں خم ہوں جس کے فقہ و فتویٰ اور ورع و تقویٰ کی ستائش میں اجلہ زمانہ رطب اللسان ہوں جس کی جلوں کے ساتھ اس کی خلوتیں بھی سنت رسول کی آئینہ دار اور یاد خدا و رسول سے آباد و سرشار ہوں وہی علمائے زمانہ کا امام ملت اسلامیہ کا بے باک رہنما اور گروہ اولیاء کا سرخیل کہا جاسکتا ہے۔ عوام و خواص کی مرجعیت کا تاج اسی کے سر زیب دیتا ہے۔ امت کی نباضی و رہنمائی کا فریضہ اسی کی زبان و قلم کا بے داغ گوہر آبدار ہے۔ بلاشبہ وہ تمام اہل حق اور تمام ارباب علم و فن کا بے بدل تاجدار ہے۔ رحمة اللہ تعالیٰ ورحمنا بہ رحمة واسعة۔



مفتی اعظم اہل سنت پر

(ڈاکٹر غلام محیٰ انجم لکچرار شعبہ تقابلی ادیان ہمدرد یونیورسٹی نئی دہلی)

مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مولانا مصطفیٰ رضا خاں کی وہ ذات گرامی ہے جنہوں نے زندگی کے ان تمام شعبوں میں اپنی یگانگت برقرار رکھی جن میں عام طور سے ہر شخص کی دست رسی نہیں ہو پاتی ہے۔ مسجد کے گوشہ میں بیٹھ کر عبادت و ریاضت سے لے کر میدان کے ہنگاموں تک انہوں نے جو نمایاں خدمات انجام دی ہیں رہتی دنیا تک ان خدمات کو تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ ملک و ملت سے متعلق ایسے ایسے مسائل پیش آئے جسے سوچنے کے بعد آج بھی کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے۔ مگر جس جرأت اور مجاہدانہ عزیمت کے ساتھ مفتی اعظم نے اس کا مقابلہ کیا وہ تاریخ ہند کے اوراق پر زرین حروف سے لکھنے کے قابل ہیں اس درویشانہ زندگی بسر کرنے والے شخص کا اس طرح میدان میں آ کر اسلام دشمن عناصر کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا اور پھر اعلائے کلمہ حق کر کے فتح و کامرانی سے ہمکنار ہونا بقول سعدی اس کے علاوہ کیا کہا جاسکتا ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست

تانا بخشد خدائے بخشندہ

تقسیم ہند سے قبل شدھی تحریک نے جس طرح شر و فساد پھیلانے اور مسلمانوں پر جس جس انداز میں مظالم ڈھائے گئے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ زبردستی مسلمانوں کو شدھ کیا جاتا اور روپیوں کی لالچ دے کر ان کے دلوں میں اسلام کے خلاف نفرت پیدا کی جاتی۔ طمع پرست انسان ان کے دام فریب میں آ کر اپنے مذہب کا سودا کر ڈالتے۔ یہ سلسلہ اس قدر بڑھا کہ شہر شہر دیہات دیہات اس کی وبا عام ہو گئی۔ اور نوبت بایں جا رسید کہ ہندو

ببانگ دہل اعلان کرنے لگے کہ ”چار کروڑ مسلمانوں کو شاشتر اور شستر (تلوار) کے ذریعہ شدہ کیا جائے گا“۔ (۱) ساتھ ہی وہ ایسے نعرے بھی لگاتے جسے سن کر مسلمانوں کا خون کھول جاتا۔ انہوں نے اپنی تقریروں میں بارہا مسلمانوں کو کھٹل، آب زمزم کو کچھڑ، گندگی، وضو کو ڈھکوسلا، رکوع کو اچک پٹی اور سجدہ کو مرعابتا کر مسلمانوں کی دل آزاری کی ہے۔ (۲) الغرض ایک منظم سازش کے تحت مسلمانوں کو ہندو بنایا جا رہا تھا۔ قتل و خوں ریزی کا بازار گرم تھا۔ یہ قتل عام اس لئے تھا کہ نہ رہے بانس اور نہ بچے بانسری۔ اس مقصد میں ہندو اپنی گندی سیاست کے پیش نظر کامیاب بھی رہے۔ مگر وہ ذات مفتی اعظم کی تھی کہ بلند عزائم و حوصلے کے ساتھ جان کی بازی لگا کر میدان میں نکل کر میلوں بھوکوں پیاسوں پیدل چل کر تبلیغ دین کی۔ مشرکین کے دام تزویر سے مسلمانوں کو گمراہی سے بچایا اور جو مسلمان دھوکہ میں آ کر مرتد ہو گئے تھے انہیں ارتداد سے نکال کر توبہ کرائی اور دامن اسلام سے دوبارہ وابستہ کر دیا۔ (۳) مفتی اعظم ہند، شیر پیشہ سنت مولانا حشمت علی اور دوسرے علماء نے شدھی تحریک کے خلاف جس مجاہدانہ طرز عمل کا ثبوت دیا اس کے شواہد جماعت رضائے مصطفیٰ کی فائلوں میں اب بھی محفوظ ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کارناموں کو منظر عام پر لایا جائے تاکہ اس دور کے علماء، مبلغین، واعظین اور کلمہ و نماز کی تبلیغ کرنے والے اچھی طرح سمجھ لیں کہ تبلیغ کس طرح اور کس ماحول میں کی جاتی ہے۔

ہندوستان کی تاریخ میں ضبط ولادت کا مسئلہ بھی کچھ کم اہمیت کا حامل نہیں اس مسئلہ پر علماء دو گروہوں میں بٹ چکے تھے۔ ایک گروہ مسئلہ اجتہادی کہہ کر اس کے جواز کے حق میں تھا۔ جس کی نمائندگی دارالعلوم دیوبند کے مہتمم قاری محمد طیب فرما رہے تھے اور دوسرا گروہ جس کی قیادت کی باگ ڈور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں تھی۔ نسبندی کے اس رستاخیز ماحول میں انجام کی پروا کئے بغیر احقاق حق اور ابطال باطل کر ہی دیا۔ اور فرما دیا کہ نسبندی حرام ہے، حرام ہے، حرام ہے۔ (۴) لیکن سب سے بڑھ کر مفتی اعظم

ہندو مت اللہ علیہ کا وہ کارنامہ ہے جو انہوں نے تقسیم ہند کے موقع پر انجام دیا۔ اس وقت ہندو پاک میں جس طرح کشت و خون اور قتل و غارت گری کا ماحول تھا۔ لوگ جانوں کے وقتی تحفظ کے لئے وطن اور املاک و جائداد کا سودا کر کے اور سودا بھی نہیں بلکہ یوں ہی لاوارث چھوڑ کر پاکستان چلے گئے ہندوستانی مسلمانوں کی ایک بھاری جمعیت پاکستان میں مقیم ہوگئی۔ جنہیں آج مہاجرین کے نام سے جانا جاتا ہے پاکستان کیوں اور کس طرح وجود میں آیا۔ لوگ اپنے وطن عزیز کو چھوڑ کر وہاں کیوں جانے پر مجبور ہوئے اس کی ایک طویل داستان ہے جس کے لئے راقم کی کتاب ”مولانا حشمت علی اور تحریک پاکستان“ کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ مختصر طور پر اتنا کہا جاسکتا ہے کہ اس انتشار میں سیاسی پارٹیوں کے علاوہ عام بھولے بھالے سیدھے سادے انسان سیاسی بازی گری کے سبب حصوں میں بٹ گئے۔ علماء کی جمعیت کئی گروپوں میں تقسیم ہوگئی دیوبندی مکتبہ فکر کے اکثر علماء کانگریس کے حمایتی تھے جبکہ علماء اہلسنت وجماعت مسلم لیگ کا ساتھ دے کر قیام پاکستان کی جدوجہد کرنے لگے۔ کچھ علماء ایسے تھے جو نہ تو مکمل طور سے مسلم لیگ کے حامی تھے اور نہ ہی مخالف بلکہ ”خدا صفا ودع ما کدر“ کے مصداق لیگ کے اچھے کارآمد اصولوں کی قدر اور باطل اصولوں کی تردید کرتے تھے اور سیاسی اعتبار سے ان کا نقطہ نظر دوسری جماعتوں سے بالکل منفرد تھا۔ ایسے لوگوں میں شیر پیشہ سنت حضرت مولانا حشمت علی لکھنوی، تاج العلماء مولانا محمد میاں مارہروی، ملک العلماء مولانا ظفر الدین قادری، حافظ ملت مولانا عبدالعزیز مراد آبادی اور صاحب تذکرہ مفتی اعظم ہند کے علاوہ ان کے بڑے بھائی حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خان علیہم الرحمۃ والرضوان کا نام نامی اسم گرامی لیا جاسکتا ہے۔

سب سے زیادہ قابل غور پہلو یہ ہے کہ علماء اہلسنت کے باوقار اور سنجیدہ طبقہ میں اس طرح کی سیاسی کشمکش کیوں اور کس طرح پیدا ہوئی اس کی مختصر روداد اس طرح دی جاسکتی

۱۹۳۶ء میں جب ان صوبوں میں جہاں ہندو اکثریت تھی کانگریس کی منسٹری قائم ہوئی تو متعدد جگہوں پر سنگین قسم کے ہندو مسلم فسادات ہوئے جس کے نتیجے میں مسلمانوں کا اکثر طبقہ کانگریس سے بیزار ہو کر مسلم لیگ میں شامل ہو گیا صرف وہ لوگ جو دیوبندیوں کی جمعیتہ العلماء ہند کے زیر اثر تھے وہ کانگریس کے ساتھ رہ گئے۔ ان دنوں مسلم لیگ کے صدر مسٹر محمد علی جناح تھے۔ کانگریس اور لیگ کے درمیان مفاہمت کی بھی کوششیں ہوئیں مگر کامیابی نہ مل سکی ان دنوں سیاسی پارٹیوں میں بنیادی اختلاف یہ تھا کہ کانگریس مخلوط انتخاب چاہتی تھی جس کے لئے اس نے اپنا دستور بھی مرتب کر لیا تھا مگر مسلم لیگ اس کی مخالفت کرتی تھی اس کا کہنا تھا کہ اقلیتوں کو ان کی تعداد کے لحاظ سے جداگانہ انتخابات کا حق دیا جائے جیسا کہ انگریزوں کے دور میں تھا۔ جب کانگریس نے کسی بھی قیمت پر اس مشورہ کو تسلیم نہیں کیا تو مسلم لیگ نے ایک منظم پلان کے تحت پاکستان کا نظریہ پیش کر دیا اور وہ اس طرح کہ جس صوبے میں مسلم اکثریت ہے وہ صوبہ مسلم لیگ کو دیئے جائیں اور جو صوبے ہندو اکثریت کے ہیں وہ کانگریس کو دیئے جائیں اس پر کسی طرح سمجھوتہ نہ ہو سکا اور اس مسئلہ کو لے کر شدید اختلافات رونما ہوئے۔ عام مسلمان خواہ کہیں اور کسی صوبے کا ہو وہ پاکستان کے حامی بن گئے صرف دیوبندی مکتبہ فکر کی جمعیتہ العلماء جس کے صدر ان دنوں حسین احمد ٹانڈوی تھے کانگریس کے ساتھ رہ گئی نیز صوبہ سرحد کے عبدالغفار خان سرحدی گاندھی اور عطاء اللہ بخاری احرار پارٹی کے صدر وغیرہ کانگریس کے معاونین میں تھے۔

یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ گورنمنٹ کی درج ذیل فہرست میں مسلمانوں کی غالب اکثریت اہلسنت و جماعت کی تھی اگر سارے علماء و مشائخ متحد ہو کر مسلم لیگ کی مخالفت کرتے تو لیگ اسی وقت اپنا دم توڑ دیتی اور اس کا خاطر خواہ فائدہ کانگریس کو پہنچتا۔ اور نتیجہ

پاکستان اور بنگلہ دیش میں عدم تقسیم کی صورت میں کانگریس کی حکومت ہوتی اور جس طرح ہندوستان کے ان صوبوں میں جہاں کانگریس کی حکومت تھی مسلمانوں کو ذلیل و رسوا کر کے مظالم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے ان صوبوں میں بھی یہی حال ہوتا اس خطرناک صورتحال سے بچنے اور مسلم قوم کو بچانے کے لئے علماء و مشائخ نے مسلم لیگ کا ساتھ دیا مگر چونکہ مسلم لیگ کے سربراہ مسٹر محمد علی جناح تھے اور انہوں نے یہ صاف صاف اعلان کر دیا تھا کہ پاکستان میں غیر مذہبی جمہوری حکومت قائم کی جائے گی اس لئے اہلسنت و جماعت کے کچھ مقتدر علماء نے خاموشی اختیار کر لی اور مسلم لیگ کی کسی بھی طرح حمایت و اعانت سے اپنے کو محفوظ کر لیا۔

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی، صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی، سیاح ایشیا، مولانا عبدالعلیم میرٹھی جیسے دانشور علماء نے مسلم لیگ کی حمایت میں کسی قسم کی کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ آل انڈیا سنی کانفرنس جس کا قیام مارچ ۱۹۲۵ء میں مراد آباد کی سرزمین پر دو روزہ کانفرنس میں ہوا تھا اس کا اصل نام ”الجمعیۃ العالمیۃ المرکزیۃ“ تھا۔ لیکن شہرت آل انڈیا سنی کانفرنس کے نام سے ملی۔ اس تنظیم کے ناظم اعلیٰ چونکہ صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی (متوفی ۱۳۶۱ھ) اور صدر پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری (متوفی ۱۹۵۱ء) تھے اس لئے مسلم لیگ کی حمایت کرنے میں بھی آل انڈیا سنی کانفرنس کے پلیٹ فارم سے یہی لوگ پیش پیش تھے۔ اس سلسلے میں ان حضرات نے تمام اہلسنت کی تحریک پاکستان کے سلسلہ میں حمایت اور پر زور اعانت کے لئے مختلف مقامات پر کانفرنس منعقد کیں لیکن بنارس کی سرزمین پر اپریل ۱۹۳۶ء میں منعقد ہونے والی کانفرنس ہندوستان کی تاریخ میں اپنی مثال آپ تھی اس کانفرنس کی صدارت محدث اعظم ہند مولانا سید محمد کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ نے کی جب کہ نظامت کے فرائض شاہ عبدالعلیم میرٹھی اور شاہ عارف اللہ قادری نے انجام دیئے اس کانفرنس میں علماء و صوفیاء نے جس جوش اور جذبے

کے ساتھ شرکت کی وہ تاریخ کا ایک حصہ بن گیا۔ یوں تو اس کانفرنس میں کئی قراردادیں منظور ہوئیں لیکن وہ قرارداد جو تحریک پاکستان کی حمایت میں تھی اس کا خلاصہ یہ ہے۔

”آل انڈیا سنی کانفرنس کا یہ اجلاس مطالبہ پاکستان کی پرزور حمایت کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ علماء و مشائخ اہلسنت اسلامی حکومت کے قیام کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے ہر امکانی قربانی کے واسطے تیار ہیں اور اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ایک ایسی حکومت قائم کریں جو قرآن کریم اور حدیث نبوی کی روشنی میں فقہی اصولوں کے مطابق ہو (۵) اس کانفرنس میں دوسرے جلیل القدر علماء کے علاوہ مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمہ والرضوان نے بھی شرکت کی جو کچھ اس کانفرنس میں طے ہوا اسے علماء و صوفیاء نے مل کر رد کھایا ان حضرات کا یہ نعرہ ”نیندیں حرام کر کے اور پیٹ پر پتھر باندھ کر گلی گلی کوچے کوچے جا کر تحریک پاکستان کو کامیاب بنایا جائے“ (۶) سچ ثابت ہوا اور علماء اہلسنت کی شبانہ روز جدوجہد سے قیام پاکستان سے متعلق خواب شرمندہ تعبیر ہو ہی گیا۔ یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ دیوبندی مکتبہ فکر کے علماء نے انگلی کاٹ کر شہیدوں میں نام لکھوانے کے مترادف اس کا پروپیگنڈہ اعلیٰ پیمانے پر کیا اور کر رہے ہیں کہ پاکستانی علماء دیوبندی کی کوششوں کا نتیجہ ہے جبکہ تاریخ بتاتی ہے کہ مولوی اشرف علی تھانوی اور مولوی شبیر احمد عثمانی کے علاوہ کسی کا بھی مسلم لیگ سے کوئی تعلق کبھی نہیں رہا۔ تحریک پاکستان کو کامیاب بنانا تو درکنار ان علماء نے جمعیتہ العلماء کے پلیٹ فارم سے اس تحریک کو ناکام بنانے کی جو جدوجہد کی ہے وہ تاریخ کا ایک حصہ بن چکی ہیں جس سے چشم پوشی کبھی نہیں کی جاسکتی۔ مولوی شبیر احمد عثمانی نے تو اس وقت مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان کیا جب تحریک پاکستان اپنے عروج پر پہنچ چکی تھی اور دانشوروں کو یہ احساس ہو چلا تھا کہ اب تو قیام پاکستان ناگزیر ہے اس لئے مسلم لیگ کی بدترین مخالفت جماعت جمعیتہ علماء ہند کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر رہنے کے باوجود مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان کر دیا اس کا ثبوت ان کے اس

خطبہ سے ملتا ہے جو انہوں نے مسلم لیگ کانفرنس میرٹھ منعقدہ ۳۰ دسمبر ۱۹۴۵ء کے موقع پر دیا تھا۔

راقم الحروف خود ایک مدت دراز تک اس شش و پنج میں رہا اور یہی وجہ ہے کہ خاص تاخیر سے میں نے مسلم لیگ کی حمایت میں قلم اٹھایا میں نے اپنی قدرت کی حد تک مسئلہ کی نوعیت پر قرآن و سنت اور فقہ حنفی کی روشنی میں غور کیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعائیں کیں اور استخارے کئے بالآخر ایک چیز میرے اطمینان اور شرح صدر کا سبب بنی اور وہ امام محمد بن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تصریح ہے جو ان کی کتاب السیر الکبیر میں موجود ہے۔ (۷) لہذا ایسی صورت حال میں یہ دعویٰ کہ قیام پاکستان علماء دیوبند کی کوششوں کا نتیجہ ہے بالکل بے بنیاد اور تاریخی حقائق کے خلاف ہے چونکہ عثمانی صاحب کا قیام پاکستان سے متعلق فکر مستعار تھا اس لئے فیصلہ کرنے میں تاخیر ہوئی۔

اب ایک سوال جو رہ رہ کے سر اٹھاتا ہے وہ یہ ہے کہ اس حقائق و معارف کی روشنی میں مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمہ نے کیا پالیسی اختیار کی اور مسلم قوم کی اس موقع سے کس انداز میں رہنمائی فرمائی یہ تو تاریخی حقائق سے ثابت ہی ہو گیا کہ بنارس کانفرنس میں مفتی اعظم ہند شریک تھے اس میں شک نہیں کہ مفتی اعظم ہند کا موقف تقریباً تقسیم ہند کے ابتدائی مراحل میں مسلم لیگ سے متعلق ہی تھا جو دوسرے اساطین ملت کا لیکن جب مسٹر محمد علی جناح کی حکمت عملی اور اس کے صحیح موقف کا علم ہو گیا تو پھر یہ مسلم لیگ سے کچھ بیزار سے ہو گئے اور انہوں نے اس موقع سے قرآن و احادیث کی روشنی میں جو فیصلہ کیا وہ بالکل برحق تھا وہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ جس جماعت میں ہر فرقہ کے لوگ شامل ہوں اور اس کی باگ ڈور گمراہ فرقہ کے ہاتھ میں ہو اس کی امداد و اعانت کس طرح جائز ہو سکتی ہے۔ باوجود قدرت گمراہ فرقوں کی ماتحتی قبول کرنا تو دور ہے ان کے ساتھ میل جول، خلط ملط بھی جائز نہیں۔ جلسوں، اخباروں میں مسٹر جناح کو سیاست کا نبی اور قانون

کا پروردگار کہا گیا مگر علماء خاموش رہے کسی میں ٹوکنے اور روکنے کی ہمت نہ ہو سکی اور دوسری طرف خود جناح کا اعلان کہ پاکستان میں غیر مذہبی جمہوری حکومت ہوگی۔ یہی دو اسباب تھے جس کی وجہ سے اہلسنت وجماعت کے کچھ علماء مسلم لیگ کی حمایت سے برطرف ہو گئے لیکن جیسا کہ گذشتہ اوراق میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ سنی علماء کے سامنے مسلم لیگ کی حمایت کے علاوہ کوئی دوسرا چارہ ہی نہیں تھا۔ اس لئے کچھ لوگ توجہ جان کے ساتھ مسلم لیگ کی حمایت میں سرگرم عمل رہے۔ مفتی اعظم ہند تحریک پاکستان کے مخالف قطعی نہیں تھے البتہ مسلم لیگ سے اس کے کچھ اصول و ضوابط کے سبب بیزار ہو گئے تھے چونکہ رد عمل میں اتنا تشدد نہیں تھا اس لئے وہ نہ تو دوسروں کو روکتے اور نہ ہی ان کے خلاف علم بغاوت بلند کرتے۔ بعض علماء نے تو برطرفی کا اعلان ہی نہیں کیا بلکہ آل انڈیا سنی کانفرنس سے مستعفی بھی ہو گئے۔ مسلم لیگ کی بے راہ روی سے حساس دلوں میں جو تاثر پیدا ہوا اس کی ایک مثال مفتی شریف الحق امجدی کے وہ خون کے آنسو ہیں جو اشک رواں نامی کتاب کے صفحات پر جا بجا بکھرے پڑے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔

”سن لو اور غور سے سن لو لیگ اور کانگریس ایک ہی مسٹی کے دو نام ہیں۔ ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں ایک ہی گیت کے دو بول ہیں۔ ایک ہی چھری کی دو دھاریں۔ کون انکار کر سکتا ہے کہ لیگ کے جنم دینے والے وہی لوگ نہیں جو کسی وقت کانگریس کے روح رواں تھے۔ لیگ کے پرورش کرنے والے اس کے پروان چڑھانے والے وہی لوگ نہیں جو کسی وقت کانگریس کے جسم و جان تھے۔ کس پر پوشیدہ ہے کہ مسٹر محمد علی جناح وہی محمد علی جناح نہیں جو کسی وقت کانگریس کا بہت بڑا علمبردار تھا۔ علی برادران وہی علی برادران نہیں جو کسی وقت کانگریس کا رکن رکین تھے۔ (۸) حافظ ملت حضرت مولانا عبدالعزیز مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۹۷۶ء) مسلم لیگ سے اس قدر بیزار ہوئے کہ آل انڈیا سنی کانفرنس جو ہر طرح مسلم لیگ کی حمایت میں تھی اور جس کے ناظم مولانا نعیم الدین مراد آبادی تھے اس

سے بھی مستعفی ہو گئے اور اپنا استعفیٰ بنارس سنی کانفرنس کے صدر حضرت مولانا محمد میاں کچھوچھوی محدث اعظم ہند کی جناب میں ارسال کر دیا اور چونکہ صدر الافاضل سنی کانفرنس کے ناظم اعلیٰ تھے اس لئے اس کی ایک کاپی ان کے پتے پر بھی روانہ کی اس استعفیٰ کی نقل ”الارشاد“ اور رقم کے مقالہ ”حافظ ملت سیاسی شعور آگہی“ میں دیکھی جاسکتی ہے۔ (۹) حافظ ملت نے ”الارشاد“ نامی کتاب میں حالات حاضرہ سے متعلق تفصیلی بحث کی ہے اور آخر میں اس تنظیم سے جدائیگی اور مسلم لیگ سے نفرت و بیزاری کے اسباب بھی بیان کئے ہیں رسالہ کے آخری صفحات میں رقم طراز ہیں۔

”ان مختصر دلائل کی روشنی میں آفتاب نیروز کی طرح واضح ہو گیا کہ جس طرح کانگریس کی شرکت و اعانت ناجائز و حرام ہے اسی طرح بحکم شریعت لیگ کی شرکت و اعانت بھی ناجائز و حرام ہے اور ثابت ہو گیا کہ سنی کانفرنس لیگ کی موئد ہے مسٹر جناح پر اپنے مکمل اعتماد کا اعتماد کرتی ہے اس لئے میں سنی کانفرنس سے مستعفی ہو گیا“۔ (۱۰) حافظ ملت کے علاوہ دوسرے علماء کی لیگ سے نفرت و بیزاری کا فیصلہ اس فتویٰ کی تائید سے کیا جاسکتا ہے جسے مولانا حشمت علی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے ”اجمل انوار الرضا“ کے نام سے شائع کیا۔ اس کتاب پر سیکڑوں علماء و مشائخ کی تائیدات ہیں۔ مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ نے وقت کی بناضی کرتے ہوئے اسلامی قوانین کی روشنی میں جو فیصلہ صادر فرمایا وہ بالکل بر محل اور تقاضائے وقت کے عین مطابق تھا جس شخص میں اس قدر اسلامی حمیت اور مذہب سے محبت ہو اور لگاؤ ہو وہ بھلا کیوں کرایسے موقعوں پر غفلت برت سکتا ہے جب قوم تباہی کے دبانے پر جا رہی تھی تو ان کی دور بین نگاہوں نے یہ تاڑ لیا تھا کہ اس کے اثرات بہتر نہیں نکل سکتے۔ پاک و ہند میں تباہی و بربادی کی لہر مسلمانوں کے حق میں یکساں رہے گی اور ہندوستانی مسلمانوں کی طرح پاکستانی عوام بھی چین کی نیند نہیں سوکیں گے۔ مستقبل کی پروا کئے بغیر مسلمان جس طرح اپنی جائیداد چھوڑ کر بھاگ رہے تھے اس سے ایسا معلوم

ہور ہا تھا کہ وہ اس پاکستان میں جا رہے ہیں جہاں انسان نہیں کر و بیاں بستے ہوں۔ وہاں جرم و فساد، نفرت و عداوت نام کی کوئی چیز نہیں ہوگی اسی وجہ سے علاقوں، محلوں سے ایسے لوگ چلے گئے جہاں آج مسلمان انکا دکا کے علاوہ ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتا۔ بطور ثبوت مولانا ایس۔ اختر اعظمی کا یہ قول بر محل ہوگا۔

”تقسیم ہند کے بعد جب کہ مسلمان اور ہندو دونوں ایک دوسرے کے خلاف سخت مشتعل تھے اور برصغیر ہندوستان میں آگ اور خون کی ہولی کھیلی جا رہی تھی اور صبح و شام خوف و ہراس کے گذر رہے تھے بالخصوص ان علاقوں میں جہاں مسلمان نقارہ ریل بجا کر اپنا رخت سفر باندھ رہے تھے ایسے ہنگامہ خیز دور میں آپ مسجد ہی میں نماز ادا کرنے جاتے اور لوگوں کے منع کرنے کے باوجود اپنی جان کی پروا نہ کرتے اور وقت پر مسجد پہنچ جاتے۔ دنیا آج بھی جا کر دیکھ سکتی ہے کہ محلہ سوداگراں بریلی میں صرف آپ کا خاندان آباد ہے۔ بقیہ سب ہندو ہیں جن میں کثیر تعداد شرنارتھیوں کی ہے۔“ (۱۱) یہ تو رہا اس وقت کا ہندوستان اور آج کا ہندوستان کس طرح ہے اسے لکھنے کے لئے دفتر درکار ہے۔ مختصر یہ ہے کہ مسلمانوں پر جو روستم جس طرح ہو رہا ہے اسے ہم اور آپ اپنے ماتھے کی نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں اسے بیان کرنے کی ضرورت نہیں اور پاکستان وجود میں آنے کے بعد جس سبز باغ کا خواب ہمارے علماء دیکھ رہے تھے اس سلسلہ میں حکومت الہیہ اور نظام مصطفیٰ کو عملی شکل دے کر اس کے مطابق زندگی بسر کرنا تو درکنار اپنی بات کو حکومت کے پلیٹ فارم سے منوانے میں جن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے وہ بیان سے باہر ہے۔

ستم بالائے ستم یہ کہ ہندوستان کے جن مسلمانوں نے پاکستان بنوایا تھا اور جس کے لئے انہوں نے ہندوؤں کے مظالم سہے تھے وہ پاکستان گئے تو ان کے ساتھ وہی معاندانہ سلوک کیا گیا جو ہندوستان کے شر پسند ہندو یہاں کے مسلمانوں کے ساتھ برت رہے ہیں۔ مہاجرین کو قتل کرنا ان کے مکان و املاک نذر آتش کرنا برباد کرنا انہیں ذلیل و خوار کرنا

وغیرہ وغیرہ آج پاکستان میں مہاجر قوموں کے ساتھ کیا ہو رہا ہے وہ کسی شخص پر مخفی نہیں اور ہندوستان میں باقی ماندہ مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جا رہا ہے اسے بھی بیان کرنے کی ضرورت نہیں یہی وہ عناصر تھے جسے دورانِ اندیشی سے کام لے کر مفتی اعظم ہند نے مسلم لیگ سے نفرت و بیزاری کا اعلان کیا کہ جب حصول پاکستان سے پہلے ہی اس تنظیم کے اساطین کا یہ موقف ہو بقول جناح:-

”پاکستان میں حکومت الہیہ ہرگز قائم نہیں ہوگی پاکستان ایک جمہوری اسٹیٹ ہوگا جس میں غیر مسلموں کا بھی حصہ ہوگا۔ پاکستان میں کھ ملاؤں کی حکومت نہیں ہوگی۔“ (۱۲) تو کیوں کر مفتی اعظم ہند جیسا دانشور، مفکر اور مذہبی رہنما اس کی حمایت کرتا۔ اسی لئے انہوں نے ایک سائل کے جواب میں یہ لکھنے میں قطعاً دریغ نہ کیا۔

”لیگ بد مذہبوں اور بد دینوں پر مشتمل ایک جماعت ہے جس میں اہلسنت بھی برخلاف حکم شرع داخل ہو گئے ہیں اور از آنجا کہ اس کے کرتا دھرتا لوگوں میں بد دین ہیں تو وہ بد مذہبوں ہی کی ایک چکڑی ہے یہ اسی ندوے کی طرح ہے جس کا فتنہ تقریباً ۵۰ سال پہلے رونما ہے جس کے رد میں علماء اہلسنت خصوصاً امام اہلسنت مجدد دین و ملت اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے بے شمار تصنیفیں فرمائیں اور ملک بھر میں شائع کیں۔ برسہا برس تو جس کا تحریری و تقریری رد فرمایا گیا اور مسلمانوں کو اس سے بچایا گیا ہرگز ہرگز اس کی رکنیت اس کی امداد و اعانت اور اس کے جلسوں میں شرکت نہ کی جائے مجھ پر یہ بہتان و افتراء ہے کہ میں نے کبھی زبانی یا تحریری فتویٰ اس کی امداد و اعانت کے جواز کا دیا ہے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم یہ تہمت ایسی ہے جسے خود مطلب لوگوں نے حضور پر نور سیدنا الوالد الماجد اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت شیخ الاسلام و المسلمین مولانا مولوی حاجی شاہ احمد رضا خاں صاحب قدس سرہ العزیز پر انگریزوں کی حمایت و اعانت کا جیسا افتراء برسوں کیا ہے جیسے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا دامن اس داغ سے پاک ہے یوں ہی فقیر کا دامن

اس داغ سے کہ لیگ کی امداد و اعانت لیگ کی شرکت کے جواز کا فتویٰ دیا۔ (۱۳)

واللہ تعالیٰ اعلم

فقیر محمد مصطفیٰ رضا خاں قادری غفرلہ

۲۶ صفر المظفر ۱۳۷۰ھ

جس جلیل القدر شخصیت کا یہ فرمان کہ لیگ کی امداد و اعانت کسی طرح جائز نہیں پھر اس کے بارے میں یہ خیال کہ اس نے لیگ کی حمایت میں فتویٰ دیا سراسر غلط ہے بنیاد اور انتہائی جہالت پر مبنی ہے۔ چنانچہ انہوں نے صاف صاف واضح لفظوں میں کہہ دیا کہ مجھ پر لیگ کی حمایت کا الزام کھلا ہوا افتراء و بہتان ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ بریلی دارالافتاء سے مسلم لیگ کی حمایت میں ایک تاریخ بھی ارسال کیا گیا جس کی نسبت مفتی اعظم ہند کی طرف پر زور انداز میں کی گئی اس ٹیلی گرام میں مسلم لیگ کے موقف کی پر زور حمایت کی گئی تھی وہ ٹیلی گرام ۱۵ جولائی ۱۹۳۵ء کو ”انجام“ دہلی میں شائع ہوا پھر اسے ۱۳/۷ نومبر کو الفقیہ امرتسر نے نقل کیا۔ الفقیہ نے لکھا ہے۔

”خیال کے ماتحت شملہ کانفرنس کے زمانہ میں دائرے کو حضرت مولانا مولوی مصطفیٰ رضا خاں صاحب مدظلہ سجادہ نشین آستانہ عالیہ رضویہ بریلی کی جانب سے لیگ کی تائید میں تاریخ بھی بھیجا گیا جو ۱۵ جولائی ۱۹۳۵ء کے روزنامہ انجام دہلی میں شائع ہوا۔ حضرت مولانا موصوف اس وقت برائے حج بیت اللہ تشریف لے گئے ہیں نیز سنی کانفرنس نے جس کے صدر حضرت مولانا موصوف ہیں اپنے بنارس کے حالیہ جلسہ میں مسلم لیگ کا تعاون کرنے اور اس کی تائید و حمایت کرنے کا صاف طور سے اعلان کیا ہے۔ (۱۴) اس اخباری مضمون میں شروع سے آخر تک شکوک و شبہات کے لہجے میں گفتگو کی گئی ہے۔ گفتگو کا آغاز ہی ماتحت سے ہوا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک ہوائی محل ہے جو اعتماد کے مختصر جھونکے سے ہی مسمار ہو سکتا ہے۔ ٹیلی گرام کی یہی نقل ماہنامہ ضیائے حرم ۱۹۷۷ء

میں بھی شائع ہوئی۔ کہتے ہیں کہ جھوٹ اتنی بار بولا جائے کہ سچ معلوم ہونے لگے۔ شاید یہی حکمت عملی مفتی اعظم ہند کی جانب منسوب اس ٹیلی گرام میں اختیار کی گئی ہے۔ اس ٹیلی گرام کی حقانیت و صداقت کہاں تک ہے خدا جانے ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ جس شخص کی زندگی کا لمحہ لمحہ شرعی اصول و ضوابط کا آئینہ دار ہو اور اسی کے مطابق اس کے شب و روگذر رہے ہوں وہ مسلم لیگ کے اصول و ضوابط کے پیش نظر کیوں اس کی حمایت کا دم بھرتا اور کیوں کر ٹیلی گرام دے کر لیگ سے متعلق اپنے موقف کا اعلان کرتا۔ اس کا فیصلہ قارئین اور سامعین پر ہے۔ مفتی اعظم ہند کا وہ فتویٰ قول فیصل کا درجہ رکھتا ہے جس میں انہوں نے صراحت کے ساتھ لیگ میں شرکت کو ناجائز و حرام قرار دیا ہے یا وہ ٹیلی گرام جو شک و ارباب کی وادیوں سے گذر کر کئی واسطوں سے انجام دہلی، الفقیہ امرتسر، ضیائے حرم لاہور میں شائع ہوا۔ اگر بالفرض کسی حد تک اس کی صداقت کا شہدہ برابر اعتراف کر بھی لیا جائے تو یہ اس وقت کی بات ہوگی جب لیگ کی پالیسیاں اس طرح ابھر کر سامنے نہیں آئی ہوں گی کہ اس پر کسی قسم کی شرعی گرفت کی جاسکے۔ بہر حال یہ ایک موہوم خیال ہے جس میں صداقت کی گنجائش نفی کے برابر ہے اس فتویٰ کے پیش نظر اس ٹیلی گرام کی کوئی حقیقت نہیں معلوم ہوتی جیسا کہ ماہنامہ فیض الرسول میں ہے۔

”اس ایمان افروز فتویٰ سے ظاہر ہو گیا کہ مذکورہ تاریخ کی نسبت مفتی اعظم ہند کی طرف غلط اور بے بنیاد سوائے ایک فریب اور عوام کو دھوکہ دہی کے علاوہ کچھ نہیں۔ (۱۵)

البتہ ہمارے وہ علماء جو پاکستان میں مقیم ہیں انہوں نے ہر چند یہ کوشش کی ہے اور کچھ شواہد بھی پیش کئے ہیں کہ مفتی اعظم ہند نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔ ثبوت کے طور پر انہوں نے بنارس کانفرنس کی شرکت کو پیش کیا ہے یہ طے ہے کہ مفتی اعظم ہند نے اس میں شرکت کی ہے اور شرکاء میں ان کے دستخط بھی ہوں گے مگر جہاں تک ربا بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کا سوال تو یہ اب بھی قابل غور ہے کیونکہ مفتی اعظم ہند کا کوئی ایسا

بیان اس مشتبہ ٹیلی گرام کے علاوہ سامنے نہیں آیا جس کے سبب اعتماد کے ساتھ مسلم لیگ کی حمایت کا ثبوت مفتی اعظم ہند کے حوالے سے کسی طرح فراہم کیا جاسکے۔

آل انڈیا سنی کانفرنس کے ممبران شروع میں تقریباً تمامی علماء اہلسنت تھے اس لئے اس پلیٹ فارم سے جو آواز اٹھائی گئی شرعی حدود سے باہر نہیں تھی کیونکہ اس تنظیم نے اس سلسلہ میں جو موقف اختیار کیا تھا اس کا اعلان و بدیع سکندری راپور میں ان لفظوں میں شائع ہوا تھا۔

”آل انڈیا سنی کانفرنس مسلم لیگ کے اس طریقہ کار کی تائید کر سکتی ہے۔ جو شریعت مطہرہ کے خلاف نہ ہو۔“

مسئلہ پاکستان یعنی ہندوستان کے کسی حصہ میں آئین شریعت کے مطابق فقہی اصول پر حکومت کرنا سنی کانفرنس کے نزدیک محمود و مستحسن ہے۔ (۱۶)

جب تک سنی کانفرنس اپنے اصول و ضوابط پر کاربند تھی جملہ علماء کرام دوش بدوش شانہ بشانہ مل کر کام کرتے رہے لیکن جب ان اصولوں کی خلاف ورزی کی گئی اکابر علماء کا خیال کئے بغیر مسلم لیگ کے تمام اصول و دساتیر کو من و عن تسلیم کر کے اس کی حمایت کا اعلان کیا گیا تو کچھ سنی کانفرنس سے مستعفی ہو گئے اور کچھ لوگوں نے خاموشی اختیار کر لی اور کچھ اہل علم نے سنی کانفرنس کے عمائدین سے تحریری استفسار بھی کئے اس سلسلہ میں کیا ہوا کیا نہیں اس کی ایک طویل داستان ہے۔ بہر حال مختصر یہ کہ مفتی اعظم ہند کے مذکورہ فتویٰ نے تریاق کا کام کیا۔ لوگوں کی آپسی شکر رنجی دور ہو گئی اور بیچ کی خلیج پائے میں اس سے کافی مدد ملی۔

مفتی اعظم ہند نے جو تار ارسال کیا تھا اس میں مسلم لیگ کے جس نقطہ نظر کی حمایت کی گئی تھی وہ صرف یہ تھا کہ مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد نمائندہ سیاسی جماعت ہے بس جس کا پس منظر دراصل یہ تھا۔

”وائسرائے ہند لارڈ یول نے شملہ میں کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان

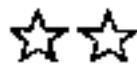
مفاہمت کرانے کے لئے ایک کانفرنس کی مسلم لیگ کا موقف تھا کہ وہ مسلمانوں کی واحد نمائندہ سیاسی تنظیم ہے جب کہ کانگریس متحدہ ہندوستان کے تمام باشندوں کی نمائندگی کی دعویٰ دار تھی۔ حضرت مفتی اعظم ہند نے قائد اعظم کے نام ایک تاریخ میں مسلم لیگ کے نقطہ نظر کی حمایت کی۔ (۱۷)

اس تاریخ سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسلم لیگ مسلمانوں کی سیاسی تنظیم ہے اس لئے کہ اس کے بالمقابل کانگریس پارٹی تھی جو بہر حال مسلمانوں کی سیاسی پارٹی نہیں۔ اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ مفتی اعظم ہند مسلم لیگ کے اصول و نظریات کو من و عن قبول کرتے تھے اور بہر نوع اس کی حمایت کے حامی تھے اس تاریخ سے مفتی اعظم ہند کی لیگ سے ہمدردی اور اس کی اعانت کا ثبوت فراہم کرنا سوائے خوش فہمی کے اور کچھ نہیں۔

ایک بار میں پھر اس کی وضاحت کر دوں کہ قیام پاکستان سے متعلق مخالفت نہیں کی گئی بلکہ مخالفت ان اصول و ضوابط کی کی گئی جس کے پیش نظر حصول پاکستان کی جدوجہد کی جاتی رہی۔ مفتی اعظم ہند کے فتویٰ میں قیام پاکستان پر کوئی رد نہیں البتہ مسلم لیگ تنظیم پر رد و قدح ہے اسی وجہ سے اس تنظیم سے دور و نفور کا مشورہ دیا گیا۔ اگر قیام پاکستان کی مفتی اعظم ہند نے مخالفت کی ہوتی تو بقول کسے بریلی حلقہ سے لڑنے والے امیدوار عزیز احمد ایڈووکیٹ کو پاکستان کے حق میں اپنا ووٹ نہیں ڈالتے۔

حواشی

- (۱) روزنامہ الجمعیتہ دہلی ۲۱ مئی ۱۹۵۴ء
- (۲) روزنامہ الجمعیتہ دہلی ۲۱ مئی ۱۹۵۴ء
- (۳) ماہنامہ استقامت کانپور مفتی اعظم ہند نمبر ص ۱۹۲ ۱۹۸۳ء
- (۴) ماہنامہ حجاز دہلی مفتی اعظم ہند نمبر ص ۱۰۶ ۱۹۹۰ء
- (۵) ماہنامہ فیضان لاہور ص ۲۸ ۱۹۷۵ء
- (۶) ماہنامہ فیضان لاہور ص ۲۷ ۱۹۷۵ء
- (۷) خطبات عثمانی پروفیسر نور الحسن شیرکوٹی ص ۷۳ ۱۹۷۲ء
- (۸) اشک رواں مفتی شریف الحق امجدی ص ۵۶ گیا ۱۳۶۵ھ
- (۹) حافظ ملت افکار و کارنامے مبارک حسین ص ۷۸ ۱۹۹۰ء
- (۱۰) حافظ ملت افکار و کارنامے مبارک حسین ص ۷۸ ۱۹۹۰ء
- (۱۱) ماہنامہ حجاز دہلی مفتی اعظم ہند نمبر ص ۹۳ ۱۹۹۰ء
- (۱۲) الارشاد حافظ ملت مولانا عبدالعزیز مراد آبادی ص ۱۷
- (۱۳) احکام دینیہ ضروریہ ملک نیاز احمد ص ۲ کانپور
- (۱۴) ماہنامہ فیضان لاہور ص ۲۸ ۱۹۷۵ء
- (۱۵) ماہنامہ فیض الرسول بستی ص ۲۳ جنوری ۱۹۸۵ء
- (۱۶) دبدبہ سکندری رامپور ۲۹ مارچ سے بحوالہ خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس، مولانا جلال الدین قادری ص ۲۳۸ لاہور
- (۱۷) ماہنامہ حجاز دہلی مفتی اعظم ہند نمبر ص ۹۷ ۱۹۹۰ء



مفتی اعظم اور دور حاضر کے علماء و مرشدین

(مولانا بدر القادری اسلامک اکیڈمی ہالینڈ)

علمائے دین کا اصل وقار حق گوئی و بے باکی ہے جسے اسلام نے ”افضل الجہاد“ کا مقام عطا فرمایا ہے۔ علم کو انحطاط ہو رہا ہے۔ دین کی قدریں پامال کی جا رہی ہیں۔ قرآن و حدیث کی منشا جاننے اور اس سے لوگوں کو آگاہ کرنے کے بجائے مصلحتوں کی پیروی کا رواج ہو رہا ہے۔ حالات کے رخ پر ڈٹ کر حق کی صدا بلند کرنے والے روپوش ہوتے جا رہے ہیں۔

علماء قدیم فرمایا کرتے تھے۔

”لوگوں پر عنقریب ایسا زمانہ آئے گا کہ ایک تندرست و توانا، موٹا تازہ شخص جس کے بدن پر چربی کی تہیں جمی ہوں شہر شہر تلاش و جستجو کرتے کرتے نحیف و نزار، دبلا پتلا ہو جائے گا۔ لیکن اسے کوئی ایسا متقی نہ ملے گا جو سنت پر عامل ہو لوگ اپنی ذاتی رائے اور مصلحت آمیز باتوں کو فقہ کا نام دیں گے۔“

خود مخبر صادق سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی قرب قیامت کی علامتوں میں شریر فقہاء کی پیشن گوئی فرمائی ہے۔

طبرانی حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”قیامت قائم نہ ہوگی تا آنکہ کتاب اللہ کو عار سمجھا جائے گا۔ زمانہ باہم قریب ہو جائے گا۔ محبت و خلوص کم ہو جائے گا۔ خیانت کرنے والے امین بنا دیئے جائیں گے۔ امانت داروں پر الزام لگایا جائے گا۔ جھوٹے کو سچا کہا جائے گا۔ سچے کو جھوٹا گردانا جائے

گا۔ لوٹ مار قتل کی زیادتی ہوگی۔ بغاوت، حسد اور کینہ فروغ پائے گا۔ لوگ معاملات میں اختلاف کریں گے۔ خواہشات کی پیروی کی جائے گی۔ ظن (گمان) پر فیصلے صادر ہوں گے۔ علم اٹھا لیا جائے گا۔ جہالت بڑھے گی۔“

اسی طرح طبرانی سیدنا عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں۔ آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو ہلاک کرنے والوں کی عزت کریں گے اور عبادت کرنے والوں کو ذلیل سمجھیں گے۔ قرآن سے جو ان کی خواہش کے مطابق ہوگا عمل کریں گے اور جو خلاف ہوگا اس کو چھوڑ دیں گے اس طرح وہ بعض پر ایمان رکھیں گے اور بعض سے کفر کریں گے۔“

ان فرامین مبارکہ کے صاف و شفاف آئینوں میں ہمیں قیامت کے نزدیک آنے کی آہٹ محسوس ہو رہی ہے۔ ذرا ایک اچھلتی سی نظر اس سرزمین پر ڈالئے جسے دنیا ”عالم اسلام“ کہتی ہے۔ ایک سے ایک قدم اور اہل علم و دنیاوی آرام و آسائش کی دلدل میں پھنسے ہوئے، خواہشات منصب اور تفوق و برتری کی دھن میں غرق ہیں۔ مسلم ملکوں کے اقتدار پر صیہونیت، مسیحیت، اشتراکیت، سامراجیت اپنے اپنے نیچے گڑائے ہوئے ہے۔ رسول اعظم و اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ سے استمداد کو شرک و کفر گرداننے والے امریکہ، برطانیہ اور ان کے حواریوں سے مدد کی بھیک مانگ رہے ہیں۔ مسلمان مسلمان کی گردنوں پر سوار ہے۔ مسلم حکومت مسلم حکومت کے خلاف جنک کر رہی ہے۔ اور علماء خاموش ہیں اگر کوئی زبان کھولتا بھی ہے تو اپنے ملک کے حکمرانوں کی حمایت میں، دین و دیانت، حق گوئی اور سچائی کے گلے پر چھری پھیر کر مذہب کا کٹھا ہوا سر حاضر کر دیتا ہے۔ الامان و الحفیظ سعودی حکمرانوں کو اپنی حکومت کی حفاظت کے لئے رب کعبہ سے زیادہ امریکہ پر اعتماد ہے۔ حرمین مطہرین کی فضاؤں سے کفار و مشرکین کے طیارے گذرتے

ہیں۔ اور ابابیم کعبہ خاموش ہے رابطہ عالم اسلامی کی زبان پر تالے لگے ہیں۔ ایسی روح فرسا گھڑی میں ہمیں ہندستان کے شہر بریلی کا ایک مرد قلندر یاد آ رہا ہے جسے دنیا والے ”مفتی اعظم“ اور اہل بریلی ”بڑے مولانا“ کہا کرتے تھے۔

اللہ اللہ کیسی جرأت و صلابت تھی اس بندہ مومن میں جس نے کروڑوں ہندوؤں کی آبادی کے ملک میں رہ کر حکومت وقت کے فیصلے کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔ مصلحتوں کے پجاری سرنگوں ہیں حالات اور فضا کی برہمی اپنی جگہ ہے۔ نہ جانے کتنے صاحبان جبہ و دستار حکومت کے مزاج سے صلح کر چکے ہیں۔ علماء کے وقار پر دھتے لگ رہے ہیں۔ اسلامی اور ایمانی جرأت کا خون ہو رہا ہے۔ پاس ماڈی وسائل نہیں۔ طوفان بلا کو نالنے کا سامان نہیں۔ مسلمانوں کا شیرازہ منتشر ہو رہا ہے اور حکومتی قانون کا سہارا لے کر نسبندی کے نام پر لاکھوں انسانوں کے سلسلہ توالد و تناسل کو منقطع کر دیا گیا۔ عورتوں کے آپریشن کر دیئے گئے۔ پولیس، مدد کر رہی ہے۔ حکومتی اہل کار شہر شہر، قریہ قریہ، گاؤں گاؤں، محلہ محلہ اور گھر گھر دستک دے رہے ہیں۔ آپ کے کتنے بچے ہیں؟ اگر دو یا تین ہیں تو نسبندی کرائیے۔ کہیں لالچ دے کر، کہیں ڈرا دھمکا کر، کسی پر زور دباؤ ڈال کر آئندہ کے لئے لوگوں پر اولاد کا سلسلہ بند کیا جا رہا ہے۔

مسلمان، ہندو، سکھ، پارسی، عیسائی تمام قوموں کے لیڈروں نے حالات سے نظر پھیر لی ہے۔ اس وقت ایک ۸۰ سالہ بزرگ گوشہ نشین، مرد خدا مفتی اعظم کے کانوں تک بات پہنچتی ہے۔ آپ نے حالات کی ناسازگاری، حکومت وقت کے ظلم و ستم اور ملک بھر کے عام رجحان کے خلاف اپنا فتویٰ صادر فرمایا۔ اور مسلمانوں کو تاکید فرمائی کہ خبردار کسی لالچ، حرص یا دباؤ میں آ کر مسلمان اس ناجائز کام میں ملوث نہ ہوں۔ فتوے کی ہزاروں نقلیں تیار کی گئیں اور تمام اطراف ہند میں بھیجی گئیں۔ حکومت کے ایوانوں میں بھی یہ فتویٰ پہنچا اور شہروں، گاؤں اور بستیوں کے چوپالوں میں بھی اس کے مضامین دہرائے گئے۔

خدا کی قدرت ایسی کہ ایمر جنسی کے دوران اسی نسبندی کے جبری نفاذ نے ہندستان بھر میں برسر اقتدار جماعت کے خلاف غم و غصہ کی لہر دوڑادی۔ اور اس کے بعد جو حکومتی انتخاب عمل میں آیا۔ اس نے ایمر جنسی اور نسبندی کے ذریعہ ظلم و ستم کرنے والوں کو بری طرح ذلیل کر کے رکھ دیا۔

ہوا تھی گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا تھا
وہ مرد و رولش جس کو حق نے دیئے تھے انداز خسروانہ

اس بارے میں حضرت علامہ مدنی میاں کچھ چھوی لکھتے ہیں۔

”ایمر جنسی کے دور میں ظالم و جابر حاکموں نے ظلم و جور کی حد کر دی۔ اور خاندانی منصوبہ بندی کے غیر اسلامی نظریہ کو منوانے کے لئے وہ ستم ڈھائے گئے کہ الاماں والحفیظ۔ اس جور و ستم کا نتیجہ یہ ہوا کہ علماء کی زبانیں گونگی ہو گئیں۔ بلکہ ابن الوقت حکومت کی حمایت میں اتر آئے۔ کرائے کے مفتی مسند افتاء کی مٹی پلید کرنے لگے۔ ایسے خوف و ہراس کے عالم میں خدا نے اپنا دین بچایا مفتی اعظم ہند کے ذریعہ جنہوں نے اندیشہ سودوزیاں سے بے نیاز ہو کر حکومت وقت کے خلاف فتویٰ دیا اور سائیکلو اسٹائل کرا کے ملک کے گوشے گوشے میں روانہ کیا۔ چونکہ دیگر جملہ ذرائع ابلاغ و ترسیل پر گورنمنٹ کے آہنی پنجوں کا دباؤ تھا اس لئے ان کو اشاعت کا ذریعہ نہیں بنایا جاسکا۔“

(استقامت کانپور، مفتی اعظم ہند نمبر، مئی ۱۹۸۳ء، ص ۱۴۶)

اس وقت ملک کی فضا کتنی مسموم تھی مسلمان اقلیت تو درکنار اکثریتی طبقہ کی زبانوں پر تالے لگے ہوئے تھے ایسے وقت میں جرأت رندانہ کا یہ اقدام کوئی مرد حق آگاہ ہی کر سکتا تھا۔ حضور مفتی اعظم کی اس شیرانہ جست نے مسلمانان ہند میں مسرت کی لہر دوڑادی اور ہزاروں قلوب کی یاس و قنوطیت، بے بسی و حرماں نصیبی کے دلدل سے نکل کر ایمان باللہ کی جلوہ گری دیکھنے لگے حضور مفتی اعظم کی ذات اس وقت اسلام کا مینار عظمت بن کر بلند ہوئی

اور بریلی کی خانقاہ سے حسینی شان کا پرچم بلند ہوا۔ حق گوئی و بے باکی کا پرچم۔
شہزادہ خانوادہ برکات مولانا سید محمد امین میاں مارہروی لکھتے ہیں۔

”یوں تو مجھے حضرت والا کی بہت سی باتیں متاثر کرتی ہیں مگر جس بات نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ استقامت فی الدین اور شرعی احکام کا کھلم کھلا اعلان ہے۔ فیملی پلاننگ کے مسئلہ پر سارے علماء اور مشائخ نے رخصت پر عمل کیا اکثر علماء نے سکوت اختیار کیا اور بہت سے نام نہاد و یو بندی مفتیوں نے سرکاری روش کے حق میں فیصلے دیئے۔ مگر چونکہ مفتی اعظم ہند رضی اللہ عنہ ایمان کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے لہذا انہوں نے حق کا آواز بلند اعلان فرمایا اور اس بات کی پرواہ نہیں کی کہ اس کا نتیجہ ان کے حق میں کیا ہوگا۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ فیملی پلاننگ کے خلاف فتویٰ دینے کے باوجود ان کا بال بھی بریکانہ ہوا۔ حضرت کی عمر شریف جہاد بالسیف کے دور سے گزر چکی تھی مگر ان کے قلمی جہاد نے ثابت کر دیا کہ۔

آئین جواں مرداں، حق گوئی و بے باکی

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

(ایضاً ص: ۱۳۸)

حضرت مولانا صوفی الحاج نظام الدین بستوی شیخ الحدیث مدرسہ تنویر الاسلام امرڈو بھارتی فرماتے ہیں۔

۷۶۔ ۱۹۷۷ء کا وہ پرسوز دور جس نے ہندوستان کے مسلمانوں کو ایک ایسے بھیاںک طوفان میں کھڑا کر دیا تھا جہاں سے اسلامیان ہند کے سفینہ اعتقاد کے تختے ٹوٹتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ سعودی ریال، امریکن ڈالر اور حکومت کے ٹکڑوں پر پلنے والے ابنائے وقت علماء کے قدموں میں لغزش آگئی تھی اور نسبندی کے جواز پر مسند افتاء پر بیٹھنے والے مفتیوں نے فتویٰ صادر کر دیا تھا۔ ریڈیو، اخبار کے ذریعہ خوب خوب پرچار بھی کیا گیا تھا۔ ہندوستان کا مسلمان اب ایسے موڑ پر پہنچ چکا تھا جہاں پر ہر طرف تاریکی ہی

تاریکی تھی، طوفان ہی طوفان تھے۔ پوری مسلم قوم ایک ایسے میر کارواں کی تلاش میں سرگرداں تھی جو اسے سہارا دے۔ ایمان و اعتقاد کی کشت ویراں کو لالہ زار بنائے۔ سب کی نگاہیں شہر عشق و محبت پاسبان ناموس رسالت بریلی کی جانب لگی ہوئی تھیں۔ یکا یک بریلی کا مرد مجاہد مخالفتوں کی تیز آندھیوں میں اپنے علمی وقار کے ساتھ اٹھتا ہے اور بمصداق حدیث شریف افضل الجہاد کلمہ حق عند السلطان الجائر ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنا افضل الجہاد ہے۔ آپ نے اعلان فرمایا۔

نسبندی حرام ہے۔ حرام ہے۔ حرام ہے۔ (ایضاً ص: ۱۰۶)

یقیناً یہ جرأت مردانہ اور حق و صداقت کے اعلان کا تیور حضور مفتی اعظم ہند کا حق تھا۔ ان کی زندگی کی کتاب میں مطالعہ کرنے والوں نے کوئی ایسا ورق نہیں پایا کہ وہ کسی خلاف شرع امر کے مرتکب ہوئے ہوں یا کسی ناحق یا نامناسب بات کو سن کر ان کے حق گولیہائے مبارک خاموش رہے ہوں۔ کیوں نہ ہو۔ دین حق کی حمایت میں عمر عزیز کے شب و روز قربان کرنے والے مجاہد اسلام مجدد ملت کے شہزادے ہیں۔ انگریزوں کے خلاف جامع مسجد دہلی میں اعلان جہاد فرمانے والے علامہ فضل حق کے جانشین ہیں۔

جس کا نصب العین تھا اعلان حق تبلیغ حق

زندگی جس کی تھی شرع مصطفیٰ کا آئینہ

بلاد عربیہ کے علماء:۔ بلاد عرب میں تعلیم و تعلم کا قدیم دستور باقی نہیں رہا دنیاوی تعلیم کے مدارس اسکول، کالج اور یونیورسٹیوں میں ہی دینیات اور اسلامیات اور دیگر علوم و فنون کے شعبے قائم ہیں۔ سعودیہ، مصر اور چند ایک اور ملکوں میں اسی اسلوب پر خاص اسلامی جامعات بھی ہیں۔ مگر ہر مسلم ملک میں دینی تعلیم کی پرانی روش کو تقریباً خیر باد کہہ دیا گیا ہے۔ اسی لحاظ سے قدیم بارسوخ علماء بھی کم ہو رہے ہیں۔

علمائے قدیم جیسی دین سے شیفتگی، والہیت اور فدائیت، دین اور مذہب کے لئے

قربانی کے جذبات سرد پڑ رہے ہیں۔ مغربی طرز زندگی کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ علم حدیث، علم کلام، فقہ اسلامی میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے والے ایک سبکٹ کے لحاظ سے اپنے فن کو پڑھتے تو ہیں مگر اس میں فقہائے اسلام کی پاکیزہ نفسی، محدثین اسلام کے کردار کا پرتو، صلحا کی زندگی کا عکس کہیں نظر نہیں آتا۔ مغربی تہذیب کا جنون اس بری طرح ان کے اعصاب پر سوار ہے کہ سب کچھ پڑھتے ہیں پڑھاتے ہیں، سیکھتے ہیں سکھاتے ہیں مگر خود ان کی زندگیاں مغربیت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہوتی ہیں۔ (الاما شاء اللہ)

عالم اسلام کے علماء میں دنیا طلبی، حصول مراتب اور مصلحت کوئی کی عادتیں عام ہو رہی ہیں۔ اور چونکہ علم دین خالص مقاصد دینی کے بجائے دوسری مصلحتوں کے تابع ہو گیا۔ اس لئے مسلم حکمرانوں کی غلط کاریوں پر حق بات کا اظہار کرنے کی جرأت بھی جاتی رہی۔

اگر واقعی یہی حصول دنیا ہے تو یقیناً عرب حکمرانوں کے کرتوتوں کی حمایت کرنے والے اہل علم کیا اس فرمان نبوی سے غافل ہیں؟

مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يُبْتَفَى بِهِ وَجْهَ اللَّهِ لَا يَتَعَلَّمَهُ إِلَّا لِيُصِيبَ بِهِ غَرَضًا مِّنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عُرْفَ الْجَنَّةِ يَعْنِي رِيحَهَا۔ (احمد و ابوداؤد عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

جس علم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی جاتی ہے ایسے علم کو جس کسی نے بھی دنیاوی غرض کے لئے حاصل کیا وہ جنت کی خوشبو سے بھی محروم رہے گا۔

پیران برطانیہ :- ہمارے قریبی ملک برطانیہ میں بھی بعض نام نہاد علماء اور پیروں نے مذہب کا بیڑا غرق کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے ان حضرات کے ذریعہ اصحاب صفہ کے فیوض کیا تقسیم ہوں گے صفائے باطن کی نعمت کیا ملے گی۔ حصول زر اور مریدوں، معتقدوں کی بیش از بیش کھیتی اگانے کی ریس میں برصغیر کی سیاسی تنظیموں جیسی تمام اخلاق سوز اسکیمیں بروئے کار لائی جاتی ہیں۔ ہر ایسا پیر اپنے مریدوں سمیت گویا اپنی الگ

امت تشکیل دے رہا ہے۔ حقیقی فقراء اور درویش جو نام و نمود کے مخالف پروپیگنڈے سے بیزار اور انسانی سینوں سے ریا کینہ حسد اور بغض جیسی نجاستوں کو پاک فرمانے کے منصب پر فائز ہوا کرتے تھے ان کے حریص جانشینوں نے امت اسلامیہ میں اپنے وجود سے انتشار، اختلاف، اور تنافر بین المسلمین کے اتنے دروازے کھول دیئے ہیں کہ مغربی ماحول میں آنکھ کھولنے والی مسلمانوں کی نئی نسل نہ صرف پاکیزہ تعلیمات صوفیاء بلکہ اسلام سے منحرف ہوتی ہوئی نظر آ رہی ہے۔ ان پیروں میں بعض ایسے بھی ہیں جو مدح مصطفیٰ کے اشعار، جو شاعر روئے والشمس اور زلف واللیل والے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں پڑھتا ہے۔ اسے اپنی ذات پر منطبق کرتے ہیں۔ حالت یہ ہے کہ سر مجلس نعت خواں نے مازغ البصر کی تشریح کرتے ہوئے حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی چشمان مبارک کی تعریف کی تو پیر جی نے اپنی آنکھوں پر انگلیاں پھیر لیں۔ زلفوں کا ذکر کیا تو اپنے بالوں پر ہاتھ گھما دیا۔ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روئے زیبا کی توصیف کی تو پیر صاحب نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا۔ اور حسن اعتقاد میں سرشار مریدوں میں ایک فداکارانہ ہانچل مچ گئی۔ ان میں کا ایک پیر دوسرے کے مریدوں پر اس طرح قبضہ کرتا ہے جس طرح مغربی لیروں نے ایشیا اور افریقہ کے علاقوں کو اپنی کالونی بنانے کے زمانے میں یوریشیا کی تھیں۔

قدیم خانقاہیں تو بھید بھاؤ اپنے پرانے زبان و وطن کے خلاف اسلامی جہاد کا عملی مظہر ہوا کرتی تھیں۔ اب اہل ہوا کی جدید خانقاہوں میں مسلمانوں کو اسلام اور روح اسلام سے برگشتہ کرنے کے سارے طاغوتی اسلحے استعمال کرنے کی ٹریننگ دی جاتی ہے۔ سکوں کی چمک محسوس ہو تو ان میں کے بعض پیر اپنے حاشیہ برداروں سمیت کسی اپنے سے ماڈرن (کتوں کی محافظت میں رہنے والے) پیر کے ہاتھوں بک بھی جایا کرتے ہیں۔ یورپ کی دنیا میں ایشیائی پیروں کے کئی طبقے ہیں۔ ان کے جو با اصول اور با وضع ہیں وہ تو

گویا پیر ہیں ہی نہیں۔ یہاں کی دنیا میں یہ حضرات اپنی ساکھ جمانے کے لئے برطانوی سامراجیت کے تمام فرسودہ ہتھیاروں کو استعمال کرتے ہیں۔ مظلوم علماء کی زبانی فقیر کو یہ روایت ملی ہے کہ یہ لوگ اپنے مکر و حیلہ کے ذریعہ مسلمانوں کی تنظیموں پر حاوی ہو جاتے ہیں اور مفتوحہ تنظیم میں کام کرنے کے لئے اپنا مولوی متعین کرتے ہیں جس مولوی کی ذمہ داریوں میں سے یہ اہم ذمہ بھی ہوتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو پیر جی کے دامن سے باندھے بعض مولویوں سے ماہانہ اور سالانہ حساب لیا جاتا ہے کہ تم نے کتنے لوگوں کو ہمارا ہم خیال بنایا۔ کارکردگی اگر متعینہ نشانے سے کم ہوتی ہے تو مولوی کی خیر نہیں۔ اس کام کو انجام دینے کے لئے مولوی کو ایسے جعلی پیر کی من گھڑت کرامت (جو دراصل کراہت ہے) بھی بیان کرنی پڑتی ہے۔ ظاہر بات ہے اس قسم کے کام دین و دانش کا شعور رکھنے والا کوئی غیرت مند عالم تو کر نہیں سکتا۔ لہذا پیروں نے نہایت چالاکی سے کام لیتے ہوئے بس نماز کی امامت، فاتحہ خوانی، ناظرہ کی تعلیم دینے اور دین کی معمولی شد بدرکھنے والوں مگر حلقہ کی توسیع میں مہارت رکھنے والوں کو ترجیح دینا شروع کر دیا۔ بھول بھٹک کر کسی علمی غیرت رکھنے والے مولوی کو بلا بھی لیا تو وہ بہت جلد گلے کا قلاوہ اتار کر آزاد ہو گیا۔ پیر کی ساکھ پر جس کا غلط اثر پڑنا لازمی امر ہے۔ کچھ مفاد پرست مولویوں نے ایسے پیروں سے تعلقات بھی رکھے ہیں تاکہ ان کے حلقے میں چرنے چگنے کا موقع ملتا رہے۔ ایسے گھناؤنے ماحول کو دیکھ کر ہمیں برصغیر کے ان غریب اور مخلص خدام اسلام کے قدموں کی خاک چوم لینے کے لائق معلوم ہوتی ہے جنہوں نے تکالیف، مصائب اور پریشانیوں کے باوجود اپنی علمی غیرت پر آنچ نہ آنے دی۔

علمائے عرب اور پیران برطانیہ کے حالات کا آئینہ سامنے رکھ کر ہم ماضی قریب کے ایک عالم ربانی اور مرشد کامل کی حیات کا مطالعہ کریں تو مشرق و مغرب کا بعد نظر آئے گا۔
اور مفتی اعظم ہند: ہم حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی زندگی کا جائزہ لیتے ہیں تو

ان کے لیل و نہار، سفر و حضر، خلوت و جلوت ہر عالم میں رضائے حق کے کاموں میں بسر ہوتے نظر آتے ہیں۔ اللہ کی مرضی کے لئے جینا اور اسی کی رضا جوئی میں زندگی کے سانس سانس کا محاسبہ کرنا حضور مفتی اعظم میں دیکھا گیا۔ انہوں نے علوم اسلامیہ اور تعلیمات ربانی کی تبلیغ و اشاعت ہی میں اپنی عمر لگا دی۔ جاگیر دار تھے، زمینوں کے مالک تھے۔ یوں بھی ان جیسے خدا آشنا بندوں پر مال و دولت نچھاور کرنے والوں کی دنیا میں کمی نہیں مگر انہوں نے کبھی اپنے دامن کو دنیا طلبی سے آلودہ نہیں کیا۔

نبیرۃ العلیٰ حضرت مولانا رحمان رضا رحمانی میاں فرماتے ہیں۔

”مفتی اعظم دنیا میں رہ کر بھی دنیا کے نہ ہوئے۔ بلکہ دنیا کے پیدا کرنے والے کے بن کر جئے۔ مہد سے لے کر لحد تک ۹۲ سال کی زندگی میں کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا جس سے آپ کی دنیا میں دلچسپی ظاہر ہو۔“

(استقامت مفتی اعظم نمبر ص ۱۱۱)

حضرت رحمانی میاں اسی مضمون میں آگے ایک مقام پر لکھتے ہیں ”بار بار ایسا دیکھا گیا کہ دنیا والے بڑی بڑی پیش کش لے کر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہیں مگر آپ ٹھکرارہے ہیں۔ دولت مند ہزاروں کا نذرانہ پیش کر رہے ہیں آپ سختی سے رد کر رہے ہیں۔ جب کسی نے بہت اصرار کیا تو ایک روپیہ اس کی دلجوئی کی خاطر لے لیا۔ اور اگر آمدنی کو مشکوک سمجھا تو کسی قیمت پر کوئی نذرانہ قبول نہیں کیا۔ یہ تھے ہمارے مفتی اعظم۔ کاش مولویان زر پرست اور پیران تجارت پیشہ ان کے کردار سے کچھ سبق حاصل کرتے۔ اور دین و ملت کی بے غرض خدمت کرتے۔“ (ایضاً ص ۱۱۹)

خادمان اسلام کا سب سے عظیم انعام اللہ جل شانہ کی رضا اور حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوشنودی ہوتی ہے۔ مال و دولت جائز راستوں اور حلال بنیادوں پر حاصل ہو تو لینے میں کوئی حرج نہیں۔ مگر پاکیزان امت کے بے داغ سجادے حرم و ہوا

کی آماجگاہ بن جائیں تو دردمند مسلمان رو پڑتا ہے۔ گلیم بوذرا اور چادرز ہزارا ندوزی کے لئے نہیں ہیں۔ پنجاب کے ایک دیدہ ور نے انہیں حالات کا مشاہدہ کر کے کہا تھا ”خانقاہوں میں مجاور رہ گئے یا گورکن“۔

مگر آنکھ والو! آؤ تمہیں سکوں کی جھنکار کے متوالوں، ڈالروں، ریالوں اور پونڈوں کی بھیڑ میں ایک نرالی شخصیت کی زیارت کراتا ہوں۔ جس کے اگلے دامن کی خیرات آج بھی ہزاروں خانقاہوں، ہزاروں مدارس اور محراب و منبر کے وارثین میں نظر آتی ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد پٹی۔ ایچ۔ ڈی سندھ کی زبانی سنو۔ ”عشق و محبت نے اس (حضور مفتی اعظم) کو ایسا مست و بیخود کر دیا تھا کہ نہ کسی کی جاہ و حشمت نظروں میں چھتی تھی اور نہ مال و دولت۔ ان کے والد گرامی نے ان کو اور اپنے وابستگان کو یہ نصیحت کی تھی“۔

”تاکید اور سخت تاکید کی جاتی ہے کہ دست سوال دراز کرنا تو درکنار اشاعت دین و حمایت سنت میں جلب منفعت کا خیال دل میں بھی نہ لائیں کہ ان کی خدمت خالصہ لوجہ اللہ ہو“۔ (الرضا شمارہ ربیع الآخر و جمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ ص ۹)

اس ہدایت و نصیحت پر ایسا عمل کیا کہ باید و شاید۔ متاع غرور سے ایسی نظریں پھیریں کہ پلٹ کر بھی نہ دیکھا۔ سنئے سنئے! حج بیت اللہ شریف سے بمبئی واپسی ہے ایک مرید باصفانے ایک گراں قیمت کار اس نیت سے خریدی کہ بمبئی سے بریلی تک اس میں لے جائے۔ اور جب بریلی پہنچے تو یہ کار نذر کر دے۔ بمبئی سے روانہ ہوئے۔ جاں نثار و فداکار راستے میں زیارت کرتے رہے۔ بریلی پہنچے آرزو کا وقت آ گیا۔ مرید وفا شعار دست بستہ کھڑا ہے۔ اپنی کار خدمت اقدس میں نذر گزار رہا ہے۔ مگر ان کی نگاہ کی رفعت کا عالم نہ پوچھئے۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

وہ حرماں نصیب اپنی کار واپس لے کر لوٹ رہا ہے۔ مگر حریم جاناں سے درس محبت لے کر لوٹ رہا ہے۔ جس کی نظر میں محبوب سما جائے پھر اور کوئی نہیں سما سکتا ہے۔ ساری آرزو کا حاصل صرف ایک آرزو ہوتی ہے۔

تجھ سے مانگوں میں تجھی کو سبھی کچھ مل جائے
سو سوالوں سے یہی ایک سوال اچھا ہے

(ایضاً ص ۹۴۸)

حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے محاسن و اخلاق کے آئینہ خانے سے ورع و ارتقاء، خدمت خلق، غرباء نوازی، انکساری و تواضع، مروت و خیر خواہی مساکین و اہل حاجت سے ہمدردی اور اہل ثروت سے احتساب وغیرہ متعدد اہم نگیں نے دور حاضر کے علماء کے تقابل میں پیش کئے جاسکتے ہیں جو سب اپنی جگہ قابل توجہ بھی ہیں اور لائق تقلید بھی۔ مگر میری دوسری مصروفیات مانع ہیں۔ توفیق ایزدی شامل حال رہی تو ”سوانح مفتی اعظم“ میں اس کی آرزو کی تکمیل کروں گا۔ انشاء المولیٰ تعالیٰ

دامن نگر تنگ و گل حسن تو بسیار
گلچیں بہ ازیں تنگی داماں گلہ دار

خدمت علماء میں دردمندانہ گذارش :- برائیوں کو مٹانا اور نیکیوں کو فروغ دینا اسلام کے خدام کی اہم ذمہ داریاں ہیں۔ جہاد جیسا اہم فریضہ بھی ازالہ منکر ہی کی ایک قسم ہے۔ یورپ ہو یا امریکہ، ایشیا ہو یا افریقہ دنیا کے ہر خطہ میں برائیاں، مفسد اور منکرات کا نہایت سرعت سے فروغ ہو رہا ہے۔ وہ امور جو کھلم کھلا، صراحتاً حرام ہیں اور تو اور مسلمانوں میں فروغ پا رہے ہیں۔ ایسے حالات میں علمائے اسلام کی کیا ذمہ داریاں ہیں؟ اسلام کے داعی اعظم رسول مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے اذ اظہرت الفتن او قال البدع فليظهر العالم علمه ومن

لم يفعل ذلك فعليه لعنة الله والملائكة والناس اجمعين لا يقبل الله منه
 صرفا ولا عدلا

جب ظاہر ہوں فتنے یا فرمایا بدت پیاں تو فرض ہے کہ عالم اپنا علم ظاہر کرے اور جو ایسا نہ
 کرے اس پر اللہ، فرشتوں اور انسانوں تمام کی لعنت اللہ تعالیٰ اس کا فرض قبول فرمائے گا
 نہ نفل۔

اللہ اکبر کتنی شدید تہدید ہے۔ پڑھ کر روح کانپ جاتی ہے رو نگٹے کھڑے
 ہو جاتے ہیں جسم میں لرزہ پیدا ہو جاتا ہے۔ کون سی برائی ہے جو ہمارے گرد و پیش نہیں
 پنپ رہی ہے؟ کون سا فساد ہے جو بھیا نک از دھا بن کر مسلمانوں کے سامنے کھڑا
 نہیں ہے؟

سب سے بڑھ کر اسلام دشمن عالمی سامراجی بین الاقوامی نظام جو دجال بن کر
 مسلمانان عالم کو ان کے دین و ایمان سے برگشتہ کرنے میں شب و روز مشغول ہے۔ اور
 اپنی فتنہ پرور سازش سے ”ملعون رشدی“ جیسے بیٹھارا اسلام کش نخبروں کو صیقل کرنے میں
 مشغول ہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ قادیانیت، نجدیت اور رافضیت کے سیلاب دولت و
 حکومت اور وسائل تشہیر کا سہارا لے کر اسلام کو کمزور کر رہے ہیں۔ مسلمانوں میں بے عملی کی
 وباعام ہے۔ شراب، قمار، زنا، فواحش و منکرات اور بے حیائیوں کی تیزی سے اشاعت
 ہو رہی ہے۔ خادمان اسلام طبقہ پر نظر دوڑائے تو ایک بہت بڑا طبقہ پیری مریدی کے نام
 پر شب و روز استحصال زر میں لگا ہوا ہے۔ مکر و فریب، دجل و عیاری کے وہ کون سے حربے
 ہیں جو ان حریصان زر کے استعمال میں نہیں۔ ایسے لوگوں کی سلسلہ بندی، ووٹ دھوپ،
 مجلس سازی جلسے جلوس۔

ایں ہمداز پئے آنست کہ زرمی خواہد

وطن اور زبان کے نام پر دھڑے بندیوں اور گروپ سازی کی وباعام ہے ایسے میں

امت کے حال زبوں کی ذمہ داریاں کس پر عائد ہوتی ہیں۔ کیا ہم ان ذمہ داریوں کے زمرے سے خارج ہیں؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ تو آئے کم از کم اپنے گرد و پیش کو اسلامی تعلیمات اور عملی روشنی سے ہمکنار کرنے کرانے کا کوئی مضبوط پروگرام بنائیں۔ سرزمین یورپ پر ہماری مسلمان نسلیں ارتداد کے نشانے پر ہیں۔ پشتینی مسلمان شراب و شباب میں ملوث ہیں۔ جوا اور حرام غذاؤں سے بہتیرے مسلمان اپنے باطن کو گندہ کر رہے ہیں۔

انٹھے کہ اپنے بھائیوں کو ان لعنتوں سے بچانے کا سامان کریں۔

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصہ محشر میں ہے

پیش کرنا ناداں عمل کوئی اگر دفتر میں ہے۔



مفتی اعظم ہند

شہزادہ امام احمد رضا

(از: پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب پبلی ایج ڈی پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج ٹنٹھہ سندھ پاکستان)

وسلام علیہ یوم ولد ویوم یموت ویوم یبعث حیًا

سلام اس پر جس نے دلوں پر حکومت کی۔ سلام اس پر جس کی یاد و روشنیاں لے کر آتی ہے۔ سلام اس پر جس کا خیال تاریکیاں لے کر جاتا ہے۔ سلام اس پر جس کے قدم نہ ڈگمگاتے۔ سلام اس پر جس کی نظر نہ بہکی۔ سلام اس پر جو صراطِ مستقیم پر رواں دواں رہا۔ سلام اس پر جس نے ملت کو شعور زندگی بخشا۔ سلام اس پر جس نے سب کچھ لٹایا۔ سلام اس پر جس نے کچھ نہ چاہا۔ سلام اس پر جو محبت کا پاسدار تھا۔ سلام اس پر جو غریبوں کا نمگسار تھا۔ سلام اس پر جس نے گرتوں کو سنبھالا۔ سلام اس پر جس نے ڈوبتوں کو نکالا۔ سلام اس پر جس نے طوفانوں کے منہ پھیر دیئے سلام اس پر جو یادگار سلف تھا۔ سلام اس پر جس کا جہاں سارا جہاں تھا۔ سلام اس پر جو فقر غیور کا علم بردار تھا۔ سلام اس پر مداحان رسول جس سے فیض پاتے تھے۔ سلام اس پر گستاخان رسول جس سے خار کھاتے تھے۔ سلام اس پر جس نے عشقِ مصطفیٰ کے چراغ روشن کئے۔ سلام اس پر جس کو دیکھ کر خدا یاد آتا ہے۔ سلام اس پر جو قدم قدم پہ خدا کو یاد رکھتا ہے۔ سلام اس پر جو اصل باللہ تھا۔ سلام اس پر جو باقی باللہ تھا۔ سلام اس پر جس نے اسلام کی آن رکھی۔ سلام اس پر جس کے رات دن مخلوق خدا کی خدمت میں صرف ہوتے تھے۔ سلام اس پر جس کی ہر بات نصیحت تھی۔ سلام اس پر جس نے ہدایت کا حق ادا کر دیا۔ سلام اس پر جس کا مسکن مرکزِ ارباب صفا تھا۔ سلام اس پر

جس کا مدفن مرجع ارباب وفا ہے۔ ہاں وہ کون ہے جس کے لئے آج دل بے قرار ہے؟
ہاں وہی جو دلوں میں رہتا تھا جو آنکھوں میں بسا تھا

کسی صورت سے بھولتا ہی نہیں
آہ یہ کس کی یاد گاری ہے
کیا کہوں تم سے بے قراری کی
بے قراری سی بے قراری ہے

ہاں وہ وہی شہزادہ عالی وقار ہے جو ۲۴ رذی الحجہ ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء کو آفتاب بن
کرافق بریلی پر جلوہ گر ہوا جس کا نام نامی مرشد نوری نے ابو البرکات محی الدین جلالی والد
گرامی نے محمد رکھا اور عرف مصطفیٰ رضا تجویز کیا گیا۔

جس ذات سے اس کو نسبت فرزند ہی تھی وہ اپنے وقت کا فرد فرید تھا وہ علوم عقلیہ کا
غواص تھا وہ میدان فقاہت کا شہسوار تھا عرب و عجم میں اس کی دھوم تھی سارے جہاں میں
اس کا چرچہ تھا کون، عبدالمصطفیٰ امام احمد رضا قدس سرہ العزیز دیکھنے والے کہتے ہیں کہ
شہزادہ عالی جاہ اپنے والد بزرگوار کا عکس جمال تھا اس کے حسن و رعنائی کی بات کیا کیجئے۔
گورارنگ نورانی چہرہ چوڑی پیشانی لبوں پر تبسم گفتگو میں حلاوت کلام میں لطافت
جدھر سے گزرتے دیکھ کر لوگ دوڑے چلے آتے تھے کشش و دل نوازی کا عجیب عالم تھا۔

سینہ خالی کنید از دلہا
یا ر بہر شکار می آید
مزدہ اے دل کہ بہر استقبال
رہتمش بے قرار می آید

اور جس ذات قدسی صفات سے اس کو شرف بیعت حاصل تھا وہ بھی آسمان ارشاد کا
آفتاب تھا اور علم و دانش کا ماہتاب تھا ایک عالم اس سے فیضیاب تھا کون، شاہ ابوالحسن

احمد انوری مارہروی قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز۔ یہ وہ مقدس بستی ہے جس کی تعریف میں
امام احمد رضا جیسا فاضل اجل یوں رطب اللسان ہے

برتر قیاس ہے مقام ابو الحسین

سدرہ سے پوچھو رفعت بام ابو الحسین

اور جس سے خود امام احمد رضا کو شرف خلافت و اجازت حاصل تھا اس شرف و سعادت
پر وہ ناز کرتے ہوئے کہتے ہیں

ہاں طالع رضا تری اللہ رے یاوری

اور سنو سنو۔ کیا کہہ رہے ہیں

انست من مارہرۃ ناراً علی

طور أشاطورا بہ یھدینا

طوبی لأبناء السبیل إذا ہتدوا

و مشوا الھذا النور منقادینا

اکرم بنا رضوھا یجلو الدجی

من أحمد النوری جاء مبنا

نور الھدی بحر التقی بدر النقی

أضحیٰ لہ حفظ الإلہ معینا

ترجمہ: میں نے مارہرہ سے کوہ طور پر ایک آگ اٹھتے ہوئے دیکھی ہے میں اس کے

پاس جانا چاہتا ہوں۔ میں اس کی راہبری چاہتا ہوں۔ ہاں مبارک ہیں وہ رہبران منزل

جو اس کے پیچھے پیچھے چلیں اور راہ پائیں۔ کیسی بلند و بالا ہے وہ آگ جس کی چمک دمک

تاریکیوں کو ورش کرتی ہے۔ ہاں یہ چمک جو احمد انوری سے پھوٹ رہی ہے۔ کون احمد

انوری؟ ہدایت کا نور، تقویٰ کا دریا پاکیزگی کا ماہتاب اللہ تعالیٰ کی حفاظت ان کی مدد

فرمائے۔

شہزادہ عالی وقار کو اپنے شیخ سے ایسی محبت تھی کہ شاعری کی تو تخلص بھی نوری رکھا

داغ دل ہم نے نوری دکھا ہی دیا

درد دل کا فسانہ سنا کر چلے

مرقد نوری پہ روشن ہے یہ لعل شب چراغ

یا چمکتا ہے ستارا آپ کی پیزار کا

بلاشبہ جس کو ایسا مرشد ملا ہو وہ اپنی قسمت پر کیوں نہ نازاں ہو اور اس کی تربت کیوں نہ فروزاں ہو پھر سونے پر سہاگہ یہ کہ مختلف سلاسل طریقت میں خلافت و اجازت اپنے والد ماجد امام احمد رضا سے حاصل کی ان کی صحبت نے کندن بنا دیا اور این و آن سے بے نیاز کر دیا خود فرماتے ہیں۔

اب نہ تو وہ خودی ہی جو بے خود بنائے تھی

نہ وہ مدہوشی جو بے ہوش کئے تھی

نہ وہ جوانی کی امنگ

نہ کسی قسم کا کوئی ترنگ

(محمد مصطفیٰ رضا خاں ملفوظات حصہ اول مطبوعہ لاہور ص ۸)

اور وہ وقت بھی آیا جب امام احمد رضا دینا سے جارہے ہیں آفتاب عالم تاب غروب ہو رہا ہے بیقرار دل دوڑے چلے ریھے ہیں مگر سلسلہ بیعت بند ہو چکا ہے شہزادگان کو حکم ملتا ہے کہ وہ بیعت کریں گروہ درگروہ نے گسار چلے آرہے ہیں اور پھر بھر کے جام و سہولے جارہے ہیں ہاں ۔

ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانے میں

فقط یہ بات کہ پیرمغاں ہے مرد خلیق

ہاں شہزادہ عالی جاہ کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ والد ماجد نے خود اپنی زندگی میں اپنے سامنے بیعت کرایا پھر تو یہ سلسلہ چل نکلا اور ایسا چلا کہ ۶۰ برس تک تھمنے پر نہ آیا اور تو اور جب آپ کا وصال ہونے لگا تو دیکھنے والوں نے دیکھا کہ کلمات بیعت تلقین فرما رہے ہیں مگر سامنے کوئی نہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ لوگ جوق در جوق چلے آ رہے اور ایک ایک کو بیعت فرما رہے ہیں شاید عالم اجسام کا یہ مرشد کامل عالم ارواح اور عالم جنات میں تشنہ روحوں کو بیعت سے سرفراز فرما رہا تھا۔

وہ عاشق رسول تھا۔ عشق ہی نے اس کی زندگی کو فروزاں کیا۔ جمال مصطفیٰ کو اس نے ایک نئے زاوے سے دیکھا۔ خوب دیکھا اور خوب کہا۔

وہ حسین کیا جو فتنے اٹھا کر چلے

ہاں حسین تم ہو، فتنے مٹا کر چلے

اس کو ہر بہار، بہار مصطفیٰ میں نظر آ رہی اس کے لئے ساری بہاروں کی جان یہی بہار

ہے

زمین و آسمان کی سب بہاریں آپ کا صدقہ

اللہ اللہ محبت کی ایسی لگن کہ ۸ رسال کی عمر میں جب دوسری بار حج بیت اللہ شریف اور زیارت حرمین طیبین کے لئے حاضر ہوئے تو ایک روز غار ثور کی زیارت کے لئے چلے شوق کا یہ عالم کہ پہاڑ پر چڑھتے ہی چلے گئے جوان، تنومند انسان جو فاصلہ تین گھنٹے میں طے کرتا ہے آپ نے ڈھائی گھنٹے میں طے کر لیا اور دیکھنے والوں کو حیرت میں ڈال دیا اور جب کھر واپس تشریف لائے تو چند سیڑھیاں چڑھنا دو بھر ہو گیا بے شک عشق و محبت کے طفیل ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے۔

عشق سراپا یقین اور یقین فتح باب

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تعلق و محبت کاملہ ہی کا یہ کرشمہ تھا کہ وہ گستاخان رسول

سے کسی قیمت پر مفاہمت یا ان کے ساتھ رعایت کے روادار نہ تھے حد تو یہ ہے کہ وہ گستاخیوں کی ہاتھ کی بنی ہوئی کوئی شے استعمال نہ کرتے تھے اللہ اللہ جس نے اپنے جسم و جاں کی اس طرح حفاظت کی ہو اس کی پاکیزگی کا کیا عالم ہوگا بیشک محبوبان خدا کے لئے وہ ابر باراں تھے دشمنان رسول کے لئے وہ برق تپاں تھے خود امام احمد رضا ان کی اس صفت خاص کو یوں ذکر فرما رہے ہیں۔

شرق پہ برق گراتے یہ ہیں

وہ اتباع سنت میں پیش پیش تھا

سنت کے سانچے میں خود کو ایسا ڈھالا تھا کہ باید و شاید اس کی ایک ادا ترجمان سنت تھی سنئے:

ایک غریب جاں بلب ہے عیادت کے لئے قدم اٹھے ہیں کہ اتنے میں خبر آئی کہ گورنر یوپی ملاقات کے لئے حاضر ہو رہا ہے مگر اتباع سنت میں جو قدم اٹھ چکے تھے وہ پیچھے نہ ہٹے دیکھنے والے حیران تھے کہ کیا ہو رہا ہے آج تو وہ آ رہا ہے جس کی دید کے لئے اہل دنیا آرزوئیں کرتے ہیں مگر نہیں نہیں ان حضرات کی نظر میں آنی جانی عہدوں کی کوئی قدر و منزلت نہیں۔ ان کے مولیٰ نے ان کو وہ عزت دی ہے، زمانہ کا کوئی حادثہ اس کو متاثر نہیں کر سکتا بڑے سے بڑے عہدیدار اور وزیر بادشاہ کی مسند چھن سکتی ہے مگر ان حضرات کے دامن عصمت پہ جو ہاتھ ڈالتا ہے برباد ہو جاتا ہے سچ ہے عزت اللہ کے لئے اس کے رسول کے لئے اور مومن کے لئے ہے آج عالم و صوفی اہل دول کی طرف لپکے نظر آتے ہیں دنیوی جاہ و جلال ان کو مرعوب کئے دیتا ہے سلام اس پر جس کی نظریں دو عالم سے بے نیازانہ گزر گئیں۔

عشق و محبت نے اس کو ایسا مست و بے خود کر دیا تھا کہ نہ کسی کی جاہ و حشمت نظروں میں جھتی تھی اور نہ مال و دولت ان کے والد گرامی نے ان کو اور اپنے تمام وابستگان کو یہ نصیحت

کی تھی۔

تاکید اور سخت تاکید کی جاتی ہے کہ دست سوال دراز کرنا تو درکنار اشاعت دین و حمایت سنت میں جلب منفعت خالصہ لوجہ اللہ ہو۔ اس ہدایت و نصیحت پر ایسا عمل کیا کہ باید و شاید۔ متاع غرور سے ایسی نظریں پھیریں کہ پلٹ کر بھی نہ دیکھا۔ سنئے سنئے حج بیت اللہ شریف سے بمبئی واپسی ہے ایک مرید باصفانے ایک گراں قیمت کا اس نیت سے خریدی کہ بمبئی سے بریلی تک اس میں لے جائے راستہ میں مریدوں اور معتقدوں کو ملاتا جائے اور جب بریلی پہنچے تو یہ کارنڈر کر دئے۔ بمبئی سے روانہ ہوئے جاں نثار و فدا کار راستے میں زیارت کرتے رہے بریلی پہنچے۔ تکمیل آرزو کا وقت آ گیا ہے مرید و فاشعار دست بستہ کھڑا ہے اپنی کار خدمت اقدس میں نذر کر رہا ہے مگر ان کی نگاہ کی رفعت کا عالم نہ پوچھئے۔

وہ عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو

عجب چیز ہے لذت آشنائی

وہ حرماں نصیب اپنی کار واپس لے کر لوٹ رہا ہے۔ مگر حریم جاناں سے درس محبت لے کر لوٹ رہا ہے جس کی نگاہ میں محبوب سما جائے پھر اور کوئی نہیں سما سکتا ساری آرزوؤں کا حاصل صرف آرزو ہو جاتی ہے۔

تجھ سے مانگوں میں تجھی کو سبھی کچھ مل جائے

سو سوالوں سے یہی ایک سوال اچھا ہے

آج عالم و عامی سبھی کار کے آرزو مند ہیں۔ جس کو دیکھو دنیا کی طرف لپک رہا ہے مگر وہ گریزاں ہے ایک وہ ہیں جن کے پیچھے دنیا بھاگ رہی ہے اور دنیا سے وہ گریزاں ہیں ہزاروں سلام ہوں اس ہمت بلند پر۔ دانے ہاتھ سے لینا اور کھانا سنت ہے اس سنت سے اب عوام تو عوام خواص بھی غافل نظر آنے لگے ہیں مگر اس کی نگاہ پاک آخر تک سنت ہی کو

تکتی رہی وہ جاں سنت ہی محو تھا کوئی خلاف سنت عمل اس کو نہ بھاتا تھا لوگ تعویذ لینے آتے تھے اور تعویذ یے جاتے تھے ایک روز ایک حاجت مند آیا تعویذ جو عنایت فرمایا اس نے بایاں ہاتھ آگے بڑھا دیا آپ نے ہاتھ روک لیا برہم ہو گئے نصیحت فرمائی تنبیہ فرمائی پھر جب اس نے واہنا ہاتھ بڑھایا تو تعویذ عنایت فرمایا بظاہر بات معمولی سی ہے مگر سیرت کی پختگی کا حال انہی باتوں سے معلوم ہوتا ہے۔

وقت پر نماز ادا کرنے کا خاص اہتمام فرماتے ریل میں سفر کر رہے ہیں۔ ایک اسٹیشن پر ریل رکتی ہے۔ نیچے اترتے ہیں اور اطمینان و سکون کے ساتھ نماز شروع کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ آپ کے نزدیک چلتی ریل میں نماز پڑھنا جائز نہ تھا۔ خضوع و خشوع کا عالم ہے۔ ادھر ریل جا رہی ہے۔ مگر مجال کیا عجلت و اضطراب کا عالم نظر آئے۔ اللہ اللہ۔

قدسیوں کو بھی رشک اس جمعیت خاطر پہ ہے

کچھ نہیں کھلتا کہ میں کس کے پریشانوں میں ہوں

نماز ہوتی رہی۔ ریل چلی گئی۔ مگر چلتے چلتے رک گئی۔ آگے نہ بڑھ سکی۔ جیسے کسی غیبی

طاقت نے قدم پکڑ لئے ہوں۔ بے شک من لہ المولیٰ فلہ کل۔ جو مولیٰ کا ہو گیا ہر شے پر اس کی حکمرانی ہے۔ نماز ختم ہوئی، ریل واپس لوٹی۔ گارڈ نے معذرت کی پھر اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہوئی۔

نماز کا یہ اہتمام کرنے والا کیسے گوارا کر سکتا تھا۔ اس کے مرید نماز سے غافل ہو جائیں

ایک مرید کی نماز قضا ہو گئی جب وہ مجلس میں آیا تو منہ پھیر لیا اور بات تک نہ کی اہل محبت کے لئے یہ معمولی بات نہیں کہ محبوب کے حکم کو نظر انداز کر کے کسی قسم کی تاخر روارکھی جائے۔ نماز ہو تو وقت پر ہو۔ محبت بیدار رہنی چاہیے۔

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے

ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

آج کل پیر و فقیر اور عالموں اور عاملوں کے پاس عورتوں کا ہجوم ایک عام سی بات ہے جہاں دیکھئے منہ کھولے چلتی پھرتی اور بیٹھی باتیں کرتی نظر آئیں گی حیا اٹھ گئی انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ مگر شہزادہ امام احمد رضا کی تقویٰ شعاری ملاحظہ کریں زنان خانے میں عورتیں زیارت کے لئے حاضر ہیں انتظار ہو رہا ہے جب آپ تشریف لائے تو چند عورتوں کے نقاب اٹھے اور منہ کھلے تھے آپ نے فوراً اپنی آنکھیں بند کر لیں اور فرمایا نقاب ڈالو اللہ اللہ شریعت کی پاسداری ہو تو ایسی ہو۔

آج مسجد و معبد میں خانقاہوں میں اور درگاہوں میں ہر جگہ غیر محرم کی جلوہ گری ہے تعویذات لینے قبروں کی زیارت کرنے غول کے غول چلے آتے ہیں سب دیکھتے ہیں کوئی نہیں کہتا کہ نقاب ڈالو احساس تک جاتا رہا۔ محرمات معمولات بن کر رہ گئے انا اللہ وانا الیہ راجعون سلام ہو اس آنکھ کی عصمت پر جس نے غیر محرم کو نہ دیکھا اور اپنی نگاہوں کو محفوظ رکھا۔

تصویر کشی آپ کے نزدیک حرام تھی وہ حرام کو حرام ہی سمجھتے تھے زمانے کے کسی انقلاب نے ان کے فکر کو متاثر نہیں کیا مگر آج عالم ہی کچھ اور ہے اقبال نے سچ کہا ہے:

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

کس درجہ ہوئے فقیہان حرم بے توفیق

آپ نے ساری عمر تصویر نہ کھنچوائی مگر حج بیت اللہ کے لئے تصویر لازمی تھی کریں تو کیا کریں مولیٰ کے دربار میں مولیٰ کا نافرمان بندہ بن کر حاضر ہونا بھی کوئی حاضر ہونا ہے اللہ اللہ ان کی استقامت نے دنیا کے قانون بدل دیئے تصویر سے مستثنیٰ قرار دیا گیا اور اسی شان سے حاضری ہوئی کہ دامن عصمت پر نافرمانی کا ایک دھبہ تک نہ تھا آج جس کو دیکھو فوٹو کھنچو رہا ہے شوق و ذوق سے۔ بڑھ چڑھ کر۔ پوز بنانا کر بہت سے دامن اس داغ سے داغدار ہیں

ایسی قبیح شریعت اور قبیح سنت۔ ایسی پاک باطن اور پاک شخصیت کو ہی زیب دیتا ہے کہ مسند افتاء پر جلوہ گر ہو۔ ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹۰۸ء میں عم محترم مولانا حسن رضا خان کے وصال کے بعد دارالعلوم منظر اسلام کا اہتمام شہزادہ کبیر مولانا حامد رضا خاں کے سپرد ہوا اور شہزادہ صغیر مفتی اعظم مولانا محمد مصطفیٰ رضا خاں کو یہ خدمت تفویض کی گئی کہ ملک و بیرون ملک سے آنے والے سوالات کے لئے فتویٰ کی تیاری میں جب امام احمد رضا کے حوالے کے لئے کسی عبارت کی ضرورت ہو تو وہ کتاب نکال کر حوالے کی نشاندہی کریں اور امام احمد رضا کی خدمت میں پیش کر دیں ہاں اسی خدمت نے آپ کو مفتی اعظم بنایا اسی خدمت نے آپ کو امام احمد رضا کا دست راست بنایا اور فتویٰ نویسی کی اجازت کی یہ تقریب ہوئی کہ ایک روز دارالافتاء میں فتویٰ لکھنا تھا سب مفتی اپنی اپنی سوچ میں غلطیاں تھے آپ بھی ادھر نکل آئے اور بغیر کوئی کتاب دیکھے اسی وقت فتویٰ لکھ دیا جب امام احمد رضا کو دکھایا گیا تو حرف صحیح نکلا اس طرح آپ دارالافتاء کے مفتیوں پر سبقت لے گئے اور امام احمد رضا کی طرف سے فتویٰ لکھنے کی باقاعدہ اجازت مل گئی ایک مہر تیار کر کر دی گئی جس پر یہ عبارت کندہ تھی۔

ابوالبرکات محی الدین جیلانی آل رحمن عرف مصطفیٰ رضا یہ واقعہ ۱۳۲۸ھ کا ہے جب کہ آپ کی عمر شریف صرف ۱۸ سال کی تھی آپ دارالافتاء میں مولانا ظفر الدین بہاری مولانا امجد علی اعظمی اور مولانا برہان الحق جبل پوری کے رفیق رہے اور فتویٰ نویسی میں وہ کمال پیدا کہ پھر آپ کی نگرانی میں بیسیوں علمائے نے فتویٰ نویسی کی مشق کی اور مفتی بنے آپ کے فتاویٰ مصطفویہ کی دو جلدیں شائع ہو چکی ہیں فتویٰ نویسی کے ساتھ آپ نے درس تدریس کی طرف توجہ کی دارالعلوم مظہر اسلام قائم کیا جہاں ہندو بیرون ہند کے طلبہ علم دین حاصل کرتے ہیں آپ طلبہ پر بہت مہربان تھے فارغ التحصیل طلبہ کی دعوت کرتے اور اچھے اچھے کھانے کھلاتے۔ امام احمد رضا بھی طلبہ پر بہت مہربان تھے۔ خوشی اور تہوار کے

موقعوں پر طلبہ کو لہذا کھانے پکوا کر کھلایا کرتے تھے آپ طلبہ پر بہت مہربان تھے اور انگریزی اداروں کی تو بات ہی نہ پوچھئے یہاں طلبہ، استاد کے لئے مال تجارت بن کر رہ گئے ہیں۔ پھر طلبہ میں جذبہ اطاعت و محبت پیدا ہو تو کیوں کر ہوشیاری و شفقت و محبت ختم ہو گئی۔ شفقت عنقا ہو جائے تو محبت بھی عنقا ہو جاتی ہے۔ ہم طلبہ سے محبت مانگتے ہیں۔ مگر محبت تو خود بخود دل سے پھوٹی ہے۔ مانگنے سے نہیں ملتی۔ درس و تدریس کے علاوہ آپ نے تصنیف و تالیف کی طرف توجہ فرمائی اور بہت سے رسالے اور کتابیں شائع کیں۔ مذہبیات میں بھی اور سیاسیات میں بھی۔ امام احمد رضا کے ملفوظات چار حصوں میں مرتب کر کے مہجوروں کو امام احمد رضا کی محفل میں بٹھا دیا۔ فراق میں وصال کا لطف آ گیا جو بڑھتا ہے مجلس رضا کا خط اٹھاتا ہے اور عالم یہ ہے ہوتا ہے

کھینچی ہے سامنے تصویر یا رکیا کہنا

سیاسیات سے متعلق مولانا عبدالباری فرنگی محلی اور امام احمد رضا کے درمیان مراسلات کو الطاری الداری کے نام سے تین حصوں میں مرتب کر کے مورخین کے لئے ایک تاریخی دستاویز مہیا کر دی۔ جو پڑھتا ہے ماضی کو اس آئینے میں دیکھ دیکھ کر حیران ہوتا ہے اللہ اللہ ہم سے پہلے میدان سیاست میں کیا کیا ہو چکا ہے شہزادہ امام احمد رضا کی زندگی سراپا حرکت تھی۔ وہ ہر جگہ متحرک نظر آتی ہے۔ ابتداء سے لے کر انتہاء تک حرکت ہی حرکت۔ جب کفر و اسلام کو یکجا کیا جا رہا تھا۔ ایک نیا دین بنایا جا رہا تھا۔ تو وہی تھا جو بے تابا نہ آگے بڑھا۔ اس کو ملامت کی پرواہ نہ تھی۔ اس نے اسلام کی آبرو پر اپنی عزت و آبرو قربان کر دی اور سب کچھ لٹا کر اسلام کو بچا لیا۔ طوفانی ہواؤں میں اس نے اسلام کی شمع روشن رکھی۔ بجھا نے والوں نے اپنی سی کوشش کی مگر اس نے بھی، تن من، دھن کی بازی لگا دی اور بجھنے نہ دی۔ شاد باش اے ہمت مردانہ اور جب کفار و مشرکین نے مسلمانوں کو مرتد بنانا چاہا۔ ان کو اپنے رنگ میں رنگنا چاہا۔ ان کی تہذیب و تمدن کو مٹانا چاہا۔ تو وہی تھا جو سینہ سپر ہو کر

میدان میں آیا۔ وہ ایمان و یقین کا پاسدار تھا۔ وہ تہذیب و ثقافت کا محافظ تھا۔ اس نے ملت کی کشتی کو ڈوبنے نہ دیا۔ اس نے اللہ کے رنگ کو مٹنے نہ دیا۔ وہ انگریزوں کا خیر خواہ نہ تھا۔ وہ مسلمانوں کا خیر خواہ تھا۔ وہ مسلمانوں کا غم خوار تھا۔ عالم جوانی میں چلنے والی تحریکوں میں آگے آگے رہا۔ وہ بریلی میں قائم ہونے والی جماعت رضائے مصطفیٰ اور جماعت انصار الاسلام کا سرگرم رکن رکین تھا۔ وہ جماعت جس نے مسلمانان عالم اور مسلمانان ہند کی خیر خواہی کے لئے وہ سب کچھ کیا جو وہ کر سکتی تھی۔ جماعت انصار الاسلام کے ایک جلسے کی قرارداد کے چند نکات ملاحظہ ہوں۔ یہ نکات شہزادہ امام احمد رضا کے برادر عم زاد مولانا حسین رضا خاں (ناظم اعلیٰ جماعت انصار الاسلام) نے شائع فرمائے۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ ان کی نظر میں کس قسم کی سیاست محمود تھی اور وہ مسلمانوں کے لئے کیا درور کھتے۔

ملاحظہ ہوں۔

- (۱) حفاظت مقامات مقدسہ اور مظلومین ترک کی امداد و امانت۔
- (۲) اندرونی اور بیرونی دشمنوں سے مسلمانوں کی حفاظت۔
- (۳) معاشرتی، تمدنی، اور اقتصادی مفادات کی طرف مسلمانوں کی رہنمائی۔
- (۴) ترک و عرب اتحاد کے لئے کوشش و سعی۔
- (۵) خلاف شرع برطانوی قانون میں ترمیم کا مطالبہ۔
- (۶) مسلمانوں کو اسلامی بینک کھولنے کی ترغیب دینا۔
- (۷) تجارت بڑھانے کے لئے مسلمانوں کو شوق دلانا۔
- (۸) مسلمانوں کے لئے اسلامی خزانہ کے قیام اور بیت المال کے لئے کوشش کرنا۔

(روزنامہ پیسہ اخبار، لاہور، شمارہ ۱۳ مئی ۱۹۲۱ء)

الغرض شہزادہ امام احمد رضا نے اپنی زندگی مذہب و ملت کے لئے وقف کر دی تھی۔ وہ ساری عمر اسلام اور مسلمانوں کی خدمت، میں معروف رہی۔ انہوں نے تبلیغ و ارشاد کا حق ادا

کر دیا۔ ہاں اب وہ اپنے مولیٰ کے حضور حاضری کی تیاری میں مصروف نظر آرہے ہیں۔
 سن شریف ۹۱ ہو چکا ہے۔ ضعف و نقاہت کا عالم ہے مگر معمولات یومیہ میں فرق نہیں۔ وہی
 عبادت و ریاضت۔ وہی خدمت خلق۔ جو وقت آتا ہے وہ تو آنا ہی ہے۔ ہاں وہ وقت
 آگیا جس کے تصور سے دل کانپتا ہے اور کلیجہ منہ کو آتا ہے۔

یوں نہ پردہ کر و خدا کے لئے
 دیکھو دنیا تباہ ہوتی ہے

عزیز و اقارب حاضر خدمت ہیں۔ جاں کئی کا عالم ہے۔ اچانک ارشاد ہوتا ہے پڑھو
 پڑھو۔ حسبنا اللہ و نعم الوکیل پڑھو، سب پڑھو۔ بے شک اپنے بندوں کے لئے
 وہی کافی ہے۔

ہر جفا ہر ستم گوارا ہے
 اتنا کہہ دو کہ تو ہمارا ہے

تمام حاضرین باواز بلند حسبنا اللہ و نعم الوکیل پڑھ رہے ہیں اس کے حضور
 حاضر ہو گئے۔ اور جان عزیز جاں آفریں کے سپرد کر دی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

دل تو جاتا ہے اس کے کوچے میں

جامری جان ، جا ، خدا حافظ

اہل محبت اور ارباب وفا کے لئے یہ گھڑی کتنی کٹھن تھی۔ کچھ نہ پوچھئے

ہاں۔

زخم وہ دل پہ لگا ہے کہ دکھائے نہ بنے

اور چاہیں کہ چھپالیں تو چھپائے نہ بنے

اللہ اللہ وہ زمانے کیا ہوئے۔ وہ صورتیں کہاں گئیں؟

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں

خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں ہاں۔

گلے برقت کہ نہ آید بصد بہار دگر

۱۲ نومبر ۱۹۸۱ء بروز جمعرات رات ایک بج کر ۴۰ منٹ پر وصال ہوا۔ ہر طرف صف ماتم بچھ گئی۔ خبر ملتے ہی آنے والوں کا تانتا بندھ گیا۔ جہاز، ریل، بسیں، کاریں جس کو دیکھو بریلی کی طرف رواں دواں ہے۔ ایک سیلاب امنڈ پڑا۔ دیکھتے ہی دیکھتے شہر بھر گیا۔ ہر طرف انسان ہی انسان۔ راستے بند، چہرے اداس۔ ۱۲ نومبر ۱۹۸۱ء کو بعد نماز جمعہ اسلامیہ کالج (بریلی) کے میدان میں نماز جنازہ ہونے والی ہے گھر سے جلوس جنازہ چلا۔ تین چار میل تک جاں نثار ہی جاں نثار نظر آرہے ہیں۔ زیب سجادہ کچھو چھہ شریف، شاہ مختار اشرف اشرفی جیلانی فرائض امامت کے لئے موجود ہیں۔ نماز کے لئے صف بندی ہو رہی ہے۔ انسانوں کا ٹھاٹھے مارتا ہوا ایک سمندر ہے جو نماز کے لئے حاضر ہے۔ اشکبار آنکھوں کے ساتھ نماز جنازہ ہوئی۔ جلوس جنازہ واپس کوچہ جاناں کی طرف چلا اور پھر اس جسم نازنین کو والد ماجد امام احمد رضا کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ ہاں۔

مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو ترا

نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا

ایک محتاط اندازے کے مطابق دس لاکھ جاں نثار شریک تھے، جو ہندو بیرون ہند سے شرکت کے لئے آئے تھے۔ عالمی حکومتوں کے نمائندے اور سفرا بھی شریک جنازہ تھے۔ صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق کا تعزیتی پیغام لے کر سفیر پاکستان حاضر ہوئے اور ہندوستان کے سابق صدر فخر الدین علی احمد کی اہلیہ اہل خانہ کی تعزیت کے لئے حاضر ہوئیں۔

مسلمان تو مسلمان، غیر مسلموں نے بھی اس سوگ میں حصہ لیا اور سوگواروں کی ضیافت کی۔ بازاروں میں کڑھاؤ، چڑھاؤ اور صدائے عام دیدی۔

بے دریغ تواضع کی۔

۱۵ نومبر ۱۹۸۱ء کو فاتحہ سوم ہوئی جس میں اطراف و اکناف کے لاکھوں مسلمانوں نے شرکت کی۔ ایک اندازے کے مطابق مجلس فاتحہ میں ایک لاکھ قرآن کریم کا ثواب ہدیہ کیا گیا۔ اللہ اکبر!

ہاں وہ چلے گئے جن سے دلوں کو قرار تھا۔ مگر ان کے نشان قدم موجود ہیں۔ ان کا روئے انور سامنے نہیں۔ ان کا تصور موجود ہے۔ ان کا خیال موجود ہے۔ ہاں ان کا تصور ایک نئے عالم میں لے جا رہا ہے۔ ان کا خیال ایک نئے جہان میں لے جا رہا ہے۔ اللہ!

شام شب فرقت میں بھی انوار سحر ہیں
اے نور مجسم یہ تری یاد کا عالم

☆☆☆

مفتی اعظم ہند استقامت کا جبل عظیم

جن کے جہاد بالقلم نے دینِ مصطفیٰ کو بھاری تباہی سے بچالیا

(شیخ الاسلام علامہ محمدنی اشرفی جیلانی جانشین محدث اعظم ہند کچھوچھو شریف)

قرآن کریم نے قیامت تک کے لئے دنیوی اور آخروی اصلاح و فلاح کے لئے اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ضروری و لازمی قرار دیا ہے، اس اطاعت و اتباع کے بغیر خوش بختی و فیروز مندی اور نجات و کامرانی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، یہ ظاہر ہے کہ اطاعت تعمیل احکام اور اتباع پیروی افعال کا نام ہے بلفظ دیگر اطاعت کا تعلق اقوال سے ہوتا ہے اور اتباع کا افعال سے مثلاً میں نے کوئی حکم دیا آپ نے اس کی تعمیل کی یہ ہے اطاعت اور، میں نے کوئی عمل کیا، آپ نے اس کی پیروی کی یہ ہے اتباع۔ اور جب کہ تاقیامت خدائی قانون میں نجات و مغفرت کے لئے رسول کریم کی اطاعت و اتباع لازم ہے تو ضروری ہوا کہ تاقیامت رسول کریم کے اقوال و افعال کی حفاظت کی جائے بحمدہ تعالیٰ رب کریم نے رسول کریم کے اقوال و افعال کی حفاظت کو اپنے ذمہ کرم میں رکھا ہے، لہذا اب قیامت تک نہ تو رسول کریم کے اقوال کو مٹایا جاسکتا ہے اور نہ آپ کے افعال کو فنا کیا جاسکتا ہے۔ اقوال کی حفاظت کے لئے ابتداء بے شمار قوی الحافظہ اذہان کا انتخاب فرمایا گیا اور پھر اذہان کے ساتھ ساتھ لا تعداد دیانداروں اور تقوی شعاروں کی تحریر کردہ کتابوں کے اوراق کو یہ امانت سپرد کر دی گئی، بلکہ قدرت کاملہ نے چاہا تو اغیار کے اذہان اور ان کی کتابوں کے اوراق کو بھی اقوال رسول کی حفاظت کا ذریعہ بنا دیا ہے، رہ گئے افعال تو اذہان نہ ان کا محل بن سکتے ہیں اور نہ انہیں اوراق کتاب میں پابند کیا جاسکتا ہے، رسول کریم علیہ التیحة و التسليم کے

افعال کی طرف رہنمائی کرنے کے لئے اوراق کتاب میں جو کچھ ملتا ہے وہ صرف زاویوں کے اقوال ہیں نہ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال۔ افعال کا محل اوراق نہیں بلکہ کردار ہے۔ رب کریم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال اور اعمال کی حفاظت ہر دور میں بے شمار نفوس قدسیہ والوں کے کرداروں میں فرمائی ہے۔ خود نبی کریم کا صحابہ کرام کو نجوم ہدایت بتانا اور ان کی اقتدار پر ابھارا اپنی اہل بیت سے تمسک کو ضروری قرار دینا اور اپنی امت کے علماء کو نجوم ہدایت اور اپنا وارث قرار دینا، واضح کر رہا ہے کہ صرف کتابی اوراق ہدایت کے لئے کافی نہیں وہاں صرف اقوال ملیں گے اقوال کی عملی تشریح نہیں ملے گی۔ لیکن وہ نفوس قدسیہ جن کی محفل میں بیٹھنے سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں بیٹھنے کا اجر ملے گا جن سے مصافحہ کرنے سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کرنے کا ثواب حاصل ہو، جن کے پیچھے نماز پڑھنے والے کی یہ شان ہو گویا اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کی جن کا چہرہ دیکھیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ یاد آجائے، المختصر جن کا ہر فعل اور ہر عمل نبی کریم کے فعل و عمل کے سچی تصویر ہو، یہ وہ ہیں جو ہدایت کا کامل و مکمل ذریعہ ہیں، ان کی زبان سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال سنو اور ان کے کردار میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال دیکھو۔

ہر دور میں ان نورانی تصویروں کا وجود ضروری ہے تاکہ واضح ہوتا رہے کہ ہر دور میں خواہ وہ کتنا ہی پر آشوب دور کیوں نہ ہو اسلام پر اس کے جملہ تعینات و شخصیات کے ساتھ عمل کیا جاسکتا ہے، اب اگر کچھ لوگ عمل نہ کریں تو یہ خود ان کی غفلت و سرکشی ہے اس کی وجہ ہر گز یہ نہیں کہ اسلام اب ناقابل عمل ہو چکا ہے۔

اسی نورانی سلسلے کی ایک نورانی تصویر ہے وہ عظیم المرتبت ہستی جو دانشوران وقت اور فقیہان عہد کی محفلوں میں بھی حضور مفتی اعظم ہند کے نام سے معروف و متعارف ہے جن کی زبان اقوال رسول کے موتی لٹاتی رہی اور جس کا کردار افعال رسول کی تجلیاں دکھاتا

رہا۔

بخاری و مسلم کا سننے والا جس یقین و اذعان کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ ہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال سے اسی یقین و اذعان کے ساتھ حضور مفتی اعظم کو دیکھنے والے کو یہ حق ہے کہ کہے ہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چلتی پھرتی تصویر دیکھی۔

فرائض و واجبات و موکدات کو رہنے دیجئے، جو ہستی مباحات و فطری خواہشات میں بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و اتباع سے سرمو متجاوز نہ ہو وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی تصویر اور افعال رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا پیکر نور نہیں تو اور کیا ہے؟

واللہ یصمک من الناس

اے محبوب اللہ تمہیں لوگوں سے بچائے گا۔ آیت کریمہ کا عموم لفظ چاہتا کہ ہر طرح کی حفاظت اس کے دائرہ مفہوم میں آجاتے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ہر نبی کی دو زندگی ہے ایک ظاہری جسمانی زندگی دوسری اس کی پیغمبرانہ زندگی، ہر نبی اپنی جسمانی زندگی کے لحاظ سے آج بھی زندہ ہے مگر آج کسی نبی کا پیغام اپنی اصلی شکل و صورت میں باقی نہیں رہ گیا۔ اب اگر کسی نبی کے پیغام کا کوئی حصہ باقی بھی ہے تو وہ بھی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کا جز بن کر، مگر یہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کہ رب العزت نے اگر ایک طرف آپ کو دشمنوں کے جان لیوا حملوں سے محفوظ رکھا اور اس بات سے بے نیاز کر دیا کہ آپ اپنے ساتھ کوئی حفاظتی دستہ لے کر چلا کریں اور پھر عالم برزخ میں آپ کی حیات ظاہری کی حقیقت کو بھی باقی رکھا۔ تو دوسری طرف، قیامت تک کے لئے پیغام کی بھی حفاظت کو ذمہ کرم میں لے لیا۔

المختصر نہ لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو نقصان پہنچا سکے، نہ پیغام کو، اور نہ قیامت تک پہنچا سکیں گے، خدائے عزوجل دونوں کی حفاظت فرمانے والا ہے۔

ہاں ہر دور کے لحاظ سے حفاظت کے ذرائع مختلف رہے ہیں۔ جب منکرین زکوٰۃ نے دین میں ارتداد کا راستہ نکالنا چاہا تو خدا نے صدیق اکبر کے ذریعہ پیغام رسول کی حفاظت فرمائی۔ قیصر و کسریٰ کی مغرور طاقتوں نے اسلام کو چیلنج کیا، تو خدا نے اس کی حفاظت فرمائی، فاروق اعظم کے ذریعے۔ یوں ہی جب خوارج نے قرآنی آیات کے مفاہیم کو بدلنے کی شرمناک کوشش کی تو خدا نے پیغام مصطفویٰ کی حفاظت فرمائی۔ مولائے کائنات کے ذریعہ اسی طرح جب یزید نے سرکشی کا سراٹھایا تو خدا نے اپنا دین بچایا، حسین ابن علی کے ذریعہ ایسے ہی جب اعتزال کے فتنوں کا پانی سر سے اونچا ہونے پر آیا تو خدا نے اپنے نبی کے پیغام کی صحیح شکل و صورت کو بچایا امام احمد بن حنبل کے ذریعہ، یوں ہی، جب شہنشاہ اکبر نے دین الہی کے نام پر حقیقی دین الہی کی صورت بگاڑنی چاہی تو خدا نے اپنا دین بچایا، مجدد و الف ثانی کے ذریعہ۔ اسی طرح جب وہابیت و قادیانیت نے اپنی فتنہ سامانیوں کا مظاہرہ کیا تو خدا نے اپنا دین بچایا امام احمد رضا کے ذریعے۔

یہ چند باتیں بطور مثال تحریر کی گئیں ہیں، رب کریم نے ہر عہد میں دین کی حفاظت کے بے شمار ذرائع بنائے اور تاقیامت بنا تا رہے گا۔ ابھی چند روز کی بات ہے ایمر جنسی کے دور میں ظالم و جابر حاکموں نے ظلم و جور کی حد کر دی اور خاندانی منصوبہ بندی کے غیر اسلام نظریے کو منوانے کے لئے وہ ستم ڈھائے گئے کہ الامان والحفیظ اس جور و ستم کا نتیجہ یہ ہوا کہ علماء کی زبانیں گونگی ہو گئیں بلکہ ابن الوقت حکومت وقت کی حمایت پر اتر آئے کرائے کے مفتی مسند افتاء کی مٹی پلید کرنے لگے، ایسے خوف و ہراس کے عالم میں خدا نے اپنا دین بچایا مفتی اعظم ہند کے ذریعہ جنہوں نے اندیشہ سود و زبان سے بے نیاز ہو کر حکومت وقت کے خلاف فتویٰ دیا۔ اور سائیکلو اسٹائل کرا کے ملک کے گوشے گوشے میں روانہ کیا، چونکہ دیگر جملہ ذرائع ابلاغ و ترسیل پر گورنمنٹ کے آہنی پنجوں کا دباؤ تھا اس لئے ان کو اشاعت کا ذریعہ نہیں بنایا جاسکا۔

حضور مفتی اعظم ہند کے جرأت مندانہ اقدام نے دین مصطفیٰ کو بچا لیا جس سے دنیا پر ظاہر ہو گیا کہ مصطفیٰ رضا خاں نام ہے دین محمدی کی حفاظت کے لئے خدائی انتخاب کا۔

۳۔ عرصہ ہوا کسی کتاب میں دیکھا تھا کہ کہیں امساک باراں کے سبب بہت زبردست قحط پڑا لوگ نماز استسقاء پڑھتے رہے، اور اپنی محرومیوں پر آنسو بہاتے رہے، ایک روز سب نماز استسقاء کے لئے جمع ہوئے تھے کہ ایک درویش کو آتے دیکھا لوگ اس سے دعا کے ملتجی ہوئے اس نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور عرض کیا کہ اے اللہ میں تجھے اس امانت کا واسطہ دیتا ہوں جو میری نگاہوں میں ہے تو بارش فرما دے۔

اتنا کہنا تھا کہ ابر چھا گئے اور جھوم جھوم کے برسے قحط دور ہو گیا۔ ہر طرف شادابی و سرسبزی چھا گئی حاضرین میں سے ایک شخص اس درویش کے پیچھے لگ گیا یہاں تک کہ اس کی جھونپڑی تک پہنچ گیا۔ اور اس سے سوال کیا کہ آخر وہ امانت کون سی ہے جو آپ کی آنکھوں میں ہے اور جس کے واسطے آپ نے دعا کی تو رب کریم نے قبول فرمائی۔

درویش نے کہا میں نے آنکھوں سے بایزید بسطامی کو دیکھا ہے ان کی صورت خدا کی امانت ہے جسے میں نے نگاہوں میں محفوظ کر رکھا ہے۔ اس حکایت کو سن کر مجھے بھی اپنی فیروز بختی پر ناز کرنے دیجئے کہ میرے حاسہ بصر میں بھی کچھ نورانی صورتیں ہیں، ان تصویروں میں حضور مفتی اعظم ہند کی تصویر کی تابناکی آپ اپنی مثال آپ ہے، حضور مفتی اعظم کو میں نے بہت قریب سے دیکھا، کئی کئی دن تک ہمرکابی کا شرف بھی حاصل رہا۔ غریبوں کی جھونپڑی میں دیکھا، رئیسوں کے ایوانوں میں دیکھا، مارہرہ شریف کی خانقاہ میں دیکھا بریلی شریف کی دانش گاہ میں دیکھا۔ بریلی شریف میں ان کا مہمان رہا تو کچھوچھ شریف میں میزبانی کا بھی شرف حاصل کیا۔

المختصر بار بار زیارت کی سعادت حاصل ہوتی رہی۔ اور ذہن میں آپ کی نورانی صورت کا رنگ گہرا ہوتا رہا۔

حضور مفتی اعظم کو دیکھنے والو خدائی امانت کے امین ہونے پر مجھ سے دلی مبارکباد لو، مگر خبردار ہوشیار اس تصویر کی عظمت کو داغ نہ لگنے پائے تم خوب جانتے ہو کہ حضور مفتی اعظم ہند اس گھر میں داخل نہیں ہوتے تھے، جس میں کسی جاندار کی تصویر ہو، لہذا تم پر لازم ہے کہ اپنے دل و دماغ کو غیر شرعی تصورات سے پاک و صاف رکھو تا کہ یہ تصویر ہمیشہ بہشت فکر و نظر بنی رہے، یہ امانت خداوندی غیر شرعی خیالات کے ساتھ کب تک رہ سکے گی۔ رفتہ رفتہ تمہیں اس سے محروم کر دیا جائے گا اور پھر کف افسوس ملنے کے سوا تمہارے پاس کوئی چارہ کار نہ ہوگا۔ غور تو کرو جس کمرے میں کعبہ و گنبد خضرا کی تصویریں آویزاں ہوں کیا یہ مناسب ہے کہ اس میں بتوں یا صنم کدوں کے نقشے لٹکائے جائیں؟

اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم

اس آیت کریمہ میں صراط مستقیم پر چلنے کی دعا تعلیم فرمائی گئی ہے، نیز یہ واضح کیا گیا ہے کہ صراط مستقیم وہی راستہ ہے جس پر انعام والے چلتے ہیں، یہاں انعام سے وہ مخصوص انعام مراد ہے جس سے انبیاء کرام صدیقین، شہداء اور صالحین سرفراز فرمائے گئے۔

مجھ سے مت پوچھئے کہ حضور مفتی اعظم ہند پر رب کریم کی مخصوص نوازشات کا عالم کیا تھا، جس کا باپ امام احمد رضا ہو وہ امام احمد رضا جسے عارفین غوث اعظم کی روشن کرامت رسول اعظم کا عظیم معجزہ اور قادر مطلق کی قدرت کاملہ کی بہترین نشانی قرار دیتے ہوں، کس کا بھائی حسن صورت و جمال سیرت اور کمال علم و فضل کا وہ پیکر نور ہو کہ دنیا سے حجۃ الاسلام کہہ کر بھی شرمندہ رہی کہ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔ جس کا بھتیجا آج تک مفسر اعظم ہند کے نام سے جانا جاتا ہو۔

جس کا پیر شیخ الشیوخ نور الانوار سید السادات آیت ربانی سرالہی آسمان طریقت کانیر اعظم اور شاہ برکات کے انوار و برکات کا امین ہو یہ پیکر نور خود بھی نوری کہلایا اور حضور مفتی اعظم کو بھی نوری بنا گیا۔

اک طرف رکھ دو ان انتسابات کی عظمتوں کو اور خود اس عظیم ممدوح کے کمال و جمال پر غور کرو علم و دانش کی وہ کون سی محفل ہے جس کا وہ تاجدار نہیں تھا؟ تقویٰ و طہارت، زہد و قناعت شرافت و کرامت مجاہد و ریاضت اصابت و استقامت ذکاوت و فراست کی وہ کون سا ہرہ ہے جہاں اس کے نقوش قدم نہیں ملتے؟

ہمارا ممدوح خلقاً خلقاً منطقاً اپنے آپ کی سچی تصویر تھا۔ الولد سرلابیہ کی ایسی بے داغ تفسیر آسانی سے دیکھنے کو نہیں ملتی، آج خوارق عادات کو معیار بنا کر لوگوں کے مقامات کو متعین کیا جاتا۔ خرق، عادت تو کسی کے ایمان کی بھی دلیل نہیں پھر اسے کسی کے متقی ہونے کی دلیل کیسے قرار دیا جاسکتا ہے، ہمارے ممدوح کی سب سے بڑی کرامت ہر حال میں شریعت پر اس کی استقامت ہے۔

وہ اسلام کا بطل جلیل اور استقامت کا ایسا جبل عظیم تھا کہ نازک سے نازک وقت میں بھی اس کے پیروں میں لغزش نہ آسکی۔

حضور مفتی اعظم کے ایک فتویٰ کی تصدیق فرماتے ہوئے ایک مرتبہ مخدوم الملت حضور محدث اعظم ہند نے صرف ایک جملہ تحریر فرمایا تھا اور وہ یہ ہے

هذا حکم العالم المطاع و ما علینا الا الاتباع

یہ ایک عالم مطاع کا حکم ہے اور ہمارے لئے اتباع کے سوا کوئی چارہ کار نہیں، کلام کی عظمت متکلم کی عظمت سے پہچانی جاتی ہے اگر یہ کسی ایسے ویسے کا کلام ہوتا تو اس لائق نہ ہوتا کہ اس پر کسی کلام کی بنیاد رکھی جائے۔ مگر یہ اس کا کلام ہے جو صرف یہی نہیں کہ سید المتکلمین، سندا محققین سرآمد علماء و صوفیاء، سراج خانوادہ اشرفیہ تھا بلکہ خود حضور مفتی اعظم ہند کی بے پناہ عقیدت و محبت اور لازوال نیاز مند یوں کا قبلہ و کعبہ تھا میرا خیال ہے کہ آج تک حضور مفتی اعظم کا تعارف کراتے ہوئے جو کچھ لکھا گیا ہے اور آئندہ جو کچھ لکھا جائے گا۔ ان سب کو اگر ایک پلڑے اور حضور محدث اعظم کے قلم سے نکلے اس فقرے کو دوسرے

پلڑے پر رکھ دیا جائے تو اس کا وزن زیادہ ہوگا۔ ہم اس عظیم فرد کے فضل و کمال کا کیا تعارف کرا سکیں گے، جسے حضور محدث اعظم ہند جیسی شخصیت کی زبان بھی عالم مطاع واجب الاتباع قرار دے۔

یہ دلیل ہے کہ حضور مفتی اعظم ہند کی اتباع عین اتباع رسول تھی، ورنہ اسے محدث اعظم ہند جیسا فقیہ و محدث واجب قرار نہ دیتا۔ عشق رسول کے سمندر میں ڈوب کر زندگی بسر کرنے والے حضور مفتی اعظم ہند کے لئے آل رسول فرزند بتول کی یہ عظیم شہادت کیا کچھ کم اہمیت رکھتی ہے؟ بریلی شریف کے افق سے اٹھنے والا یہ سحاب رحمت اٹھا اور اٹھتا ہی چلا گیا۔ بڑھا اور بڑھتا ہی چلا گیا۔ پھیلا اور پھیلتا ہی چلا گیا۔ برسا اور برستا ہی چلا گیا۔ دین و دیانت اور علم و دانش کی کھیتیاں سرسبز و شاداب ہو گئیں۔ امام احمد رضا کی آواز مفتی اعظم کی شکل میں ہند و بیرون ہند کے لاتعداد شہروں اور بے شمار قریوں میں پہنچی۔

وہ کنواں نہ تھے کہ لوگ وہاں جا کر پیاس بجھاتے بلکہ وہ بادل تھے ہر جگہ خود ہی جا کر برس آتے۔

اپنوں پر برسے غیروں پر برسے، پہاڑوں پر برسے، وادیوں پر برسے، صحراؤں پر برسے، شہروں پر برسے، ایوانوں پر برسے، جھونپڑیوں پر برسے، یہی وجہ ہے کہ۔
جب وہ نگاہوں سے روپوش ہوئے تو دنیا چیخ پڑی۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق ۰۲ لاکھ انسانوں کا جم غفیر ہر طرف سے اکٹھا ہو گیا۔

حضور مفتی اعظم ہند کی آخری خواہش تھی کہ میری نماز جنازہ آل رسول فرزند غوث اعظم پڑھائے رب کریم نے اپنے فضل و کرم سے پوری فرما دی۔ اور فرزند غوث الثقلین سجادہ نشین آستانہ عالیہ اشرفیہ سرکار کلاں مولانا سید مختار اشرف اشرفی البھیلانی دامت برکاتہم العالیہ کو کچھو چھو شریف سے بریلی شریف پہنچا دیا۔ جس خدا کی رضا میں حضور مفتی اعظم ہند نے اپنی ساری زندگی گزار دی۔ وہ خدا حضور مفتی اعظم ہند کی رضا کی تکمیل کو

اپنے ذمہ کرم میں کیوں نہ رکھتا؟

المختصر جس پہلو اور جس گوشے سے دیکھا جائے اس اعتراف کے بغیر چارہ کار نہیں کہ حضور مفتی اعظم ہند کی ذات قدسی صفات پر رب کریم کی بے حد نوازشیں تھیں۔ اس کا فضل خاص ہمیشہ ان پر سایہ فلکین رہا۔ اور خدائے تعالیٰ نے انہیں مخصوص انعام والوں میں رکھا جن کا راستہ ہی سیدھا راستہ ہے۔

سیدھے راستے کی تلاش میں سرگرداں رہنے والو! آؤ صراط مستقیم کو حضور مفتی اعظم کی شکل و صورت میں دیکھ لو۔

قرآن کریم کے الذین انعمت علیہم میں حضور مفتی اعظم کو داخل فرما کر رب کریم نے انہیں جو عظمت و رفعت بخشی ہے اس کا اظہار ناممکن ہے۔

ماہنامہ استقامت ڈائجسٹ کانپور، ماہ مئی ۱۹۸۳ء



مفتی اعظم ہند

(ڈاکٹر غلام محیٰ انجم جامعہ ہمدرد، نئی دہلی)

مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا قادری رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ رب العزت نے بیشمار خوبیوں سے نوازا تھا روحانی و جسمانی ہر اعتبار سے وہ قدرت خداوندی کا بہترین شاہکار تھے علم و فضل کے بے بہا دولت کے ساتھ خالق کائنات نے حسن و جمال کا انھیں وہ انمول خزانہ عطا کیا تھا جس کی نورانی شعاعوں سے کفر کی تاریکی چھٹی اور ایمان کا اجلا پھیلتا دیکھا گیا کئی لوگ صرف آپ کا دیدار کرتے ہی وارفتگی شوق کے ساتھ حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے علم اور فقیری دونوں دو چیزیں ہیں ان دونوں کا اجتماع اگر کسی انسان میں ہو جائے تو وہ بڑا اہم انسان تصور کیا جاتا ہے۔ ایسے کمیاب مگر اہم لوگوں میں حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ بھی تھے جن کی شخصیت علم و کمال اور فقر و غنا کا حسین سنگم تھی۔ قلم اٹھایا تو علوم و فنون کے دریا بہ گئے میدان عمل میں آئے تو ملت اسلامیہ کے لئے قابل تقلید نمونہ بن گئے اللہ کی مرضی کے لئے جینا اور اس کی رضا جوئی میں زندگی کی سانس سانس کا محاسبہ کرنا مفتی اعظم ہند میں دیکھا گیا متقی و پرہیزگار کی داستان سے کتابیں بھری پڑی ہیں لیکن اس صدی میں تقویٰ و طہارت کو جن چند مایہ ناز شخصیات پر ناز تھا ان میں ایک آپ بھی تھے زاہد و عابد تو بہت دیکھے گئے لیکن زہد جس پر نازاں تھا وہ پارسا۔ اہل علم نے آپ کی فقاہت کا لوہا مانا عوام نے آپ کے زہد و اتقاء کو معیار شرافت جانا، بہر حال علم ہو یا عمل ہر اعتبار سے آپ کی ذات بابرکت عوام و خواص دونوں کے لئے متعمم تھی۔

شریعت مطہرہ سے سرمو انحراف کرنا تو درکنار کسی کو کرتے ہوئے دیکھنا بھی گوارا نہ کرتے عوام و لوگ دو گر غلط کرے کوئی۔ ان کی زندگی میں ہر طرح رچا بسا تھا تصنع اور ظاہری

بناوٹ سے قطعی گریز کرتے جو کچھ دل میں ہوتا وہی زبان پر لاتے، دوسرے نام نہاد علماء سے مفتی اعظم ہند کا رویہ قطعی مختلف تھا۔

واعظان پند ونصیحت بر سر منبر می کنند

چوں بخلوت می روند آن کار دیگر می کنند

کے مزاج قطعی مخالف تھے جو ایسا کرتا اس کی اصلاح کرتے اتباع شریعت میں ان کی زندگی کا ہر لمحہ بسر ہوتا، تبلیغ وہ دوسروں ہی کو نہیں کرتے بلکہ وہ خود اپنے آپ کو عملی نمونہ بنا کر پیش کرتے ان کا قدم کبھی شریعت کے خلاف نہیں اٹھا، خلوت و جلوت میں ان کا عمل یکساں تھا اتباع شریعت میں ذاتی نفع و نقصان کا خیال ہرگز نہ فرماتے تمام شرعی امور کو بحسن و خوبی انجام دینے کی کوشش کرتے وہ چھوٹی چھوٹی باتیں جنہیں معمولی سمجھ کر علماء صرف نظر کر جاتے ہیں مفتی اعظم ہند اس پر سختی سے کار بند تھے زنان خانہ میں عورتیں زیارت کے لئے حاضر ہیں انتظار ہو رہا ہے جب آپ تشریف لائے تو چند عورتوں کے نقاب الٹے اور منہ کھلے تھے آپ نے فوراً آنکھیں بند کر لیں اور فرمایا نقاب ڈالو نقاب ڈالو پھر عورتوں نے نقاب ڈال لیں پھر بہت دیر تک ان عورتوں پر لعن طعن کرتے رہے اللہ اکبر شریعت کی پاسداری ہو تو ایسی ہو۔

احتیاط کا یہ عالم کہ علاج و معالجہ میں بھی تقویٰ اور اتباع شریعت کا بھرپور خیال رکھتے انگریزی دوائیوں سے آپ گریز کرتے کیونکہ اس کے اجزاء میں بہت سی ایسی چیزیں شامل ہوتی ہیں جن کا استعمال شرعی اعتبار سے مناسب نہیں ہوتا اسی وجہ سے آپ انگریزی علاج کو ناپسند فرماتے زندگی کے آخری ایام میں اعزہ کے اصرار پر آپ نے انگریزی علاج شروع کیا تو جب تک ہر دوا کے بارے میں پوچھ کر اطمینان نہ کر لیتے استعمال نہ فرماتے یہی وہ تقویٰ شعاری تھی جس کے سبب عوام و خواص سب کی نگاہیں آپ کی طرف لگی تھیں لوگ پروانہ وار آپ کے قدموں پر نثار ہوتے اس دور میں جتنے صاحب سلسلہ تھے آپ ہی

کے حلقہ ارادات سے وابستہ تھے مرید ہونے والوں کی تعداد لاکھوں میں تھی لوگ جوق در جوق پروانہ وار آپ کے دامن ارادت سے کیوں وابستہ ہوتے اس سلسلہ میں اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے۔

ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانے میں

فقط یہ بات کہ پیر مغان ہے مرد خلیق

إنما يخشى الله من عباده العلماء: اہل تقویٰ ہی وہ لوگ ہوتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کا زیادہ ڈر غالب رہتا ہے مفتی اعظم ہند دراصل وہ علم و فضل پر فائز ہونے کے ساتھ ساتھ زہد و اتقاء کے بھی عظیم منصب پر بھی فائز تھے فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے تصویر کشی مناسب نہیں سمجھتے تھے کسی جرم کا ارتکاب کر کے کسی نفع کے حصول کے آپ ہرگز روادار نہیں تھے تصویر نہیں کھینچوائی اللہ رب العزت کی بارگاہ میں عریضہ پیش کیا حکومت ہند کو بھی آپ کی ارادہ و منشاء کا احترام کرنا پڑا۔ بغیر تصویر کھینچوائے پاسپورٹ بنا ج کیلئے تشریف لے گئے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے سچ فرمایا ہے

توانیز گردن از حکم داور مپیچ

کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

زندگی بھرا اتباع احکام الہی کرتے رہے اتباع سنت میں زندگی کا ہر لمحہ بسر ہوا ان کے جائز ارادوں کی تکمیل کیونکر نہ ہوتی ان کی استقامت علی الحق نے دنیا کے قانون بدل دیئے تصویر سے مستثنیٰ قرار دیا گیا اور اسی شان سے حاضری ہوئی کہ دامن عصمت پر نافرمانی کا ایک دھبہ تک نہ تھا۔

مفتی اعظم ہند بڑے باپ کی اولاد تھے امام احمد رضا کی علمی عبقریت کا ڈنکا ہر چہار دانگ عالم میں بج رہا تھا ان کی عظمت و جلالت کے اعتراف کے لئے یہی کیا کم تھا لیکن آپ نسبی جاہ و شہ پر عز و افتخار کے قطعی مخالف تھے ”پدرم سلطان بود“ کے نہیں بلکہ ان

اکرمکم عند اللہ اتقا کم کی تصویر تھی آپ کے اطوار و کردار بود و باش، رفتار و گفتار، نشست و برخاست سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کا علم ہوتا تھا کوئی ادا ایسی نہیں جو سنت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے مخالف ہو، ان کی ذات سے اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے سوتے جاگتے کھاتے پیتے شرعی مسائل معلوم ہوتے تھے ان کے طور طریقوں کو دیکھ کر زندگی کے صحیح طریقوں کا علم ہوتا تھا حضرت علامہ مفتی عبدالمنان اعظمی فرماتے ہیں:

میں نے مفتی اعظم کو زندگی کے تمام شعبوں میں دیکھا ہے مگر ہر جگہ ہر وقت سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق پایا، مبارکپور کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جمعہ کا دن تھا راجہ مبارک شاہ کی مسجد نمازیوں سے کچھا کھچ بھری ہوئی تھی باہر دھوپ کی شدت تھی مفتی اعظم ہند ایک صاحب کے ساتھ اندر تشریف لائے اور لوگوں کے پیچھے صف میں بیٹھ گئے یہ تھا مفتی اعظم ہند کا عمل آج ہم دھوپ کی شدت کی تاب نہ لا کر لوگوں کی گردنوں کو پھلانگتے ہوئے جگہ کی تلاش میں آگے بڑھ جاتے ہیں اور گنجائش نکال کر وہاں بیٹھ جاتے ہیں جب کہ شریعت کے بموجب کسی کی گردن پھلانگ کر کے آگے بڑھنا صرف فعل غیر مناسب ہی نہیں بلکہ ارتکاب جرم بھی ہے مسئلہ تو سب پڑھتے ہیں مگر پڑھنے کی حد تک عمل کتنے لوگ کرتے ہیں؟

مفتی اعظم ہند کی ذات گرامی ان لوگوں میں سے تھی جو خود بھی عمل کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اس پر عمل کرواتے تھے بالفاظ دیگر ان کی ذات گرامی دوسروں کے لئے مینارہ ہدایت تھی اور وہ بھی اس طرح کہ تصویر کھینچنا کھنچوانا تو کجا جس گھر میں تصویر لگی ہوتی اس میں بیٹھنا تو درکنار داخل ہونا بھی پسند نہیں فرماتے۔

احمد آباد اپنے ایک عقیدت مند کے یہاں دعوت طعام میں تشریف لے گئے صاحب خانہ کے دروازے تک پہنچ کر آپ کے قدم رکے گئے صاحب خانہ حیرت میں پڑ گئے آخر بات کیا ہے اور آپ کے قریب پہنچ کر گھر کے اندر تشریف لے چلنے کی درخواست کی حضور

مفتی اعظم ہند نے فرمایا تمہارا مکان صنم خانہ بنا ہوا ہے یہ سنتے ہی وہ تیزی کے ساتھ اندر گئے اور دیوار پر لگی ہوئی ساری تصاویر ہٹائیں تب کہیں جا کر حضور مفتی اعظم گھر کے اندر داخل ہوئے زہد و پارسائی کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہو سکتی ہے ابھی اس امکان میں داخل بھی نہیں ہوئے مگر من جانب اللہ انہیں یہ احساس پہلے ہی ہو گیا، ان کے اسی زہد و اتقاء کو دیکھ کر محدث اعظم ہند کچھ چھوٹی چھوٹی علیہ الرحمہ نے مہربانی میں فرمایا تھا:

آج کل دنیا میں جن کا فتویٰ سے بڑھ کر تقویٰ ہے ایک شخصیت مجدد ماتہ حاضرہ کے فرزند ولید کا پیارا نام مصطفیٰ رضا ہے جو بے ساختہ زبان پر آتا ہے اور زبان سے بیٹھار برکتیں جنم لیتی ہیں نور چشم اعلیٰ حضرت راحت دل حسنگان مفتی اعظم بنام مصطفیٰ شاہ زمن اور حضور مفتی اعظم ہند کے ایک شرعی فتویٰ پر آپ محدث اعظم ہند نے ہی یہ تحریر فرمایا تھا:

هذا القول العالم المطاع و ماعلینا الا الاتباع

یہ ایک ایسے عالم کا قول ہے جن کی اطاعت لازمی ہے

۱۔ استفاد مفتی اعظم نمبر ۵۵

محدث اعظم ہند اور دوسرے ارباب فضل و کمال اس قدر اہم باتیں لکھنے پر اس لئے مجبور ہوئے تھے کہ ان کا ہر لمحہ شریعت مطہرہ کی کسوٹی پر صحیح اترتے ہوئے دیکھا تھا اور بار بار دیکھا تھا اس لئے مفتی اعظم ہند کے بارے میں ایسے جملے یہ حضرات بڑے اطمینان و سکون کے ساتھ فرمایا کرتے تھے۔

مفتی اعظم ہند اتباع سنت شریعت میں بڑے اطمینان و سکون کا مظاہرہ فرماتے نماز کا اہتمام ہر حالت میں یکساں فرماتے۔ سفر ہو یا حضر نماز کی ادائیگی اطمینان و سکون کے ساتھ کرنے کی عادت تھی۔

ایک بار کا ذکر ہے کہ آپ ناگپور سے تشریف لے جا رہے تھے راستہ میں کسی اسٹیشن پر گاڑی رکی مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا ساتھ میں معتقدین کی ایک جماعت تھی نماز کی

ادائیگی کے لئے سب لوگ ٹرین سے اتر پڑے، ٹرین اپنے وقت پر چل پڑی کچھ بد عقیدہ لوگوں نے بھپتیاں کیں کہ میاں گاڑی میں آپ کا اور آپ کے ہمراہیوں کا سامان ہے نماز سے فراغت کے بعد دیکھا تو پلیٹ فارم سے ٹرین جا چکی تھی لوگوں کا سامان اسی گاڑی پر تھا، سب لوگ بے حد متروک تھے مگر مفتی اعظم ہند بہت مطمئن تھے ابھی سب لوگ سوچ ہی رہے تھے کہ سامان کا کیا ہوگا؟ اتنے میں دیکھا کہ گاڑی صاحب بھاگے چلے آ رہے ہیں اور ان کے پیچھے پچاسوں مسافر دوڑے آ رہے ہیں گاڑی نے کہا حضور گاڑی رک گئی ہے حضرت نے فرمایا کیا انجمن خراب ہو گیا ہے؟ آخر حضرت ڈبے میں بیٹھے انجن بدلا گیا اور اس طرح ۴۵ منٹ تاخیر کے بعد گاڑی چلی۔

مولانا عبدالمجیبی مشائخ قادریہ ص ۱۵۵ دہلی

حضور مفتی اعظم ہند کشور ولایت کے تاجدار تھے شریعت و طریقت کے تابعدار تھے اپنے ہوں یا بے گانے سب کے لئے ان کی شخصیت ضیاء بار تھی ہندو مسلمان سب کے لئے ان کا دربا کھلا رہتا تھا ان کے تقویٰ و تقدس کو دیکھ کر ہر شخص ان کی بارگاہ میں آتا اپنی عرضی پیش کرتا مفتی اعظم تعویذ دے کر دعاؤں سے نوازتے اس دعا اور تعویذ میں نہ جانے کتنی تاثیر ہوتی کہ دعا کرانے اور تعویذ لینے والوں کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہوا، یہ خدمت ان کی قوم کے لئے مفت تھی اس پر کبھی کسی قسم کی اجرت کے طالب نہیں ہوئے آپ کی بارگاہ پر لگی بھیڑ میں روز افزوں اضافہ ہوتا رہا۔

روحانی حسن و جمال کے ساتھ جسمانی حسن و جمال کا عالم یہ تھا کہ مشتاقان دیدار گلی کو چوں میں بھیڑ لگائے کھڑے رہتے اگر اس راستہ سے آپ کی آمد کی خبر ہوتی تو نگاہیں فرش راہ کر لیتے اور جب تک نگاہوں سے اجھل نہیں ہو جاتے ممکنہ بنی باندھ کر دیکھتے رہتے علماء و فضلا آپ کی خدمت میں حاضری اپنے لئے باعث عز و افتخار تصور کرتے کیونکہ مفتی اعظم صرف تعویذ نویس ہی نہیں بلکہ تقویٰ و پرہیزگاری میں اپنی مثال آپ ہونے کے

ساتھ علم و دانش کے بھی آفتاب تھے ہزاروں علماء کو سند خلافت و اجازت سے سرفراز فرمایا تھا۔ آپ کی مقبولیت دیدہ و روں کے سامنے روز روشن کی طرح عیاں تھی جس طرح پردہ فرمانے سے پہلے ظاہری حالت میں لاکھوں انسانوں کے دلوں کو سرور بخش رہے تھے ٹھیک اسی طرح آج لاکھوں نہیں بلکہ اس سے کہیں زیادہ چاہنے والے آپ کے مزار پر انوار سے اپنی آنکھوں کو نور اور دلوں کو سرور بخش رہے ہیں۔

مفتی اعظم جب تک زندگی کی قید و بند میں تھے عبقری ضرور تھے لیکن نگاہوں سے اوجھل ہونے کے بعد جب آپ کی شخصیت کو ریسرچ و تحقیق کا موضوع بنایا گیا تو وہ حقائق جہتوں سے ریسرچ و تحقیق کر کے یہ ثابت کر دیا گیا کہ مفتی اعظم ان باکمال افراد میں سے ہیں جو اپنے کارناموں کے سبب پہلے بھی زندہ تھے اور آج بھی زندہ ہیں بلاشبہ وہ خورشید ہدایت تھے اور خورشید ڈوبتا ہے فنا نہیں ہوتا۔

جہاں میں مرد حق میں صورت خورشید جیتے ہیں

ادھر ڈوبے ادھر نکلے ادھر ڈوبے ادھر نکلے

مفتی اعظم ہند کی تقویٰ و پارسائی ضرب المثل تھی تقویٰ کا یہ معیار تو کجا علماء میں کم دیکھا ایک بار آپ نے وضو فرمایا کتھا بالکل مختصر چھنگلی کے ناخن میں لگا رہ گیا آپ نے امامت کی پھر ہاتھ کی چھنگلی کو دیکھتے ہوئے فرمایا چھنگلی کے ناخن میں پان کا کتھا لگا رہ گیا ہے پھر سے وضو کروں گا اور پھر سے نماز ہوگی۔

اسی تقویٰ ہی کے نتیجے میں سیکڑوں کافر آپ کی نورانی شکل و صورت دیکھ کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

فیضان مفتی اعظم ص ۲۹



پندرہویں صدی کا مجدد

مولانا توصیف رضا خاں صدر جمعیت العوام بریلی شریف

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ النبی الامین الکریم
أما بعد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم إن اللہ یبعث لهذه الأمة
علی رأس کل مائة سنة من یجد دلها أمر دینها (سنن ابی داؤد)
حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ اس امت کے لئے ہر سو برس
پر ایک مجدد بھیجتا رہے گا جو ان کے لئے اس کا دین تازہ کرتا رہے گا۔

معزز حضرات:- میں نے بحوالہ ابو داؤد شریف جس حدیث پاک کو اپنا
موضوع سخن بنایا ہے اس میں مخبر صادق (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہر صدی کے آغاز پر ان
فیروز بختوں کی بعثت شریفہ کا ذکر فرمایا ہے جو تجدید کے منصب جلیل پر فائز ہوتے ہیں اور
انہیں مجدد کا لقب دیا جاتا ہے۔ مجدد کا منصب اور اس کا دائرہ کار و اختیار سمجھنے کے لئے
ضروری ہے کہ پہلے مفہوم تجدید ذہن نشین کر لیا جائے۔ سراج منیر میں ہے۔ معنی
التجدید الإحياء مما إندرس من العمل بالكتاب والسنة والأمر
بمقتضاها۔ تجدید دین سے مراد یہ ہے کہ کتاب سنت کی منشاء کے مطابق حکم جاری کرنا
اور کتاب و سنت سے متعلق امور جو مٹتے جا رہے ہوں انہیں زندہ کرنا علامہ مناوی فرماتے
ہیں۔ أی یبین السنة من البدعة و یذل أهلها۔ یعنی مجدد دین سے غیر ضروری

باتیں جو شامل ہوگئی ہوں انہیں نکالتا ہے اور ضروری باتیں جو باہر ہو چکی ہوں انہیں دین میں داخل کرتا ہے اور اہل بدعت کو رسوا کرتا ہے۔ علماء کی تصریحات کی روشنی میں مجدد وہ مرد مجاہد ہوتا ہے جو ضروری اور غیر ضروری امور میں خط امتیاز کھینچ دیا کرتا ہے۔ حاملین شریعت و عاملین رشد و ہدایت کی اعانت کرتا ہے۔ بدعتیوں اور گمراہ گروں کے مکروہ و پرخشونت چہروں کو اہل دنیا کے روبرو کر کے انہیں ذلیل و خوار کرتا ہے۔ مجدد کا منصب یہی ہے۔ ملت اسلامیہ کی ہمہ گیری اس کا دائرہ کار و اقتدار ہے۔ مجدد وقت کا ماہر طبیب، فنکار جراح ہوتا ہے۔ جس کے سر پر دوہری ذمہ داری ہوتی ہے۔ زخم دل پر مرہم کاری کی، اور محل فساد پر نشتر زنی کی۔ جبکہ عہد ماضی میں دین اسلام کی حقانیت و صداقت کو صفحہ ہستی سے نیست و نابود کرنے کے لئے طاغوتی طاقتوں نے خم ٹھونک کر سر ابھارا۔ (۱) حکم بنانا شرک ٹھہرایا گیا (۲) مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نبوت کا ہم شریک بتایا گیا۔ (۳) قرآن کے مکمل محفوظ ہونے پر اعتراض ہوا اور اسے مخلوق کہا گیا۔ (۴) تناسخ کے ممکن اور عرش اعظم کے قدیم ہونے کی ہوا باندھی گئی۔ (۵) بندے کو اپنے افعال کا خالق بتایا گیا (۶) حساب و کتاب و میزان و پل صراط کی کوئی حقیقت نہیں۔ (۷) زکوٰۃ دینا فرض نہیں، بندہ مجبور محض ہے۔ (۸) جنتیوں کے لئے سونا، مرنا دونوں ہوں گے۔ (۹) بعد ایمان کوئی چیز فرض نہیں۔ شیطان کا کوئی وجود نہیں۔ (۱۰) جنت و دوزخ روز قیامت پیدا کئے جائیں گے اور یہ دونوں فانی ہیں (۱۱) جو صرف لا الہ الا اللہ کہہ لے پھر جو چاہے کرے اس پر عذاب نہیں۔ (۱۲) اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے مقبول اور نافرمانی سے گنہگار نہیں (۱۳) ایمان عمل صالح کا دوسرا نام ہے وغیرہ وغیرہ۔ کیا وقت کی ایسی خشمکیں نکالیں دیکھ کر کوئی سوچ بھی سکتا تھا کہ اسلام اپنے پورے وجود کے ساتھ باقی رہے گا؟ مگر نہیں! اس پر آشوب ماحول میں وہ نفوس قدسیہ بھی موجود تھے۔ جنکی ہر جنبش لب فرمان رسالت اور ہر ادا سنت مصطفیٰ ہوتی تھی۔ جن کی رضا رضائے الہی اور خوشنودی رسالت

پناہی (صلی اللہ علیہ وسلم) تھی۔ جنہوں نے شرانگیز فتنوں سے سینہ سپر ہو کر مقابلہ کیا اور ان کے خروج کا انسداد باب کیا، جان و مال، عزت و آبرو کی قربانی سے دریغ نہ کیا۔ قید و سلاسل کے صعوبت انگیز مراحل سے گذرتے رہے، اپنوں اور غیروں کی تیز و تند مخالفتیں برداشت کرتے رہے لیکن دین مستقیم کی حفاظت و صیانت میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ رکھا بلکہ حق و باطل میں وہ امتیازی لکیر کھینچ دی ہیں جس کی محتاج آج تک امت مسلمہ ہے۔ پہلی صدی سے موجودہ پندرہویں صدی تک مجددین کا ایک طویل سلسلہ چلا آ رہا ہے اور قیامت تک چلتا رہے گا۔ اس سلسلہ الذہب کا آغاز عمر بن عبدالعزیز سے ہے اس لئے آپ ہی مجدد مآتہ اولیٰ ہیں۔ مجدد مآتہ ثانیہ امام شافعی، مجدد مآتہ ثالثہ قاضی ابوالعباس بن شرح شافعی اور امام ابوالحسن اشعری و محمد بن جرید طبری ہیں۔ مجدد مآتہ رابعہ امام ابو بکر باقلانی اور ایویطیب صعلو کی وغیرہما ہیں۔ مجدد مآتہ خامسہ امام محمد بن غزالی، مجدد مآتہ سادسہ امام فخر الدین رازی، مجدد مآتہ سابعہ امام تقی الدین، مجدد مآتہ ثامنہ زین الدین عراقی، شمس الدین جززی سراج الدین بلقینی ہیں۔ مجدد مآتہ ناسعہ امام جلال الدین سیوطی اور علامہ شمس الدین سخاوی ہیں۔ مجدد مآتہ عاشرہ شہاب الدین رطلی، ملا علی قاری ہیں، مجدد مآتہ حادی عشر امام ربانی شیخ احمد سرہندی اور محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور میر عبدالواحد بلگرامی صاحب سبع سنابل شریف ہیں۔ مجدد مآتہ ثانی عشر سلطان دین پرور ابو المظفر محی الدین اورنگ زیب عالمگیر، شاہ کلیم اللہ چشتی دہلی اور قاضی محبت اللہ بہاری ہیں۔ مجدد مآتہ ثالث عشر شاہ عبدالعزیزی صاحب محدث دہلوی ہیں، مجدد مآتہ رابع عشر مؤید ملت طاہرہ صاحب تصانیف قاہرہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت ہیں، مجدد مآتہ خامس عشری السنّت قانع البدعت حامی الاسلام ماحی الاظلام، مرجع الانام، حجتہ اللہ و حجتہ الاسلام، جبل استقامت، مصدر کرامت، منبع فیض و برکت، آیت من آیات اللہ، عالم قبحر، امام احمد رضا کے فرزند ارجمند، نوری میاں مارہروی کے پسر و لبند، مفتی اعظم اسلام، مرکز خواص و عوام

جناب والا اعلیٰ واولیٰ، ولی حق تعالیٰ، نائب رسول اللہ، علامہ وفہامہ، مولانا مولوی الحاج
 الشاہ ابوالبرکات محی الدین آل رحمان محمد مصطفیٰ رضا خاں صاحب نوری بریلوی ہیں۔
 متعنا اللہ ببرکاته وحشرنا یوم القیامۃ تحت آیاتہ۔ مجدد کی شناخت
 معاصرین کے غلبہ ظن اس کے قرآن و احوال اور اس کے علوم نافعہ سے ہوتی ہے۔ مجدد
 علوم دینیہ ظاہرہ و باطنہ کا علام ہوتا ہے اور وہ ناصر سنت و قاطع بدعت ہوتا ہے۔ مجدد کبھی
 ایک ہوتا ہے جیسے عمر بن عبدالعزیز بالاتفاق پہلی صدی کے مجدد اور امام شافعی دوسری صدی
 کے مجدد ہیں۔ ان کے ہم عصر علماء میں اعلم و افضل ہونے میں محققین کا اجماع ہے اور کبھی
 دو یا جماعت ہوتی ہے۔ لیکن واضح رہے کہ مجددیت کی شرطیں ہیں (۱) جس صدی کا وہ
 مجدد ہے اس کی ابتداء میں وہ موجود ہو (۲) جس صدی میں وہ پیدا ہوا اس صدی میں وہ
 معروف و مشہور اور دین کی قوت و استحکام کا سبب ہو (۳) حاکم امر بالمعروف اور نہی عن
 المنکر ہو (۴) علوم و فنون میں علماء کا مشارالہ ہو (۵) سنت کو ظاہر اور بدعت کو ختم کرتا ہو۔
 مجدد کا وجود انہیں شرائط خمسہ سے مشروط ہوتا ہے۔ ہمارا ممدوح پندرہویں صدی کا مجدد
 ہے۔ اس لئے کہ وہ پندرہویں صدی میں بقید حیات رہ کر علماء معاصرین کا مشارالہ بنا
 رہا۔ چودہویں صدی ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ میں آپ پیدا ہوئے۔ بانوے سال کی عمر شریف
 پائی اور پندرہویں صدی ۱۴ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ میں اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔ سال
 بھر کی عمر میں مرشد برحق کی طرف سے جمیع سلاسل کی اجازت حاصل ہوئی۔ مرشد نے ماور
 زاوولی کہا۔ اجابت رحمت نے قبول فرمایا۔ چودہویں صدی کی انتہا اور پندرہویں صدی کی
 ابتدا تھی کہ آپ کا علمی غلغلہ خاکدان گیتی کے ہر گوشہ میں پھیل چکا تھا۔ آپ کا امر بالمعروف
 اور نہی عن المنکر ضرب المثل ہے۔ آپ ہر علم و فن میں معاصرین کے محتاج الیہ رہے، اماطہ
 بدعت اور استحکام سنت آپ کا نصب العین تھا۔ شریعت و طریقت کے امام اور حقیقت و
 معرفت کے محرم اسرار تھے۔ آج کے اس تاریخی اجلاس میں اپنے عظیم ممدوح مجدد مآتہ

خامس عشر کے جمال و کمال پر جب ہم نظر کرتے ہیں تو ہمیں علم و دانش کی کوئی بزم ایسی نہیں ملتی ہے جس کا وہ تاجدار نہ ہو، تقویٰ و طہارت، زہد و قناعت، شرافت و کرامت، مجاہدہ و ریاضتِ اصابت و استقامت، ذکاوت و فراست کی وہ کون سی شاہراہ ہے جہاں اس کے نقوش قدم نہیں ملتے۔؟ ہمارا ممدوح خلقتاً و خلقاً و منطقاً اپنے باپ مجدد رابع عشر امام احمد رضا کی سچی تصویر تھا، مجدد ابن مجدد اور الولد سر لایبہ کی بیدارغ تفسیر اور اسلام کا بطل جلیل، استقامت کا ایسا جبلِ عظیم تھا کہ نازک تر وقت میں بھی اس کے پیروں میں لغزش نہ آسکی۔ آج خوارقِ عادات کو معیار بنا کر لوگوں کے مقامات کی تعین کی وبا عام ہو چکی ہے چاہئے تو یہ تھا کہ ان لوگوں کے مقامات کے عرفان کے ذریعہ ان سے ظاہر ہونے والے خوارقِ عادات مقام کو متعین کیا جاتا۔ خرقِ عادت تو کسی کے ایمان کی بھی دلیل نہیں پھر اسے کسی کے متقی ہونے کی دلیل کیسے قرار دیا جاسکتا ہے، ہمارے ممدوح کی سب سے بڑی کرامت ہر حال میں شریعت پر اس کی استقامت ہے الاستقامة فوق الكرامة واللہ یعصمک من الناس اے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تمہیں لوگوں سے بچائے گا، آیت کریمہ کا لفظ عموم چاہتا ہے کہ ہر طرح کی حفاظت اس کے دائرہ مفہوم میں آجائے۔ تفصیل یہ ہے کہ ہر نبی کا دور زندگی دو قسم کا ہے۔ ایک ظاہر جسمانی زندگی، دوسری اس کی پیغمبرانہ زندگی ہر نبی اپنی جسمانی زندگی کے لحاظ سے آج بھی زندہ ہے۔ مگر آج کسی نبی کا پیغام اپنی شکل و صورت میں باقی نہیں رہ گیا اب اگر کسی نبی کے پیغام کا کوئی حصہ باقی بھی ہے تو وہ بھی ہمارے نبی کے پیغام کا جز بن کر لیکن یہ ہمارے نبی کی خصوصیت ہے کہ رب کریم نے اگر ایک طرف آپ کو دشمنوں کے جان لیوا حملوں سے محفوظ رکھا اور اس بات سے بے نیاز کر دیا کہ آپ اپنے ساتھ حفاظتی دستہ لے کر چلا کریں اور پھر عالم برزخ میں آپ کی حیات ظاہری کی حقیقت کو بھی برقرار رکھا تو دوسری طرف قیامت تک پیغام کے لئے بھی حفاظت کو ذمہ کرم میں لے لیا، المختصر! نہ لوگ رسول کریم کی ذات کو نقصان

ہو نچا سکے نہ پیغام کو اور نہ قیامت تک پہنچا سکیں گے۔ خدائے عزوجل دونوں کی حفاظت فرمانے والا ہے۔ ہاں! ہر دور کے لحاظ سے حفاظت کے ذرائع مختلف رہے ہیں، جب منکرین زکوٰۃ نے دین میں ارتداد کا راستہ نکالنا چاہا تو خدا نے صدیق اکبر کے ذریعہ پیغام رسول کی حفاظت فرمائی، قیصر و کسریٰ کی مغرور طاقتوں نے اسلام کو چیلنج کیا تو خدا نے اس کی حفاظت فرمائی۔ فاروق اعظم کے ذریعہ یوں ہی جب خوارج نے قرآنی آیات کے مفاہم کو بدلنے کی شرمناک کوشش کی تو خدا نے پیغام مصطفویٰ کی حفاظت فرمائی مولائے کائنات کے ذریعہ، اسی طرح جب یزید نے شرکشی کا سراٹھایا تو خدا نے اپنا دین بچایا۔ حسین ابن علی کے ذریعہ ایسے ہی جب اعتزال کے فتنوں کا پانی سر سے اونچا ہونے پر آیا تو خدا نے اپنے نبی کے پیغام کی صحیح شکل و صورت کو بچایا۔ امام احمد بن حنبل کے ذریعہ یوں ہی جب شہنشاہ اکبر نے دین الہی کے نام پر حقیقی دین الہی کی صورت بگاڑنی چاہی تو خدا نے اپنا دین بچایا۔ مجدد الف ثانی کے ذریعہ اسی طرح جب وہابیت و قادیانیت نے اپنے فتنہ سامانیوں کا مظاہرہ کیا تو خدا نے اپنا دین بچایا۔ امام احمد رضا کے ذریعہ یوں ہی جب ایمر جنسی کے دور میں ظالم و جابر حکمرانوں نے ظلم و جفا کی حد کر دی اور خاندانی منصوبہ بندی کے غیر اسلامی نظریہ کو منوانے کے لئے ستم بالائے ستم ڈھانے لگے، نتیجہ یہ ہوا کہ علماء کی زبانیں گونگی ہو گئیں۔ بلکہ ابن الوقت حکومت وقت کی حمایت پر اتر آئے، کرائے کے مفتی مسند افتاء کی مٹی پلید کرنے لگے ایسے خوف و ہراس کے ماحول میں خدا نے اپنا دین بچایا۔ مجدد خامس عشر حضور مفتی اعظم اسلام کے ذریعہ جنہوں نے اندیشہ سود و زیاں سے بے نیاز ہو کر حکومت کے خلاف فتویٰ دیا۔ مجدد ابن مجدد کے جرأت مندانہ اقدام نے دین مصطفیٰ کو بھاری تباہی سے بچالیا۔ جس سے دنیا پر ظاہر ہو گیا کہ مصطفیٰ رضا خاں نام ہے دین محمدی کی حفاظت کیلئے خدائی انتخاب کا۔

ماخوذ از تجلیات مفتی اعظم ہند مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی

حضرت نوری بریلوی کی شاعرانہ پیکر تراشی

(مولانا محمد قمر الحسن بستوی ایم اے علیگ)

یہ مقالہ امام احمد رضا قدس سرہ کے چھوٹے صاحبزادے عارف باللہ علامہ اجل حضرت شاہ مصطفیٰ رضا خاں قادری برکاتی معروف بہ مفتی اعظم ہند متخلص بہ نوری بریلوی علیہ الرحمہ کی شاعری کے متعلق ”حضرت نوری بریلوی کی شاعرانہ پیکر تراشی“ کے عنوان سے ترتیب دیا گیا ہے۔ جس میں اسلوب نعت کی رواداری کے ضمن میں کلام کی پیکریت پر بحث کی گئی ہے۔ (راقم غفرلہ)

نبی مرسل صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے اِنَّ مِنَ الْبَيَانِ سِحْرًا وَاِنَّ مِنَ الشَّعْرِ حِكْمًا (۱) اس حدیث کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بعض بیانات میں جادوئی اثر اور بعض اشعار میں حکمت و دانائی ہوتی ہے۔ اس کا ثبوت شعرائے متقدمین و متاخرین کے دواوین ہیں جن کو دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ اشعار نے وقت پر کتنا اہم کارنامہ انجام دیا ہے اور کیسے کیسے ماحول کی کاپاپلٹ کی ہے۔ اس دعویٰ کے پیش نظر نظامی عروضی سمرقندی کے یہ خیالات بڑی اہمیت کے حامل ہو جاتے ہیں۔

شاعری صناعتی ست کہ شاعر بدارا صناعت اتساق مقدمات موہمہ کند و التیام قیاسات منتجہ برآں وجہ کہ معنی خرد را بزرگ گرداند و معنی بزرگ را خرد و نیکو را در خلعت زشت باز نماید و زشت را در صورت نیکو جلوہ کند و بایہام تو تہائے غضبانی و شہوانی را بر انگیزد تا بدارا ایہام طباع را انقباضی و انبساطی بود و امور عظام را در نظام عالم سبب شود (۲)

شاعری ایک ایسی صنعت ہے کہ شاعر اس سے مقدمات موہمہ کی تربیت اور قیاسات منتجہ کی آمیزش ایسے طریقہ پر کرتا ہے کہ چھوٹے معنی کو بڑا کر دیتا ہے اور بڑے کو

چھوٹا نیز عمدہ کو برے لباس میں ڈھال دیتا ہے اور قبیح صورت کو جمال میں جلوہ گر کر دیتا ہے۔ ایہام کے ذریعہ قوت غضبانی و شہوانی ابھارتا ہے تاکہ اس ایہام سے طبیعت کو سرور و انبساط حاصل ہو اور نظام عالم میں بڑے کاموں کی دلیل بنا دے۔

شاعری کی تنوعات میں نعت، قصیدہ، مثنوی، رباعی، غزل اور نظم وغیرہ بھی آتے ہیں۔ ان جملہ اصناف میں پیکر تراشی کی قدریں کچھ زیادہ ہی قدیم ہیں۔ خصوصاً قصائد کی تشبیہ اور غزل میں پیکر کا عنصر بہت پرانا ہے۔ مثلاً عربی شاعر ابو طیب احمد بن حسین جعفی معروف بہ متنبی (متوفی ۳۵۴ھ) نے اپنے ایک قصیدہ کے تشبیہ میں ممدوح کو ایک ایسے نورانی پیکر میں ڈھالا ہے جہاں ظلمتوں کا گزر نہیں ہوتا۔

أمن ازديارك في الدجى الرقباء

اذ حيث كنت من الظلام ضياء (۳)

ترجمہ:- شب تاریک میں اب رقیب میری ملاقات کے بارے میں مامون ہو گئے کہ میں تجھ سے نہیں مل سکتا۔ کیونکہ تو تاریکیوں میں جہاں کہیں ہوتا ہے روشنی ہی روشنی ہوتی ہے۔ پھر ایک دوسرے قصیدہ میں جو سیف الدولہ کی بہن کے انتقال پر مرثیہ کہا ایک بڑی دلکش پیکر تراشی کی ہے۔ جس کا شعر یہ ہے۔

حتى إذا لم يدع صدقه أملا

شرق بالدمع حتى كاد يشرق بي (۴)

ترجمہ:- یہاں تک کہ جب اس متوفی کی موت کی سچی خبر نے میرے لئے کوئی امید نہیں چھوڑی تو کثرت اشک کے باعث مجھے اُچھو ہو گیا۔ یہاں تک کہ قریب تھا کہ میری وجہ سے آنسوؤں کو اُچھو لگنے لگے۔

اس شعر میں حسی پیکر تراشا گیا ہے۔ آنسوؤں کو اُچھو لگنا ایک علامتی پیکر بنایا گیا اور اس کی تجسیم کے بعد پھر اس کی لمسی پیکریت اجاگر ہوئی۔

اسی طرح فارسی شاعری میں بھی پیکریت کا تصور بہت پہلے سے موجود ملتا ہے اور ان تصورات کی چاندنی ہر جگہ سجائی نظر آتی ہے۔ فارسی کا قدیم صاحب دیوان شاعر ابو عبد اللہ جعفر بن محمد بن حکیم بن عبدالرحمان بن آدم معروف بہ رودکی (متوفی ۳۲۹ھ) سامانی دور کے حکمران اپنے ممدوح نصر بن احمد سامانی کی مدح میں ایک قصیدہ کے اندر کہتا ہے۔

(۱) ریگ آموی و درشتی راہ او

زیر پایم پر نیاں آید ہمی

(۲) میر ماہ ست و بخارا آسمان

ماہ سوی آسمان آید ہمی

(۳) میر سروست و بخارا بوستان

سرو سوئے بوستان آید ہمی (۵)

ترجمہ:- (۱) دریائے آموی کی سخت ریت میرے پیروں میں پر نیاں بگر آ رہی ہے۔

(۲) میر چاند ہے اور بخارا آسمان، چاند آسمان کی طرف آ رہا ہے۔

(۳) میر سرو ہے اور بخارا باغچہ سرو باغچہ کی طرف آ رہا ہے۔ ان تمام اشعار میں

ریت کا پر نیاں سے شخص کا ماہ و سرو سے استعارہ پیکریت کا گل کھلا رہا ہے۔ اور اس میں پیکر تراشی کے نوری اور حسی تماشیل تراشے گئے ہیں۔

نعت کے ساتھ جملہ اصناف میں پیکر تراشی کا تصور تقریباً ہر دور میں پایا جاتا رہا ہے۔

اس طرح کی شاعری میں پیکریت کا دائرہ بہت وسیع ہوتا ہے۔ کیونکہ فکر کے دائرہ عمل کی کوئی حد متعین نہیں ہوتی۔ اس لئے حسی مادی اور دیگر طرح کے پیکر تراشنے میں کوئی قباحت لازم نہیں آتی۔ مثلاً غالب کے ان اشعار کو دیکھئے

رگ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو پھر نہ تھمتا

جسے غم سمجھ رہے ہو وہ اگر شرار ہوتا
 دل مرا سوز نہاں سے بیمحا باجل گیا
 آتش خاموش کی مانند گویا جل گیا
 مجھے اب دیکھ کر ابر شفق آلود یاد آیا
 کہ فرقت میں تیری آتش پرستی تھی گلستان پر
 ان اشعار میں رگ سنگ سے لہو کا ٹپکنا، غم کا شرارہ ہونا، آتش خاموش کے مانند
 جلنا، فرقت میں گلستاں پر آتش کا برسنے آتشیں پیکر تراشے گئے ہیں اور استعاروں سے
 پیکریت کا کام لیا گیا ہے۔

اسی طرح مومن کی شاعری میں پیکریت کا جو گھما گھمی دکھائی پڑتی ہے وہ بھی اسی وسیع
 دائرہ فکر کی ایک تابندہ تصویر ہے۔ ان اشعار کو دیکھئے۔

اس غیرت ناہید کی ہر تان ہے دیپک
 شعلہ سا لپک جائے ہے آواز تو دیکھ
 نامہ روے میں جو لکھا تو یہ بھیگا کاغذ
 کہ بنا ہم گہر صفحہ دریا کاغذ

ان دونوں شعروں میں استعارہ کے زور جادو سے لطیف پیکر تراشے گئے
 ہیں۔ کیونکہ پہلے شعر میں مغنیہ کا ناہید فلک سے استعارہ کیا گیا ہے جس میں ہر تان ایک
 شعلہ کی مانند لپکتی ہے اور دوسرے شعر میں آنسو کا گہر سے اور کاغذ کا دریا سے، اس طرح پیکر
 تراشی کے مفہوم کو ایک وسیع و عریض میدان فراہم ہو رہا ہے۔ مگر۔ نعتیہ شاعری میں پیکر
 تراشی محدود ہوتی ہے کیونکہ استعارہ سے حاصل شدہ مفاہیم میں اگر ذرا سی کمی ہوئی یا کچھ
 زیادتی ہوئی تو تنقیص و غلو کی وجہ سے بہر نوع ایمان کے جانے کا خطرہ برقرار رہتا ہے۔
 ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ پیکریت کی ہر نوع کو بقریۃً ادب صنف نعت میں جگہ دی جاسکتی

ہے۔ خواہ حسنی یا مجرد یا ماڈی مگر نعتیہ شاعری میں پیکریت کی جملہ ساماں طرازیوں اس وقت دو بالا ہو جاتی ہیں جب پیکر تراشی میں بے مثلیت کا تصور ابھر کر نظروں میں آتا ہے۔ اسلئے کہ نعت کے علاوہ جتنی بھی اصناف سخن ہیں ان کی شاعرانہ تلک میں محبوب کے لئے تشبیہات و استعارات میں ہر مشبہ بہ اور مستعار منہ کا استعمال جائز ہے لیکن نعتیہ شاعری میں پیکر تراشی کے لئے بے مثلیت درکار ہوتی ہے۔ اسی لئے کہ ممتنع النظر ذات کے لئے لفظوں کا توازن غیر معتدل اور سقیم نہیں ہونا چاہئے۔ جیسی بے مثل ذات ہو اسی طرح متوازن، واقع، پاکیزہ اور خوبصورت الفاظ کا ذخیرہ فراہم کیا جائے۔

میں پیکر تراشی پر روشنی ڈالنے سے پہلے اس امر کی وضاحت ناگزیر سمجھ رہا ہوں کہ پہلے شاعر کا مستوی مقرر کیا جائے پھر اس تناظر میں اس کے کلام کا جائزہ لیا جائے چونکہ سخن کی جملہ اصناف کے لئے معیار شاعری کیا ہوتا ہے یہ قریب قریب واضح ہے۔ جیسا کہ نظامی عروضی سمرقندی کا خیال ہے۔

”اما شاعر باید کہ سلیم الفطرۃ عظیم الفکرۃ صحیح الطبع جید الذوہ و یہد قیق النظر باشد۔
در انواع علوم متنوع باشد و در اطراف رسوم مستطرف زیرا کہ چنانکہ شعر در ہر علمی بکار
ہمی شود ہر علمی در شعر بکار ہی شود (۶)

”لیکن شاعر کو چاہئے کہ سلیم الفطرۃ، بلند فکر، صحیح طبیعت، عمدہ خیال اور دقیق نظر ہو۔
اقسام علوم میں متنوع اور رسموں کے پرونے میں فائدہ گیر ہو۔ کیونکہ جس طرح شعر کا مقام
علوم میں کام پڑتا ہے اسی طرح شعر میں تمام علوم کی ضرورت ہوتی ہے۔“

نعتیہ شاعری کے لئے خط کشیدہ عبارت ”در انواع علوم متنوع و در اطراف رسوم
مستطرف“ سنگ میل کا درجہ رکھتی ہے۔ اس لئے کہ اس میں اگر علمی تنوعات کا فقدان ہوگا تو
لامحالہ کہیں نہ کہیں ٹھوکر لگے گی اور شعر کا قالب بجائے مدح کے ذم کا لباس پہن لے
گا۔ اس لئے خصوصاً علم قرآن، علم حدیث، علم تفسیر، علم فقہ، علم کلام، علم منطق و فلسفہ پر یہ

طولی ہونا ضروری ہے۔ اگر شاعران سے معتد بہ حصہ نہیں رکھے گا تو اشعار میں تازگی و شگفتگی، لذت سوختگی اور محبت و اطاعت کے جذبات کا انگیز کما حقہ نہیں ہو سکے گا بلکہ اشعار لفظوں کی مربوط شکل تو ہوں مگر شعریت سے عاری۔

پیکر تراشی پر بحث:- قدیم شاعری میں جیسا کہ میں نے عرض کیا پیکر تراشی کے نمونے ضرور ملتے ہیں۔ تشبیہات و استعارات کے روپ میں ان کی جلوہ گری نظر آتی ہے۔ مگر جدید شاعری میں یہ اصطلاح انگریزی ادب کے لفظ امیجری (IMAGERY) سے لی گئی ہے جیسا کہ خورشید احمد صدیقی کا خیال ہے کہ:

”انگریزی تنقید کے اثر سے اردو میں IMAGE (ایمچ) کا تصور اب غیر معروف نہیں رہا۔ اس کا ترجمہ اردو والوں نے پیکر، نقش، تمثال یا شبیہ کیا ہے۔ لیکن پیکر ہی کا چلن اب زیادہ ہو گیا ہے۔“ (۷)

مگر۔ عبد النعیم عزیزی کا خیال ہے کہ:

”اردو شاعری میں پیکر کی اصطلاح انگریزی ادب سے لی گئی ہے۔ جدید اردو شعراء کے یہاں پیکر تراشی کا رجحان زیادہ ہے اور جدید شاعری کی پیکریت میں تصویر حسن، خیال کی ندرت اور تلازموں کی فضا سے معنویت بڑھی ہے، اور اس نئی شاعری کے پیکر اپنے دور کے تہذیبی اور معاشرتی حالات کا نتیجہ ہیں۔“ (۸)

پیکر تراشی کی اب تک کوئی جامع تعریف نہیں کی گئی ہے جس سے اس کا کلیہ احاطہ کیا جاسکتا ہے البتہ ارباب نقد نے کچھ اس طرح اظہار خیال فرمایا ہے۔ خورشید احمد صدیقی رقم طراز ہیں۔

”اب تک پیکر کی کوئی ایسی تعریف نہیں پیش کی جاسکی جسے سب مانتے ہوں۔ مثال کے طور پر کلٹن تجریدی الفاظ (مثلاً سچائی وغیرہ) میں بھی پیکر کی موجودگی تسلیم کرتے ہیں جب کہ شریبرا سے تشبیہ اور استعارے تک ہی محدود رکھنا چاہتے ہیں۔ اور کچھ لوگ ایسی

تشبیہوں کو جو ہمارے حواس خمسہ کو متاثر نہیں کرتیں (مثلاً اتنا پیاسا تھا میں اس دن جتنا چاہ
کا مارا ہوا) پیکر کے زمرے سے خارج سمجھتے ہیں۔

ہمارے نزدیک پیکر کی آسان تعریف۔ جذبات انگیز حسیاتی لفظی تصویر ہے“ (۹)
عبدالنعیم عزیزی نے پیکر کی تعریف سے متعلق مندرجہ ذیل ناقدین کی آراء جمع کی
ہیں۔

۱۔ ”مس ڈانی (MISS DAWNEY) کا خیال ہے کہ پیکر کو محض مادی یا مادی تصویر
کی حیثیت سے نہیں دیکھنا چاہئے۔ جس میں ایک قسم کی حسی خصوصیت ہوتی ہے۔

۲۔ مس اس پر جیون (Miss Spurgeon) پیکر کی اصطلاح تشبیہ، استعارہ، اور ان
کے تمام مرکبات یا ان جیسی چیزوں کے لئے استعمال کرتی ہیں۔

۳۔ سی۔ ڈے لیوس (C. Day Lewes) کا خیال ہے کہ پیکر لفظوں سے بنائی گئی
تصویر ہے۔ اور اس خصوصیت کی وجہ سے فوگل (Fogle) پیکر کو شاعری کے حسی عناصر
قرار دیتا ہے“ (۱۰)

مگر پروفیسر عنوان چشتی نے پیکر کے تعلق سے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ یوں
ہیں۔

”پیکر تراشی کا عمل شاعر کے تخلیقی عمل سے وابستہ ہے۔ وہ مادی اشیاء حقائق اور
احوال کو اپنے تخلیقی سفر کا نقطہ آغاز بناتا ہے۔ اور ادراک کو جذبے، اور جذبے کو تخیل سے
ہمکنار کرتا ہے۔ تخیل ادراک اور جذبے کے کیف مرکب میں رنگ بھرتی ہے اور اس کو نئی
معنویت عطا کرتی ہے۔ شاعر کی تخلیقی قوت اس کو ذہنی پیکروں میں اور علامتوں میں تبدیل
کرتی ہے۔ اس عمل میں شعور اور لاشعور ایک دوسرے سے اشتراک کرتے ہیں۔ مختصراً کہا
جاسکتا ہے کہ تخلیقی عمل کے دوران شاعر کا سفر خارج سے باطن کی طرف اور پھر باطن سے
خارج کی طرف ہوتا ہے۔

پہلی منزل میں شاعر ادراک، تاثیر اور کیفیات کو تجرید عطا کرتا ہے اور پھر ذہنی پیکروں کو لسانی پیکریت میں تبدیل کر کے اس تجرید کی تجسیم کرتا ہے۔ اس لئے ذہنی پیکروں اور لسانی پیکروں میں نامیاتی تعلق ہے۔ لسانی پیکر ذہنی پیکر کا خارجی روپ ہوتا ہے۔ (۱۱)

ان خط کشیدہ تحریروں میں پیکر تراشی کے جن خدو خال کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اس سے پیکریت کی بھرپور عکاسی ہوتی ہے۔ خارج سے باطن کی طرف سفر کے دوران شاعر کی فکر تجریدی مراحل کو عبور کرتی ہے۔ جس میں مادیات کو تجریدی قالب میں ڈھال کر اس میں فنون شعر کی سرطرازیوں کی جاتی ہیں۔ پھر یہی عمل جب تجرید سے مادیات کی طرف منتقل ہوتا ہے تو اس میں جاذبیت، حسن جمالیاتی عناصر اور مشمولات جیسے بیشار پیکر ابھرتے ہیں۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی پیکر تراشی پر نظر ڈالتے ہوئے اس کی تعبیر ان مختصر لفظوں میں پیش کرتے ہیں۔

”شاعر کے فنی پہلو میں پیکر تراشی بنیادی حیثیت رکھتی ہے اور اس کا ہیولی شاعر کے ذاتی اور اجتماعی تجربات کے ہاتھوں تیار ہوتا ہے۔ (۱۲)

گویا ڈاکٹر عبادت بریلوی کے نزدیک پیکر تراشی کے لئے ذاتی اور اجتماعی تجربات کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس تناظر میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ موصوف پیکر تراشی کو ذاتی آہنگ تک مقید رکھنا چاہتے ہیں۔ اگرچہ اس کے داخلی اور خارجی احساسات وسیع تر ہوں۔ تاہم رنگ و جمال کے تار و پود یا تصورات سے محسوس ہیولی جات اس وقت تک وجود پذیر نہیں ہو سکتے جب تک شاعر کا ذاتی تجربہ اس میں ماہیت بن کر شامل نہ ہو۔

مذکورہ بالا بیانات میں پیکر کی جو آئینہ بندی کی گئی ہے ان میں حس کو محور قرار دیا گیا ہے۔ مگر شمال یا پیکر کا صرف حس ہونا کوئی ضروری نہیں بلکہ ذہنی بھی ہو سکتا ہے۔ ابن فرید کا خیال ہے کہ:

”تمثال کے بارے میں ایلیٹ (Eliot) اور ایزرا پائونڈ (Ezrapound) وغیرہ نے اس امر پر زور دیا ہے کہ یہ صرف حسی نہیں ذہنی بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن نہ صرف یہ لوگ بلکہ ٹوئی (Tuve) اور کرموڈ (Kermod) بھی جب تفصیل میں جاتے ہیں تو ان کی ذہنی تماثلیں حسی تمثال تک ہی محدود ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اس لئے تمثال کو حواس خمسہ سے غیر متعلق کرنا اسے اس کے فطری حسن سے محروم کر دینا ہے اور یہ کسی طرح ممکن بھی نہیں ہوتا“۔ (۱۳)

ان تمام بحثوں کا مدار پیکریت کے اس خدو خال کو اجاگر کرتا ہے جس کا محور حس ہے اگرچہ اس میں ذہنی احساسات اور ذاتی و خارجی ادراکات و تجربات کو داخل کر لیا گیا ہے مگر تعریف کی فصل ممیز اس کو نہیں بنایا جاسکتا۔ بلکہ پیکریت کا مفہوم اخذ کرنے کے لئے فن کی اصطلاحات کا سہارا بھی لینا پڑتا ہے جن کو تعریف کی جنس قربت کہا جاسکتا ہے۔ مثلاً استعارہ، کنایہ، تشبیہ، علامت، اسم، فعل و صفت وغیرہ جیسا کہ خورشید احمد صدیقی کا خیال ہے:

”پیکر کی تخلیق استعارہ، کنایہ، تشبیہ، علامت اسم فعل، صفت وغیرہ سے ہوتی ہے۔ ان میں استعارات و تشبیہات، کنایات اور افعال پیکر سازی کے بہترین وسائل ہیں۔“ (۱۴)

پیکریت کی تقسیم:- پیکر کی دو قسمیں کی جاسکتی ہیں (۱) بسیط پیکر (۲) مخلوط پیکر

بسیط پیکر:- کسی بھی حقیقت کو تخیل کے ذریعہ بے پناہ وسعت مل جائے۔ اس سے متعلق اس سے جو پیکر ابھرے گا وہ بسیط پیکر ہوگا۔ یا کسی ماہیت کو قوت تخیل کے ذریعہ منفرد حس کا لباس پہنایا جائے۔

مخلوط پیکر:- جب کئی پیکر ایسے ہوں جو مختلف حواس سے متعلق ہوں اور سب

مل کر ایک پیکر کھڑا کریں تو وہ مخلوط پیکر ہوگا۔

پھر بسیط پیکر کی حواس خمسہ کے اعتبار سے پانچ قسمیں ہوتی ہیں۔

(۱) **بصری پیکر** :- جس کا تعلق قوت باصرہ سے ہوتا ہے کہ قوت متخیلہ حالات و واقعات، رنگ و حرکت سے پیکر بنائے۔

(۲) **لمسی پیکر** :- جو قوت لامسہ پر موقوف ہو کہ کسی شے کو چھونے یا سردی و گرمی سے قوت خیالیہ اس کو اخذ کرے۔

(۳) **مذوقی پیکر** :- جو قوت ذائقہ کو متاثر کریں کہ قوت خیالیہ چکھنے سے اس کو حاصل کرے۔

(۴) **مشامی پیکر** :- جو قوت شامہ سے متعلق ہو کہ کسی خوشبو یا اس کے لوازمات سے قوت متخیلہ مشام کو متاثر کرے۔

(۵) **سماعی پیکر** :- جس کا تعلق قوت سامعیہ سے ہے یعنی کسی صوتی حسن و آہنگ یا حالات و واقعات سے قوت سامعہ متاثر ہو۔ اس مذکورہ تمہید کے بعد اب میں آپ کی توجہ نوری بریلوی علیہ الرحمہ والرضوان کی شاعری میں پیکر تراشی کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ مگر شعری نقد سے پہلے شاعر کی ذاتی زندگی کا جاننا گزیر ہے۔ تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ جس کی شاعری پر بحث کی جا رہی ہے اس کی زندگی کا معیار کیا تھا:

حضرت نوری بریلوی علیہ الرحمہ :- جب بھی کسی شخص کی شاعری اور اس کی فکری کاوش کا جائزہ لینا ہو تو یہ امر ضروری ہوتا ہے کہ اس کے گرد و پیش پائے جانے والے اس ماحول کو دیکھا جائے جس میں اس کی جولانی طبع افکار کی موتی ناری ہے۔ کیونکہ ماحول کا شعر پر بہت گہرا اثر پڑتا ہے۔ شاعر جب اپنے گرد و پیش سے متاثر ہوتا ہے تو اس کے کلام میں سوز و شگفتگی دونوں ایک ساتھ جنم لیتی ہیں۔ اس تناظر میں حضرت نوری بریلوی علیہ الرحمہ کے تاریخی پس منظر کا خاکہ سجانا بھی از بسکہ ضروری ہے۔

marfat.com

Marfat.com

حضرت نوری بریلوی علیہ الرحمہ نے ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ ۷ جولائی ۱۸۹۳ء کو بروز جمعہ اس خاکدان گیتی میں آنکھ کھولی۔ (۱۵) ۱۳۲۸ء میں تعلیم مکمل فرمائی۔ یہ وہ دور تھا جس میں ہندوستان کے اندر اسلامی قدروں کا استحصال ہو رہا تھا ایک طرف انگریز سامراج تھا اور دوسری طرف ہندو تو اس سازشی جال بچھایا جا رہا تھا۔ پھر ۱۳ محرم الحرام ۱۳۰۲ھ ۱۲ نومبر ۱۹۸۱ء کو آپ نے رحلت فرمائی۔

(۱۷) اس ۹۲ سال یا ۸۸ برس کا جو ماحول ہندوستان کی تاریخ میں گذرا وہ کوئی ایسا نہ تھا جس میں گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر ضربِ کلیسی کا شغف رکھا گیا ہوتا۔ بلکہ ہر محاذ پر سینہ سپر ہو کر مقابلہ کیا جا رہا تھا۔ پورے ہندوستان میں زہریلی ہوائیں چل رہی تھیں اور ہر طرف ماتم پر شور کا عالم تھا۔ قتل و غارت گری، شعائرِ اسلام کی پامالی، شدھی تحریک کا زور، بساطِ سیاست پر کانگریسی ملاؤں کی ترک تازیاں مسلمانوں کا احساس محرومی کیا کچھ نہ تھا۔ ایسے ماحول میں حضرت نوری علیہ الرحمہ کی ذمہ داریاں یک گونا نہیں بلکہ گونا گوں تھیں۔ ادارہ کا اہتمام، فتویٰ نویسی، رشد و ہدایت، مناظرہ و مباحثہ، سیاست سے بچہ آزمائی، شدی تحریک کا انسداد، مسلمانوں کی دل جوئی، شعائرِ اسلامی کا تحفظ اور ناموس رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حفاظت کیا کیا نہ تھا سب کچھ کرنا تھا۔ دل میں شعائرِ اسلامی کے مٹائے جانے پر لاوا پکنا رہتا۔ گویا زندگی کا لمحہ لمحہ شدید ترین مصروفیت کی نذر ہو گیا تھا۔ بقول مولانا سید شاہد علی رضوی:

”حضرت مفتی اعظم قدس سرہ دارالافتاء کے اہتمام اور کارِ فتویٰ کی زیادتی کے سبب

صرف مخصوص طلبہ کو پڑھاتے تھے۔“ (۱۸)

پھر کچھ دور آگے رقم طراز ہیں:-

”امام احمد رضا خاں قدس سرہ کے وصال کے بعد رضوی دارالافتاء میں آنے والے

ہزار ہا مسائل لکھنے والے صرف دو تھے۔ ایک حضرت مفتی اعظم دوسرے حضرت صدر

الشعریہ۔ حضرت حجۃ الاسلام قدس سرہ اگرچہ حضرت مفتی اعظم کے استاد تھے۔ خود زبردست مفتی تھے مگر مسائل ان دونوں حضرات کے یہاں ارسال فرمادیتے۔ بہت کم اتفاق ہوتا کہ خود کوئی فتویٰ تحریر فرماتے۔ اور جب حضرت صدر الشریعہ اجمیر شریف چلے گئے تو تنہا مفتی اعظم رضوی دارالافتاء میں آنے والے تمام مسائل کو لکھا کرتے۔ (۱۹)

ان تمام مصروفیات کے باوجود شعری نازک خیالیاں، مشق سخن کی جولانیت کو بھلا کب راہ ملتی۔ مگر سوز عشق کی جلوہ سامانیاں قلب عاشق پر ابھرنے والے زریں نقوش کو صفحہ قرطاس پر اتارتی رہتیں اور یوں ہزاروں مصروفیت کے رہتے ہوئے بھی مشق سخن جاری رہتی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت نوری کی شاعری میں خارجی اثرات کے جذباتی احساسات سوزدروں بن کر داخل کو مزید رنگ آمیز کر رہے تھے۔ بات صرف سخن سنجی کی نہ تھی بلکہ سلام کے تحفظ اور ناموس رسالت کی عصمت کی تھی۔ پھر کیا تھا اشعار کے قالب میں دود مشق کی گرمی اتر آئی۔

نعتیہ شاعری میں پیکر تراشی:- جس طرح پیکر تراشی اصناف سخن کے لحاظ سے قدیم ہے۔ اسی طرح نعت میں اس کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ اگرچہ قدیم شاعری بیشتر سادہ، سپاٹ اور طبعی ہوتی تھی مگر کہیں کہیں پیکریت کی ایسی تابناک مثالیں ملتی ہیں جس سے وجدان میں سرور پیدا ہو جاتا ہے۔ بارگاہ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے محبوب ترین شاعر حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ (متوفی ۵۴ھ) (۶۷۳ء) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں رطب اللسان ہیں۔ شعر دیکھئے۔۔۔

فامسی سراجاً مستنیراً وھادياً

یلوح کما لاح الصقیل المھند (۲۰)

ترجمہ:- تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک روشن چراغ ہیں۔ اور ہدایت فرمانے والے۔ اس طرح چمک رہے ہیں جیسے صیقل کی ہوئی ہندوستانی تلوار۔

اس میں دو طرح کے پیکر آتشیں اور نوری تراشے گئے ہیں۔ روشن چراغ ہونا، صیقل شدہ تلواروں کی طرح چمکنا، پیکر تراشی کی جاذب اور دل کش مثالیں ہیں۔

خواجہ الطاف حسین حالی کا خیال ہے کہ بعض وہ الفاظ جو نعتیہ شاعری کے لئے غیر مناسب تھے جب قدیم شعراء نے ان کو اس پاکیزہ سرزمین پر اتارا تو اس کے حقیقی معنی کے غیر منطبق ہونے کی وجہ سے مجازی معنی میں ڈھال دیا گیا یا پھر اس سے دوسرے معنی کا استعارہ کیا گیا۔ ان کی اپنی زبان ہیں:-

”انگلوں نے عشق الہی یا محبت روحانی کو جو ایک انسان کو دوسرے انسان کے ساتھ ہو سکتی ہے مجازاً شراب کے نشہ سے تعبیر کیا تھا اور اس مناسبت سے جام و صراحی، خم و پیمانہ اور ساقی و مئے فروش وغیرہ کے الفاظ بطور استعارہ استعمال کئے تھے (۲۱)

گویا نعتیہ شاعری میں پیکر تراشی کے لئے انہیں عناصر کو بروئے کار لایا گیا جو شاعری کی دیگر صنفوں میں پائے جاتے تھے۔ فرق یہ کیا گیا کہ ان کو مفہوم کی طہارت و نچافت عطا کی گئی جس سے ان کا قالب عطر بیز و گوہر ریز ہو گیا۔

نعتیہ شاعری میں پیکریت کے جو تصورات ابھرتے ہیں وہ دیگر اصناف سخن سے ذرا الگ تھلگ ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہاں فقط زبان کے چٹخارے، لفظوں کی بندش، صوتی آہنگ، تشبیہات کی ندرت، استعاروں کی چاشنی اور بحروں کی موزونیت نیز افاغیل کی موسیقی ہی کافی نہیں بلکہ تقاضائے ادب سب سے ضروری اور اولین مرحلہ ہوتا ہے۔ اس لئے شاعر کا علمی مطالعہ، فکر کی گیرائی و گہرائی، عشق رسول کی تڑپ جس قدر زیادہ ہوگی شعر کا معیار اور اس کے داخلی اثرات اسی قدر زیادہ ہوں گے۔ یہاں مبالغہ کی وہ جملہ اقسام قلمزد کردی جاتی ہیں جن کا خارجی مصداق یا خود شاعر کا داخلی مصداق غیر منطبق ہوگا۔ پہلی صورت یعنی خارجی مصداق میں اگر شاعر نے اغراق و غلو سے کام لیا تو دامن عصمت پر دھول پڑنے کا خطرہ ہے اور دوسری صورت میں یعنی داخلی مصداق میں اگر شاعر نے بارگاہ

رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ایسی کوئی واردات قلبی پیش کی جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہ ہو تو وہ کذب محض ہوگا جس سے شاعر کی ذات غیر معتبر اور مخطی ہو جائے گی جبکہ یہ دونوں باتیں اس بارگاہ میں ناروا ہیں۔

نعتیہ شاعری کے زیر و بم میں قرآن و حدیث، فقہ و تفسیر اور تصوف کی وہ چاشنی پنہاں ہوتی ہے جسے کلام دو آتشہ بنتا ہے۔ اگر صرف لفظوں کے گل بوٹے سجانے کی بات ہوتی اور مفہوم کی داخلی سیانت ملحوظ نہ رکھی جاتی تو حضرت حسان، جامی و سعدی اور رضا و حسن علیہم الرحمۃ کے کلام کو کسی بھی عام شاعر کے کلام کے مقابلے میں پیش کیا جاسکتا تھا۔ بقول شخصے:-

”جو شعر برائے شعر کہتے ہیں، جو اپنے آرائشی طرز بیان سے اپنے ممدوح کو سنوارتے ہیں جو شعر کی موزونیت سے زیادہ اس کی ادبیت اور عروض و قوافی کے حسن پر نظر رکھنے کے عادی ہیں، جن کی شاعری کوئی عبادت نہیں بلکہ ادب کا شاہکار اور ذریعہ شہرت ہے وہ فن شعر گوئی کے مسلم الثبوت استاد ہوتے ہوئے بھی نعت گوئی کی دنیا میں قدم رکھتے ہوئے لرزتے ہیں۔ میں کسی کا نام نہیں لینا چاہتا مگر ہر شاعر کے پاس اس کی شاعری کا اعمال نامہ موجود ہے اگر وہ خود تلاش کریں تو اپنے پاس نعت کا سرمایہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ میں رئیس المعترف لین کورئیس المعترف لین ہی مانتا ہوں۔ میں استاذ الشعراء کو استاذ الشعراء ہی جانتا ہوں میں اردو ادب کے شاہکار والوں کو شاہکار والا ہی سمجھتا ہوں۔ مگر کیا یہ غلط ہے؟ کہ جس ایوان میں حسن بریلوی عزت و وقار کے ساتھ باریاب ہیں وہاں ان کے استاد محترم اور شعر گوئی کے مسلم و مشہور استاد حضرت داغ دروازہ کے باہر کھڑے ہیں۔ امیر صاحب جہاں مسند لگائے ہیں ان کے استاد وہاں کھڑے ہیں۔ محسن کا کوروی جہاں نمبر پر بیٹھے ہیں ان کے استاد معظم اشک وغیرہ نمونہ رشک نظر آتے ہیں (۲۲)۔“

نعتیہ شاعری میں شعر کی اہمیت کے باوجود منصب ذات رسالت کا احترام ماہیت کا

درجہ رکھتا ہے۔ اسی لئے اس میں طبع آزمائی تلوار کی دھار پر چلنے کے برابر ہے۔ اس میں تائید خداوندی کے ساتھ ہمت پرواز کا جذبہ مستانہ بھی ہونا چاہئے۔ ڈاکٹر ابواللیث کا خیال ہے کہ:

”نعت گوئی کی فضا جتنی وسیع ہے اتنی ہی اس میں پرواز مشکل ہے۔ پرواز سے پہلے یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ فضا سازگار بھی ملے گی یا نہیں؟ اگر ہمت پرواز مشکل مقام پر پہنچا دے تو بھی اڑنے والے کا یہ کمال ہونا چاہئے کہ وہ اور کامیابی سے وہاں سے گذر جائے“ (۲۳)

جب ہم اس تناظر میں حضرت نوری بریلوی علیہ الرحمہ کی شاعری کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ آپ کی شاعری نہ صرف مفہوم کے تعمق کی متحمل ہے بلکہ شکوہ الفاظ، ترکیبوں کی چستی، تشبیہ، واستعارات کا طمطراق اور غرابت معنی کا ایک بحرِ خار موجزن ملتا ہے۔ سید اسماعیل رضا ذبیح ترمذی نے نعتیہ شاعری کے انہیں اوصاف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

”اہل فن لکھتے ہیں کہ کسی شاعر نعت گو و نعت نگار کا قلم معنی آفرینی کے ساتھ شکوہ الفاظ، بیساختگی اور بندشوں کی چستی سے عہد برآ ہو جائے تو واقعی یہ اس کا کمال شاہی ہے“ (۱۴)

کلام نوری میں پیکر تراشی:۔ اب آئیے حضرت نوری بریلوی علیہ الرحمہ کی شاعری میں پیکر تراشی کا جائزہ لیا جائے اور پیکر تراشی کے حسین امتزاج کی منہ بولتی تصویر کا مشاہدہ کیا جائے۔

بصری پیکر:۔ بصری پیکر جس میں محاکات کو عمل میں لایا گیا ہے۔ حسب ذیل اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

دنیا ہے اور اپنا مطلب بے غرض مطلب کوئی

آشنا ملتا نہیں نا آشنا ملتا نہیں

ان کو دیکھا تو گیا بھول میں غم کی صورت
بھیک اپنے مرہم دیدار کی کرد و عطا
ہیں صفات حق کے نوری آئینے سارے نبی
ذرہ ذرہ سے عیاں ہے ایسا ظاہر ہو کے بھی
دل گیا اچھا ہوا اس کا نہیں غم، غم ہے یہ
کھلے ہیں دیدہ عشاق قبر میں یوں ہی
ایک دل کہ مہر و مہر انجم و زنگس
نظر نہ آیا قرار دل حزیں اب تک
کون کہتا ہے آنکھیں چرا کے چلے

مذکورہ بالا اشعار میں۔ دنیا کی غرض بر آری میں آشنا و نا آشنا کا نہ ملنا، محبوب کو دیکھ کر غم
اور رنج و الم کی صورت کا بھول جانا، مرہم دیدار کی بھیک سے زخم دامن دار کا منہ کرنا، انبیاء
کا صاف حق کا نوری آئینہ ہونا اور مہر انجم ماہ عرب کا ذات حق کا آئینہ ہونا، ذرہ ذرہ سے
عیان ہو کر بھی بر ملانا، ملنا، دل چلا جانا پھر دلربا کا نہ ملنا، قبر میں دیدہ عشاق کا کسی کے انتظار
میں کھلنا، مہر و انجم و زنگس کا حضور کی آنکھوں میں رکھے جانے کے آرزو کرنا، نگاہوں کا
آنکھوں میں بیقرار رہنا، آنکھیں بچا کرو چرا کر چلنا۔ یہ سب وہ بصری پیکر ہیں جن کو
حضرت نوری بریلوی نے اپنے داخلی جذبات سے متکلیف ہو کر تراشا ہے۔ کیونکہ نعت میں
عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے داخلی محرکات ہی سے تجربات و مشاہدات کو جلا ملتی
ہے اور پیکریت کے محاسن جنم لیتے ہیں۔ رنج و الم کی صورت کا حسی و بصری پیکر، زخم دامن
دار کا مرہم دیدار کے لئے منہ کرنا، مہر و ماہ کا ذات حق کا آئینہ ہونا، دیدہ عشاق کا انتظار میں
کھلا رہنا۔ نگاہ کا آنکھوں میں بیقرار رہنا یہ سارے کے سارے بصری پیکر کی جیتی جاگتی

تصویریں ہیں۔ جہاں بھری پیکر اپنی پوری عشوہ طراز یوں کے ساتھ موجود ہیں۔

لمسی پیکر

فق ہو چہرہ مہر و مہرہ کا ایسے منہ کے سامنے
چاک تقدیر کو کیا سوزن تدبیر سے
کاسہ لیمسی سے ترے دربار کی مہتاب بھی
یوں بھیک لیتا ہے دو وقت آسمان انور کی
اس جبہ سائی کے سبب شب کو اسی سرکار نے
موم ہے ان کے قدم کیلئے دل پتھر کا
ہے رگ گردن سے اقرب نفس کے اندر ہے وہ
یہ آج کا ہے کی شادی ہے عرش کیوں جھوما
ذرا سا بھی نہیں سایہ کہیں پر
جان کو زمین کے بیزار کے بوسہ پر چومنے والے کا منہ دیکھ کر مہر و مہرہ کا چہرہ فق ہونا،
چاک تقدیر کو سوزن تدبیر سے سینا پھر چاک گریباں ہونا، در اقدس کی کاسہ لیمسی سے
مہتاب کا منور ہونا، آستار پر جبہ سائی، آسمان کا صبح و مسانوار کی بھیک لینا، آسمان کو در
اقدس سے چاند کا ٹیکہ دیا جانا، پتھر کا ان کے قدم کی صورت کو دل میں رکھنا، رگ گردن سے
قریب اور نفس میں رہ کر گلے سے ملنا، شادی میں لب آسمان کا زمین کے لب کو چومنا، عرق
کا دریا بن کر بہنا ان اشعار میں لمسی پیکریت کو قالب میں ڈھالا گیا ہے۔ ان میں کا ہر شعر
کسی لمسی کیفیت کا حسی تصور پیش کرتا ہے۔ جہاں شاعر تشبیہ و استعارہ اور کنایہ سے لمسی
پیکر تراش رہا ہے۔ ان کلمات پر غور کیجئے، بوسہ لینا، سینا، کاسہ لیمسی، جبہ سائی، ٹیکہ دینا، دل
میں صورت رکھنا، گلے سے ملنا، لب چومنا، لبس کی جملہ لذاتی کیفیت کو اجاگر کرتے ہیں
جس سے نعت کا با تکلمن دو بالا ہو رہا ہے۔

مذوقی پیکر

آبلوں کے سب کٹورے آہ خالی ہو گئے
 نہ کیسے یہ گل و غنچہ ہوں خوار آنکھوں میں
 جو ساقی کوثر کے چہرے سے نقاب اٹھے
 نظر میں کیسے سمائیں گے پھول جنت کے
 آبلے پاؤں میں پڑ جائیں جو چلتے چلتے
 دل دشمن کے لئے تیغ دو پیکر ہے سخن
 بھیک اپنے مرہم دیدار کی کر دو عطا
 بجھے گی شربت دیدار ہی سے تشنگی اپنی

آبلوں کے کٹوروں کا خالی ہونا، خار کا منہ تر نہ ہو پانا، مدینہ کے خار کا آنکھوں میں
 بسنا، دل کا میخانہ اور آنکھوں کا پیانا بننا، پاؤں میں آبلے پڑنے پر راہ طیبہ میں سر کے بل
 چلنا، چشم حاسد کے لئے شعر کا نمکدان ہونا، زخم دامن دار کا منہ کرنا، شربت دیدار سے تشنگی
 بھانا، ان جملہ اشعار میں مذوقی پیکر کے وہ تمام احساسات موجود ہیں جو ذائقہ کی حس سے
 متعلق ہوتے ہیں۔ یہ شاعری کا فنی کمال ہے کہ ان میں جن علامتوں کو برتا گیا ہے ان سے
 وجدان میں ایک خاص لذت ذائقہ ابھرتی ہے۔ جو کہیں نمکدانی و شربت دیدار، کہیں دل
 کے میخانہ اور آنکھ کے پیانا بننے اور کہیں آبلوں کی کسک کے پیکر میں جلوہ گر ہیں۔ مگر ان
 اشعار میں نعت کا اسلوب اپنی پوری آہنگ کے ساتھ سبک خرام ہے۔ قدم قدم پر مذاق فن
 کی تہہ داری دلوں میں لذت ذائقہ پیدا کرتی ہے۔ جہاں نہ تو قوت ذائقہ کی تلخیاں ہیں
 اور نہ ہی سقم کی بے کیفی و بے لذتی۔

مشامی پیکر

کوچہ دل کو بسا جاتی مہک سے تیری کام اتنا بھی مجھے باد صبا نے نہ دیا
 خاک طیبہ سے اگر کوئی نکھارے گیسو سنبل خلد تو کیا حور بھی ہارے گیسو
 عنبرستاں بنے محشر کا وہ میداں سارا کھول دے ساقی اگر حوض کنارے گیسو
 کیوں زلف معنبر سے کوچے نہ مہک اٹھیں ہے پنچہ قدرت جب زلفوں کا تری شانہ
 جس گلی سے تو گذرتا ہے مرے جان جناں ذرہ ذرہ تری خوشبو سے بسا جاتا ہے

ان تمام اشعار میں مشامی پیکر کی جن تہوں کو عشق کی خوشبو سے عطر بیز کیا گیا وہ نعت کا جوہر کہے جاسکتے ہیں۔ کوچہ دل کا مہک سے بسنا، خاک طیبہ سے گیسو کا نکھارنا پھر اس پر سنبل اور حور کا اپنے گیسو کا ہارنا، حوض کے کنارے گیسو کھل جانے پر محشر کا عنبرستان بن جانا، بادہ و ساقی، لب جو اور ابر میں ساقی کا گیسو کھولنا، زلف معنبر سے کوچوں کا مہک اٹھنا، پنچہ قدرت کا زلف اقدس کو شانہ کرنا، گلی سے گذرنے پر ذرہ ذرہ کا خوشبو سے بس جانا، مشامی پیکر کی جس تمثالی کیفیت کو واضح کرتے ہیں وہ قوت شامہ کے لئے پیکریت کی دلکش اور نادر مثالیں ہیں جن میں گہری معنویت کے ساتھ ایک مانوس فضا بھی پائی جاتی ہے جہاں مشامی پیکر کے علامت کلی طور پر موجود ہیں۔ یہاں عشق رسول کی وہ سوختگی جلوہ فرما ہے جو کسی عاشق مہجور کے ہر اعضائے بدن کو قوت شامہ عطا کرتی ہے۔

سماعی پیکر

انہیں کی نعت کے نغمے زبور سے سن لو زبان قرآں پہ ان کے ترانے آئے ہیں
 جن کے دعوے تھے ہم ہی ہیں اہل زباں سن کے قرآں زبانیں دبا کر چلے
 نغمہ سخاں گلشن میں چرچا ترا چہچہے ذکر حق کے ہیں صبح و مسا
 اپنی اپنی چہک اپنی اپنی صدا سب کا مطلب ہے، واحد کہ واحد ہے تو

اللہ، اللہ، اللہ، اللہ

بلبل خوشنوا طوطی خوش گلو زمرہ خواں ہیں گاتے ہیں نغمات ہو

قمری خوش لقا بولی حق سرہ فاختہ خوش نوانے کہا دوست تو

اللہ، اللہ، اللہ، اللہ

پڑھوں مطلع نوری ثنائے مہر انور کا ہو جس سے قلب روشن جیسے مطلع مہر محشر کا
سماعی پیکر کے مذکورہ بالا اشعار میں نعت کے نغمے زبور سے سننا، زبان قرآن پر
محبوب کے ترانے آنا، قرآن سن سن کر زبانیں دبا کر چلنا، ثنائے مہر انور کا مطلع نوری پڑھنا
، ذکر حق کے صبح و مساجیح ہونا، نغمہ سخاں گلشن کا چرچا کرنا، بلبل خوشنوا اور طوطی خوش گلو کا
نغمات گانا، قمری اور فاختہ کا بولنا، یہ سماعی پیکر کی مثالیں ہیں جن میں استعارہ و کنایہ سے
سماعی پیکر تراشے گئے ہیں۔ گویا اپنی معنویت کے لحاظ سے ان پیکروں میں سماعی حس کی
اٹھان شباب پر ہے۔ اور پورا نظام سماع حسی جولانی سے ہمکنار نظر آتا ہے۔ یہ سماعی پیکر
کی جاذب اور دلکش تصویریں ہیں۔

مخلوط پیکر:- ان بسیط پیکروں کی بحث کے بعد مخلوط پیکر کی چند مثالیں ناگزیر
ہیں۔ چونکہ مقسم میں پیکر کی جس تقسیم سے بحث کی گئی ہے اس میں مخلوط پیکر کے خاکہ کو بھی
 واضح کیا گیا ہے۔ مخلوط پیکر دراصل بسیط پیکروں کے مرکب سے بنتا ہے کہ اس کی ترکیب
کبھی دو دو کبھی تین تین اور کبھی کبھار کئی کئی بسیط پیکروں سے ہوتی ہے۔
اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

دیکھ مت دیکھ مجھے گرم نظر سے خاور
تم اگر چاہو تو اک چلیں بہ جبیں سے اپنی
سر پر بادل کالے کالے دودھیاں کے ہیں چھالے
شب کو شبنم کے مانند رویا کئے
شوخی چشم سے تو آپ پریشاں ہوگا
کرد و اعدا کو قلم شاخ قلم کی صورت
دم گھٹتا ہے میرے مولیٰ صلی اللہ علیک وسلم
صورت گل وہ ہم کو ہنسا کر چلے
نگاہ مہر جو اس مہر کی ادھر ہو جائے
گنہ کے داغ میں دل مرا قمر ہو جائے
پہلے شعر میں بصری پیکر، آتشیں پیکر اور جمالیاتی پیکر کو اجاگر کیا گیا ہے۔ دوسرے

شعر میں حسی پیکر، حرکی پیکر اور بصری پیکر کو پیش کیا گیا ہے۔ تیسرے شعر میں لونی، آتشین اور مذوقی پیکر ہے۔ چوتھے شعر میں سیال، جمالیاتی، اور سماع پیکر ہے۔ پانچویں شعر میں بصری، نوری، لمسی اور جمالیاتی پیکر ہیں۔

بے مثل پیکر:- نعتیہ شاعری میں پیکریت کا دائرہ فکر کچھ اس قدر وسیع ہے جو دیگر اصناف سخن میں کم پایا جاتا ہے۔ مادی، بسیط، مخلوط اور آتشیں پیکر کی مثالیں تو بہت ساری اصناف سخن میں ملتی ہیں مگر بے مثل پیکریت یہ صرف نعت کا خاصہ ہے۔ کیونکہ علاقہ تشبیہ یا استعارہ سے جب بھی کسی علامت یا تمثال کے تصورات ابھریں گے تو فوراً طرفین کے درمیان ایک نسبت قدر مشترک بن کر پیکریت کا خاکہ تیار کرے گی۔ مگر نعت میں ایک ایسی منزل بھی ہے جہاں مشبہ کے لئے مشبہ بہ کا کوئی فرد ہزار تتبع و تلاش کے باوجود بھی نہیں مل سکے گا۔ اس وقت پیکریت ایک ممنوع النظر تمثال کے سانچے میں ڈھلی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ اس کی ایک تازہ مثال کلام الامام امام الکلام حضرت رضا بریلوی (متوفی ۱۳۳۰ھ، ۹۱۲۱ء) کے کلام سے ملاحظہ فرمائیں جو پوری طرح بے مثل پیکریت پر مبنی ہے۔

رُخ دن ہے یا مہر سما یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں شب زلف یا مشک ختا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
خورشید تھا کس زور پر کیا بڑھ کے چمکا تھا قمر بے پردہ جب وہ رخ ہوا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

ان محولہ بالا اشعار میں پیکریت کے تمثال و تصورات کی نفی کر دی گئی ہے۔ جس سے بے مثل پیکر ابھرتا چلا آ رہا ہے۔ اب حضرت نوری بریلوی کے ان اشعار کو دیکھئے کہ بے مثل پیکریت کی رنگ آفرینی سے فن نعت کے کتنے گل بوٹے سجائے گئے ہیں۔

محال عقل ہے تیرا مثل اے مرے سرور تو ہم کر نہیں سکتا ہے عاقل تیرے ہمسر کا
مثل ممکن ہی نہیں ہے تیرا اے لاٹانی وہم نے بھی تو ترا مثل سامنے نہ دیا
آپ کا مثل شہا کیسے نظر میں آئے کس نے دیکھی ہے بھلا اہل عدم کی صورت
دو جہاں میں کوئی تم سا دوسرا ملتا نہیں ڈھونڈتے پھرتے ہیں مہر و مہ پتا ملتا نہیں

نظر نظیر نہ آیا نظر کو کوئی کہیں
 جس کا ثانی ہوا، اور نہ ہے اور نہ ہو
 حجتی نہ غماں نظر میں نہ حور آنکھوں میں
 وہ عطا کر چلے وہ سخا کر چلے
 نہ اے آقا کوئی تم سا ہوا ہے
 یہ کیا میں نے کہا مثل ساتم ہو معاذ اللہ
 منزہ مثل سے برتر زہر وہم و گماں تم ہو
 عقلاً مماثل کا محال ہونا، ہمسری کا تو ہم نہ کر سکتا، ایسا ثانی کہ وہم میں اس کا مثل نہ
 سمانا، اہل عدم کی صورت نہ دیکھنا، مہر و انجم کے ڈھونڈنے پر بھی دوسرا نہ ملنا، نظر کو نظیر کا نظر نہ
 آنا، ماضی و حال و مستقبل میں ثانی نہ ہونا، وہم و گمان میں بھی مثل سے منزہ و برتر ہوتا۔ یہ
 بے مثل پیکریت کے ایسے تصورات ہیں جن سے ذات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بے نظیر
 پیکرا بھرتا ہے۔ اگرچہ اس میں بے مثل پیکریت کے جس اسلوب کو مد نظر رکھا گیا ہے وہ
 بہت سادہ ہیں تاہم فن نعت کا یہی سب سے بڑا کمال ہے کہ اس میں عصمت رسول کو اس
 انداز میں پیش کیا جائے کہ دامن اقدس پر تنقیص کی گرد بھی نہ پڑ سکے۔ جہاں سے حضرت
 نوری بریلوی علیہ الرحمہ بہت اہتمام سے گذر گئے ہیں۔

نوری پیکر:- نوری پیکر بھی صنعت نعت کی ایک اہم پیکری علامت ہے جس میں
 تشبیہات کے ان تنزیہی تصورات کو اجاگر کیا جاتا ہے جو ممدوح کی ذات کے تناظر میں
 نورانی کوائف کا ما حاصل لئے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نعت کے لفظی ماحول میں
 نوری پیکر کی فراوانی ہوتی ہے۔

اشعار دیکھئے۔۔۔

بنا عرش بریں مسند کف پائے منور کا
 مٹے ظلمت جہاں کی نور کا تڑکا ہو عالم میں
 خدا ہی جانتا ہے مرتبہ سرکار کے سر کا
 نقاب روئے انور اے مرے خورشید اب سر کا
 مہر و مہ میں جلوہ ہے جس چاند سے رخسار کا
 خود تجلی آپ ہی پردہ ہے روئے یار کا

ہر شے میں جلوہ تیرا تجھ سے روشن دین و دنیا
 وہ آئیں تیرگی ہو دور میرے گھر بھر کی
 بانٹا تو نے نور کا باڑا صلی اللہ علیک وسلم
 شب فراق کی یارب کبھی سحر ہو جائے
 نصیب تیرا چمک اٹھا دیکھ تو نوری
 عرب کے چاند لحد کے سرہانے آئے ہیں
 یہ سرطور سے گرتے ہیں شرارے نوری
 روئے پر نور پہ یا وارے ہیں تارے گیسو

عرش بریں کا کف پائے منور کا مسند بننا، نقاب روئے انور سے عالم میں نور کا تڑکا
 ہونا، مہر و مہ میں چاند سے رخسار کا جلوہ ہونا، حسن کی بے پردگی اور تجلی کا آنکھوں کے لئے
 پردہ ہونا، نور کا باڑہ ہونا، شب فراق کا سحر ہونا، عرب کے چاند کا لحد کے سرہانے آنا، روئے
 انور پہ سرطور شرارے کا گرنا یا تارے گیسو کا وارنا، ان تمام اشعار میں نوری پیکریت کے
 لطیف تمثالی تصورات جگمگا رہے ہیں۔ جس سے نعت کا کیف دو بالا ہو جا رہا ہے۔

اب آئیے کچھ گفتگو جمالیاتی، آتشین اور لونی پیکر پر ہو جائے۔ اگرچہ یہ سارے پیکر
 نوری پیکر کا ملازمہ کہے جاسکتے ہیں۔ مگر قدرے فرق کی وجہ سے ان کو الگ بیان کرنے کی
 ضرورت پڑی۔ چونکہ کلام نوری بریلوی میں یہ سارے علامت موجود ہیں۔

مالیاتی پیکر:- اس میں نوری پیکر بھی شامل ہوتا ہے۔ مگر لونی پیکر میں ایک
 خاص رنگت کا استدرا کی پہلو متصور ہوتا ہے اس لئے محاکات میں لون کو جمال نہیں قیاس کیا
 جاسکتا۔ کیونکہ جمالیاتی پیکر میں بہ نسبت اس کے وسعت نمایاں ہوتی ہے اور اس کا دائرہ
 حسن لونی پیکر سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ برخلاف لونی پیکر کے علامت کی جن تشبیہوں کا ذکر
 ہوتا ہے وہ ایک مخصوص نوعیت کی متحمل ہوتی ہیں۔ کلام نوری میں جمالیاتی پیکر ملاحظہ ہو۔

کھلے ہیں دیدہ عشاق خواب مرگ میں بھی
 بسا ہوا ہے کوئی گل غدار آنکھوں میں
 کہ اس نگار کا ہے انتظار آنکھوں میں
 کھلا ہے چاروں طرف لالہ زار آنکھوں میں
 یہ گھٹا جھوم کے کعبہ کی فضا پر آئی
 وہ حسیں کیا جو فتنے اٹھا کر چلے
 اڑ کے یا برو پہ چھائے ہیں تمہارے گیسو
 ہاں حسیں تم جو فتنے مٹا کر چلے

خواب مرگ میں انتظار کے لئے دیدہ عشاق کا کھلنا، فضائے کعبہ پر اڑ کے گھٹا کا آنا، ابرو پہ گیسو کا چھا جانا، حسین کا فتنے مٹا کر چلنا، جمالیاتی پیکر کی انتہائی دلکش تصویریں ہیں۔ جن میں پیکر تراشی کا نامیاتی تصور بلند ہوتا جا رہا ہے۔

آتشیں پیکر: آتشیں پیکر کا نوری پیکر سے ایک گہرا تعلق ہے۔ مگر یک گونہ آتشیں پیکر نوری پیکر سے علیحدہ ہے۔ چونکہ آتشیں پیکر میں سوختگی کا جذبہ کار فرما ہوتا ہے اس لئے ہر نوری پیکر کو آتشیں پیکر سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ پھر آتشیں پیکر میں دود کا کثیف مادہ بھی ہوتا ہے جس کو صنف نعت میں برٹنے کیلئے شعری محاسن پر گہری نظر بھی ہونی چاہئے ورنہ اس سے پیکریت کی چادر تظہیر داغدار ہو جائے گی۔ جیسا کہ حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں۔

وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں

وہی پھول خار سے دور ہے وہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

اس لئے پیکریت کے اس علامت سے دھواں کا کوئی تعلق نہیں۔ بریں بنا آتشیں پیکر کی وہ قدریں جو متعلقات سے تعبیر ہیں ان کو صنف نعت میں جگہ دی جاسکتی ہے اور اس سے پیکر تراشی قبیح نہیں۔ شعر دیکھئے۔

مرقد نوری پہ روشن ہے یہ لعل شب چراغ
شربت دیدنے اور آگ لگا دی دل میں
وہ ہیں خورشید رسالت نور کا سایہ کہاں
دل تپا سوز محبت سے کہ سب میل چھٹے
یا چمکتا ہے ستارہ آپ کی پیزار کا
تپش دل کو بڑھایا ہے بجھانے نہ دیا
اس سبب سے سایہ خیر الوری ملتا نہیں
تپنے کے بعد ہی تو سونا کھرا ہوتا ہے
لعل شب میں چراغ کا روشن ہونا، پیزاروں کا ستارہ چمکنا، شربت دید سے دل میں آگ لگنا، خورشید رسالت میں بوجہ نور سایہ نہ ہونا، سوز محبت میں دل تپ کر میل کا چھٹنا محاکات شعری کے آتشیں پیکر ہیں۔

لونی پیکر:- لون کا جمالیات سے گہرا تعلق ہے۔ یہ دراصل جمالیات ہی کے دائرہ کار کی تابندگی کا ایک پیکری کردار ہوتا ہے۔ تاہم قدرے تماثر کی وجہ سے اس کو الگ رکھا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ مذکور ہوا۔ اب لونی پیکر کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

تیرے باغ حسن کی رونق کا کیا عالم کہوں آفتاب اک زرد پتا ہے تیرے گلزار کا
 زرد رو کیوں ہو گیا خورشید تاباں سچ بتا دیکھ پایا جلوہ کیا اس مطلع انوار کا
 جو سوختہ ہیزم کو چاہو تو ہرا کر دو مجھ سوختہ جاں کا بھی دل پیارے ہرا کرنا
 آفتاب کا باغ حسن کا ایک زرد پتہ ہونا، مطلع انوار کا جلوہ دیکھ کر خورشید زرد ہو جانا،
 دل سوختہ جاں کا ہرا کرنا۔ یہ سب لونی پیکر کی زندہ مثالیں ہیں۔

ان ساری تفصیلات میں حضرت نوری بریلوی علیہ الرحمہ کے کلام کا صرف ایک گوشہ پیش کیا گیا ہے۔ جس میں محاکات اور پیکر تراشی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اگر اسی طرح آپ کے مجموعہ کلام ”سامان بخشش“ کا تجزیاتی جائزہ لیا جائے تو ان میں شعر کی وہ جملہ تاثیرات محسوس کی جاسکتی ہیں جو کسی استاذ الشعراء کے کلام میں پائی جاتی ہیں۔ آپ نے صرف عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والہانہ جذبہ کو حرز جان رکھا اور تاحین حیات مدح مصطفوی کے نغمے لٹاتے رہے۔ ان کی نعتیہ شاعری کے محرکات داخلی اور خارجی دونوں ہیں مگر داخلیت اس قدر غالب ہے کہ آئینہ روح کو صیقل کرتی ہوئی محسوس ہو رہی ہے۔ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ صنف سخن کی اس دل کش اور جاذب سوغات میں زندگی کے وہ لمحات گردش کر رہے ہیں جو علمی مشاغل سے کسی صورت بچا لئے جاتے تھے یا بیچ جاتے تھے۔ ہم اس کو ان کی بالاستیعاب شاعری نہیں کہہ سکتے۔ اگر وہ اپنے جملہ اوقاف کو شاعری کی طرف مرکز کرتے تو خدا بہتر جانتا ہے کہ سخن کے کس ذرہ کمال پر ہوتی۔

حواشی

- (۱) سلیمان بن اشعث ابو داؤد و جستانی امام سنن ابو داؤد ص: ۶۸۴، مطبوعہ، اصح المطابع دہلی
- (۲) احمد بن عمر نظامی عروضی سمرقندی چہار مقالہ ص: ۲۰ پبلشرز لالہ رام نرائن بنی مادھو کٹرہ، الہ آباد
- (۳) ابوالطیب احمد بن حسین بھغھی دیوان متنہی ص: ۶ ناشر: صمد بکڈ پوڈیو بند ضلع سہارنپور۔
- (۴) ابوالطیب احمد بن حسین بھغھی دیوان متنہی ص: ۲۸ ناشر: صمد بکڈ پوڈیو بند ضلع سہارنپور۔
- (۵) احمد بن عمر بن علی نظامی عروضی سمرقندی چہار مقالہ ص: ۵، پبلشرز لالہ رام نرائن بنی مادھو کٹرہ الہ آباد
- (۶) احمد بن عمر بن علی نظامی عروضی سمرقندی چہار مقالہ ص: ۲۵ پبلشرز لالہ رام نرائن بنی مادھو کٹرہ الہ آباد
- (۷) علی گڑھ میگزین ۷۷-۶۱۹ ص: ۳۸ مطبوعہ لیتھوکلر پرنٹرز اچل تال، علی گڑھ۔
- (۸) عبدالنعیم عزیزی (علیگ) کلام رضا کے نئے تنقیدی زاویے۔ ص: ۳۸، ناشر: الرضا اسلامک اکیڈمی بریلی شریف
- (۹) علی گڑھ میگزین ۷۷-۶۱۹ ص: ۳۹-۳۸، مطبوعہ لیتھوکلر پرنٹرز اچل تال علی گڑھ۔
- (۱۰) عبدالنعیم عزیزی (علیگ) کلام رضا کے نئے تنقیدی زاویے۔ ص: ۳۹ ناشر: الرضا اسلامک اکیڈمی بریلی شریف۔
- (۱۱) روح ادب سہ ماہی کلکتہ اپریل تا ستمبر ۱۹۸۶ء ص: ۳۰، مطبوعہ، اعجاز پرنٹرز ۱۸، زکریا سٹریٹ کلکتہ۔
- (۱۲) ماہنامہ افکار (غالب نمبر) کراچی۔ فروری ۱۹۶۶ء ص: ۲۱۳، مطبوعہ، مشہور آفسٹ پریس کراچی پاکستان۔

- (۱۳) ابن فرید میں ہم اور ادب ص: ۳۷، مطبوعہ اسرار کریمی پریس الہ آباد
- (۱۴) علی گڑھ میگزین ۷۷-۱۹۷۶ء ص: ۴۰ مطبوعہ لیتھوکلر پرنٹرز اچل تال علی گڑھ
- (۱۵) محمد شہاب الدین رضوی بہراپنچی مفتی اعظم اور ان کے خلفاء جلد اول ص: ۲۰ ناشر
رضا اکیڈمی ۱۳۰، علی عمر اسٹریٹ۔ بمبئی
- (۱۶) محمد شہاب الدین رضوی بہراپنچی مفتی اعظم اور ان کے خلفاء جلد اول، ص: ۳۰، ناشر
رضا اکیڈمی ۱۳۰، علی عمر اسٹریٹ۔ بمبئی۔
- (۱۷) محمد شہاب الدین رضوی بہراپنچی مفتی اعظم اور ان کے خلفاء جلد اول، ص: ۱۰۲، ناشر
رضا اکیڈمی، ۱۳۰، علی عمر اسٹریٹ۔ بمبئی
- (۱۸) محمد شہاب الدین رضوی بہراپنچی مفتی اعظم اور ان کے خلفاء، جلد اول، ص: ۴۱،
ناشر: رضا اکیڈمی ۱۳۰، علی عمر اسٹریٹ۔ بمبئی
- (۱۹) محمد شہاب الدین رضوی بہراپنچی مفتی اعظم اور ان کے خلفاء جلد اول، ص: ۸۸، ناشر:
رضا اکیڈمی، ۱۳۰، علی عمر اسٹریٹ۔ بمبئی۔
- (۲۰) یسین اختر مصباحی مولانا المدیح النبوی ص: ۳۶ مطبوعہ: مطبع کوثر سرائے میر اعظم
گڑھ۔
- (۲۱) الطاف حسین حالی خواجہ، مقدمہ شعر و شاعری ص: ۱۶۳، مطبوعہ، تاج آفسیٹ پریس الہ آباد
- (۲۲) مقدمہ فرش پر عشر (دیوان محدث اعظم) ص: ۷ ناشر: رضوی کتاب گھر بھونڈی تھانہ
- (۲۳) انوار رضا ص: ۵۶۶ مطبوعہ: معارف پرنٹنگ پریس لاہور۔
- (۲۴) معارف رضا شمارہ ہشتم ۱۹۸۸ء ص: ۱۲۳ ناشر: ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی
- (۲۵) احمد رضا امام حدائق بخشش ص: ۶۴ ناشر: رضا دارالاشاعت بہمدی بریلی شریف۔
- ☆ ماخوذ از تجلیات مفتی اعظم ہند مطبوعہ رضا اکیڈمی، بمبئی

تصور جاناں

مولانا بدر القادری، اسلامک اکیڈمی، ہالینڈ

زندگی کے گزرے ہوئے ماہ و سال کا کارواں جب تصورات کی راہوں پر جاوہ پیا ہوتا ہے۔ تو ان میں سے کچھ ایسے انمول لمحات جگمگاتے ستاروں کے مانند ملتے ہیں۔ جن کی تابانی و لمعانی اپنی پوری کائنات زیست پر پر تو فگن محسوس ہوتی ہے۔

سب کو بھولا ان کا ملنا اور بچھڑنا یاد ہے
داستان زیست لمحوں میں سمٹ کر رہ گئی

دیدار اولین:- وہ بھی ایسا ہی ایک دن تھا الجامعۃ الاشرافیہ مبارکپور کے طلبہ منو جانے کی تیاریوں میں تھے۔ فرصت کا دن تھا۔ گرمیوں کا زمانہ۔ میں نے اپنے ہم وطن طلباء سے اس ہماہمی کا سبب دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ منو میں کسی حاجی صاحب کی دعوت پر شہزادہ اعلیٰ حضرت تاجدار علم و فضل مفتی اعظم ہند تشریف لائے ہوئے ہیں جن کی پیشانی کی سلوٹوں میں معرفت کا نور چمکتا ہے۔ تقویٰ و طہارت جن کے بدن کا لباس اور احقاق حق و ابطال باطل جن کے عمائے کا طرہ ہے۔ وہ درحقیقت اسلامیان ہند کے لئے قابل فخر ہستی ہیں۔ مادر زاد ولی اللہ۔ خاندانی عالم ظاہر و باطن ہیں۔

عرب و عجم میں ان کے والد گرامی مجددہ مآۃ حاضرہ کے علمی فضل و کمال اور انقلاب آفریں مذہبی کارناموں کا ڈنکا بج رہا ہے۔ مفتی اعظم نائب امام احمد رضا ہیں۔ ان کے چہرے کی لمحہ بھر زیارت مدت العمر کی بے ریا عبادت سے بدرجہا بہتر ہے۔ آؤ تم بھی چلو ان کی زیارت کر لو ایمان میں جلاء، روح میں بالیدگی اور احساس و شعور میں علم کا ذوق نکھر پڑے گا۔ بزرگوں کی نگاہ کرم سے کیا کچھ نہیں ملتا۔

میں نے اپنے نگراں بزرگ بھائی مولانا حکیم حسام الدین صاحب گھوسوی سے اجازت لی پھر دارالعلوم کے دفتر انچارج حضرت مولانا علی احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت طلب کی اور برادر کریم مولانا محمد قاسم قادری، مولانا عبدالمجید نوری وغیرہ کے ہمراہ سو کے لئے چل پڑا۔ کم عمر اور ناتجربہ کا تھا۔ آقائے نعمت حضور حافظ ملت کے زیر سایہ میں رہتا ضرور تھا مگر اہل اللہ کی بارگاہ کے آداب میں کیا جانوں ان دنوں ہدایۃ النجو وغیرہ پڑھتا تھا۔ ہم جماعت طلباء بھی سبھی مجھ سے بڑے تھے۔ حافظ محمد امین جلال پوری، حافظ۔ مونگیری میری جماعت کے ذہین اور مہنتی طلباء تھے۔ میرے ہم ذوق کھلنڈرے طلباء میں مولوی محمد اسرائیل دیواریاوی میرے اچھے دوست تھے جو نئی نئی طرزیں لالا کر مجھ سے نظمیوں لکھنے کی فرمائش کرتے تھے۔ اور میں شعر و ادب کی فضاؤں میں محو پرواز رہتا تھا۔

اشرفیہ میری قلبی اور روحانی بالیدگی کا گہوارہ ہے۔ آج بھی یورپ کی دنیا میں سالہا سال کا زمانہ گزار لینے کے باوجود میں نے خواب کی دنیا میں پہنچ کر کبھی وطن مالوف گھوسوی کی گلیوں اور کبھی اشرفیہ کی قدیم درسگاہ کے ارد گرد طواف کرتا رہتا ہوں۔ اشرفیہ کے ذکر پر خواہ مخواہ بھی جذبات میری مختصر داستان کو طولانی بنا دیتے ہیں۔ نہ جانے کیوں؟ پھر بھی اس کے ذکر سے سیری نہیں ہوتی

بیانِ درد و محبت جو ہو تو کیوں کر ہو

زباں نہ دل کے لئے ہے نہ دل زباں کے لئے

(ذوق)

ہم سبھی احباب شوق کے پروں سے اڑ کر سو جا کر پہونچے۔ خوب اچھی طرح یاد ہے کہ سو ریلوے کراسنگ روڈ کے پاس شارح بخاری فقیہ عصر نائب مفتی اعظم علامہ محمد شریف الحق امجدی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) سے شرف ملاقات ملا۔ طلبہ کے سلام پیش کرنے پر حضرت کی رکشاکر کی سب نے دست بوسی کی۔ اور یہ حسن اتفاق کیا کہنا کہ مفتی اعظم کی

سرکار میں باریابی سے پہلے ان کے نائب سے ملاقات ہوئی۔ سرکار مفتی اعظم کے میزبان حاجی صاحب کے دولت کدے پر علماء کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ اس بھیڑ میں میری نگاہوں نے پہلی بار اپنے مرشد طریقت کی زیارت سے شاد کامی پائی۔ آقائے نعمت حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے بعد یہ دوسری ایسی شخصیت تھی جو نگاہوں کی راہ سے میرے دل کے نہاں خانے میں اترتی چلی گئی۔ منحنی پیکر، گندی رنگ، روشن و تابناک چہرہ، دکھتی پیشانی، جھکی جھکی نگاہیں، موتی لٹاتے ہونٹ، روئی کے گالوں سے نرم نرم ہاتھ مصافحہ کو مل جائے تو آنکھوں سے مل کر۔ دل سے لگا کر بھی جی نہ بھرے۔

بعض اوقات کسی اور کے ملنے سے عدم

اپنی ہستی سے ملاقات بھی ہو جاتی ہے

بچپن کا شعور ہی کتنا۔ دست بوسی کی۔ آنکھیں پھاڑے جت تک موقع ملا نہیں دیکھتا رہا ملکوتی صفات سے مزین ایک ذات کے گرد منقول و معقول کے ماہرین درس گاہ، فقہ و حدیث کے مسند نشین، خانقاہ و زاء یا کے خرقہ پوش کیسے پروانہ وار پنچھا اور ہور ہے ہیں۔ اس وقت کچھ زیادہ تو سمجھ نہ سکا مگر حیرت و استعجاب نے یہ احساس ضرور دیا کہ اپنے اپنے فن کے ان عظیم فن کاروں، علمائے اعلام اور مشائخ کرام کا شہزادہ امام احمد رضا کے روبرو اس طرح سر راہ آنکھیں بچھانا اور عقیدت و احترام میں بیخود ہونا بلا وجہ تو نہیں ہو سکتا۔

بے خودی بے سبب نہیں غالب

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

یہ تھی سرکار مفتی اعظم کے روئے تاباں کی پہلی زیارت جو مجھے نصیب ہوئی۔ میری عمر اس وقت ۱۲-۱۳ سال سے زیادہ نہیں تھی۔ اس کے بعد برادر مکرم مولانا رضوان احمد شہید سے جو مفتی اعظم کے مرید تھے نسبت رضوی و نوری کا نقش ذہن پر ثبت ہوتا رہا اور متعدد جلسوں اور کانفرنسوں کے مواقع پر اس آفتاب ولایت کی تابانیوں سے استفادے کا موقع

لتا رہا۔ تا آنکہ اگست ۱۹۷۸ء میں ہالینڈ کا سفر درپیش ہوا۔ وہ سفر جس نے مجھے میرے ماحول، میری دنیا، میری جوالاتنگاہ، میرے وطن اور میرے احساسات اور شعور کی رگوں میں نغمہ تحریک بن کر گونجنے والی فضاؤں سے محروم کر دیا۔

پچھڑ گئے ہیں کہاں ہم سفر خدا جانے
نقوش پا بھی گرد کارواں بھی نہیں

شرف بیعت:- ہالینڈ میں کم و بیش دس ماہ پہلا قیام کرنے کے بعد وطن واپسی ہوئی تو روح کی کشش آستانہ عالیہ رضویہ پر لے گئی۔ میرے ساتھ ہالینڈ کے ایک معمر شخص اسحاق خدا بخش اور برادر کریم ڈاکٹر محمد قاسم قادری مورانوی بھی تھے۔ سرکار مفتی اعظم نے کرم فرمایا اور اپنے آنگن میں بلا کر شرف زیارت و بیعت سے نوازا اور میری خواہش اور طلب کے بغیر شہزادہ گرامی حضرت علامہ اختر رضا خاں ازہری قبلہ سے خلافت نامہ منگوا کر پرکرایا اور دستخط سے مزین فرما کر عنایت کیا۔

میں اس الطاف خسروانہ پر شرمندہ بھی اور حیراں بھی۔ ایک لابی، کھلنڈرا، غیر متوازن انسان، اعمال، اوراد اور معمولات تو الگ، جس کے فرائض و واجبات بھی۔ اگر رحمان و رحیم رب قبول فرمائے تو قابل قبول ہوں۔ ورنہ من آنم کہ من دانم، پھر بھی بزرگوں کا یہ فرمودہ میری تسکین کا ذریعہ بنا۔

داد حق را قابلیت شرط نیست

بلکہ شرط قابلیت داد اوست

خلافت نامہ کے ساتھ خاص اندرون خانہ سے منگا کر اپنا استعمال کردہ ہلکے ہرے رنگ کا ایک رومال عطا فرمایا۔ رومال مبارک جو برادر مکرم مولانا ڈاکٹر محمد قاسم قادری، الحاج محمد اسحاق خدا بخش اور مجھے مشترک عطا ہوا تھا۔ مگر کرم فرما دونوں رفیقوں نے اپنے حق سے دستبردار ہو کر مجھے ہی بخش دیا تھا۔ جو آج بھی میری گراں قدر متاع ہے۔ اور

لباس عالم آخرت کا جز بنانے کے لئے بحفاظت رکھا ہوا ہے۔ فقیر قادری کو اس نعمت گراں بہا کا حصول، سرکار مفتی اعظم کی غلامی میں داخلہ اور حصول خلافت۔ ۲۳ جمادی الآخر ۱۳۹۹ھ جون ۱۹۸۹ء کو ہوا۔ فالحمد للہ الوہاب علی نعمہ وکرمہ وفضلہ العظیم۔

دس سالہ قیام ہالینڈ کے دوران آفات و مصائب کے متعدد طوفان سامنے آئے۔ مگر الحمد للہ میرے آقا نعمت کا بے پایاں کرم ہے کہ ہر حال میں میری پشت پناہی فرماتے رہے۔ اور ان حضرات کی پشت پناہی، عزم و ثبات قدمی، بلند حوصلگی اور بالآخر کامیابی کا ذریعہ بنتی ہے۔

اندھیری رات میں گران کی یاد ساتھ نہ دے

کہاں اٹھیں یہ قدم اور کہاں ملے منزل

ہالینڈ اور بلجیم کے اندر سلسلہ عالیہ رضویہ کی اشاعت ہو رہی ہے۔ کئی خانوادوں کو بریلی شریف بھیج کر داخل سلسلہ کرایا گیا ہے۔ بعض لوگوں نے حریم طیبین کی سرزمین پر جانشین مفتی اعظم حضرت علامہ اختر رضا خاں قادری دامت برکاتہم کے دامن سے وابستگی حاصل کی ہے اور ایک بار کے سفر ہالینڈ کے دوران جانشین مفتی اعظم نے ”قادریت و رضویت“ کے انوار سے اس خطہ تاریک کو خود رونق بھی بخشی ہے۔

رہے یہ جاری قیامت تک ان کا فیض عام

جہاں میں پھولے پھلے باغ رضوی و نوری

(بدر)

آخری دیدار:- اسٹڈم میں (ICN) اسلامک سینٹر نیڈر لینڈ کی عملی تگ و دو نقطہ عروج پر تھی۔ اور وطن ہند میں بھی کئی ضروری کام میرے سفر کا مطالبہ کرتے رہے۔ اسی دوران میرے مرشد طریقت کی کشش نے یہاں کے کاموں سے دل اچاٹ کر دیا اور یک بیک میں نے وطن کا رخت سفر باندھا۔ پہلے سیدھے گھوسی پہنچا۔ پھر برادران گرامی مولانا

محمد احمد مصباحی و مولانا عبدالمبین نعمانی کے ہمراہ بریلی شریف حاضر ہوا۔ نبیرہ اعلیٰ حضرت مولانا ریحان رضا خاں علیہ الرحمہ کے ذریعہ مرشد طریقت کی زیارت نصیب ہوئی۔ نقاہت حد سے زیادہ تھی۔ اہل ارادت و محبت کا دن رات تانتا بندھا رہتا تھا۔ معالجین نے لوگوں سے ملنے جلنے پر پابندی لگا رکھی تھی۔

خود راہ بنالے گا بہتا ہوا پانی ہے

کے مانند جانبازان مفتی اعظم زیارت اور قد مبوسی حاصل ہی کر لیتے تھے۔ اس وقت حضرت پر اکثر استغراق کی کیفیت رہتی۔ زبان ہمہ دم محو ذکر رہتی۔ جب بھی ہوش میں آتے نماز کے بارے میں پوچھتے۔ مجھے نماز پڑھنی ہے۔ کیا میں نے نماز ادا کی۔؟ یا اللہ میری نماز۔ اس عرصہ میں مخلوق خدا شب و روز ٹوٹی پڑتی تھی۔ محلہ سوداگران میں مخلوق خدا کا تانتا لگا رہتا تھا۔ شیخ و شباب، علماء و فضلاء و عوام تمنائے دیدار لئے چلے آتے تھے۔

نصف شب کے قریب ہم نے اس آفتاب ولایت کا دیدار کیا ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور ان کے لرزتے لبوں کی دعائیں لیں۔ کسے خبر تھی کہ یہ دیدار ہی ان کا آخری دیدار ہے۔ اور اب اس عالم میں نگاہیں ان کے جلووں سے محروم رہیں گی۔ دوسرے روز ہم لوگ مبارکپور لوٹ آئے۔

اور وہ چلے گئے :- ۱۴ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ کی تاریخ مسلمانان برصغیر کے لئے غم و اندوہ کی یہ خبر لائی کہ شب میں ایک بچہ کرچالیس منٹ پر شہزادہ اعلیٰ حضرت سرکار مفتی اعظم کا وصال ہو گیا۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

۱۵ محرم الحرام کو اپنی بیٹھک کے اندر نماز مغرب سے فارغ ہو کر اہل خانوادہ کے ہمراہ بیٹھا ہوا تھا کہ دارالعلوم اہل سنت شمس العلوم سے مولانا عاصم اعظمی، مولانا رضوان احمد شریفی کا فرستادہ حضرت کے وصال اور ۱۹ محرم دو بجے نماز جنازہ کی خبر لایا۔ سنتے ہی بجلی سی گر پڑی۔ اوسان خطا ہو گئے۔ گھر میں جا کر والدہ ماجدہ کو خبر دی اور اجازت لے کر فوراً

marfat.com

Marfat.com

روانہ ہو گیا۔ بس سے اعظم گڑھ روڈ پر پہنچا تو شب کو دس بجے وہاں ہزاروں مشتاقان مفتی اعظم کو آمادہ سفر دیکھا۔ مبارک پور، محمد آباد، گھوسی، خیر آباد، چریا کوٹ، شہر اعظم گڑھ اور دیگر قصبات و قریات کے مسلمان سوار یوں کے انتظار میں سرگرداں نظر آئے۔

بہر حال ایک بس میں جگہ ملی اور ہم لوگ لکھنؤ جا پہنچے برادران گرامی مولانا محمد احمد مصباحی، مولانا عبدالمبین نعمانی، مولانا عارف اللہ قادری، مولانا نصر اللہ قادری، مولانا قاری شفیق مبارکپوری، مولوی محمد محفوظ ہولندی اور راقم الحروف ہمراہ ہی تھے۔ لکھنؤ سے بھی مناسب وقت پر سواری مل گئی اور بارہ بجے تک ہم لوگ پھر سرزمین بریلی پروار ہو گئے۔ چند روز پہلے تو صرف محلہ سوداگراں عشاق مفتی اعظم سے بھرا پڑا تھا۔ اور آج تو شہر بریلی کا وسیع و عریض دامن بھی انسانی سیلاب سے تنگ ہو رہا ہے۔

یہ کس کی روئے منور کی جلوہ باری ہے

نظارہ کرنے کو پیر و جواں سبھی نکلے

(بدر)

لاکھوں سوگوار آنکھوں نے اس آفتاب ولادت کو زیر زمین چھپتے دیکھا۔ اس کے ساتھ ہی ایک عہد کی داستان دفن ہو گئی۔ تقویٰ اور پارسائی کا معیار اپنے کردار کے دامن میں رکھنے والا چلا گیا۔ مگر ایک روشن تاریخ چھوڑ کر۔ ایک شمع بجھ گئی مگر ہزاروں چراغ جلا کر۔ انسانی قلوب و اذہان میں ایمان و تقویٰ کے نور بکھیرنے والے مرتے کہاں ہیں۔ وہ تو وفات پا کر زندہ و جاوید ہو جاتے ہیں۔

کشتگان خنجر تسلیم را

ہر زماں از غیب جان دیگر است

تجلیات مفتی اعظم ہند مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی

☆☆

۲۲۷

marfat.com

Marfat.com

حضرت نوری بریلوی کی شاعری احادیث کی روشنی میں

(مولانا محمد حسین ابوالحسانی رضائے مصطفیٰ کو لہا بہار)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الشعر بمنزلة الكلام حسنه
كحسن الكلام وقبحه كقبح الكلام - (الأدب المفرد)
مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی شان ہے کہ شعر مثل کلام کے ہے۔
اچھا شعر اچھا کلام ہے اور برا شعر برا کلام ہے، قرآن عظیم میں ان شعراء کی مذمت کی گئی
ہے جن کے کلام کذب پر مشتمل ہوتے تھے خواہ موزوں ہوں یا غیر موزوں۔ مگر وہ شعراء
جن کے کلام تو حیدر بانی اور فضائل سید الکونین پر مشتمل ہوتے تھے، سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے انھیں سراہا ہے اور ان پر نظر کرم فرمایا ہے۔ بخاری شریف میں اس طرح کے بہت
سے اشعار موجود ہیں۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن عظیم کے معانی سمجھنے میں اگر وقت
ہو تو اہل عرب کے اشعار میں اسے تلاش کیا کرو اس سے معانی سمجھنے میں آسانیاں ہوں گی۔
مفتی اعظم علیہ الرحمہ والرضوان کی شاعری بھی خالص عبادت ہے۔ ہر شعر تو حید
ربانی اور فضائل سید المرسلین پر مشتمل ہے۔ خود فرماتے ہیں۔

گلبائے ثنا سے مہکتے ہوئے ہار ستم شرعی سے ہیں منزہ اشعار
عطا فرما دے ساقی جام نوری لبالب جو چہیتوں کو دیا ہے
ثنا لکھنی ہے محبوب خدا کی خدا ہی جن کی عظمت جانتا ہے

سنا نوری غزل اس کی ثناء میں ثناء جس کی ثنائے کبریا ہے
 پورا دیوان سامان بخشش پڑھ جائیے۔ اکثر شعر آیات و احادیث کا ترجمہ نظر آئیں
 گے۔ اور ایسا محسوس ہوگا کہ تازہ بہ تازہ کلام لکھا گیا ہے یہ بھی مفتی اعظم کی ایک کرامت
 ہے نمونہ چند اشعار احادیث کی روشنی میں سماعت فرمائیں۔

(۱) سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ عطاء اللہ کرتا ہے اور میں بانٹا کرتا ہوں۔
 (مشکوٰۃ)

مفتی اعظم فرماتے ہیں۔۔۔۔

انت القاسم ربك معطى تم ہی نے سب کو نعمت دی
 دے دو مجھ کو میرا حصہ صلی اللہ علیک وسلم
 صاحب دولت تم ہی تو ہو قاسم نعمت تم ہی تو ہو
 تم ہو سارے جگ کے داتا صلی اللہ علیک وسلم

۲۔ بخاری شریف میں ہے کہ بروز قیامت بندے حضرت آدم سے حضرت عیسیٰ تک
 پہنچیں گے۔ اور سب کی بارگاہ میں عرض کریں گے ہماری بخشش کرائیں سارے انبیائے
 کرام جو اب دے دیں گے اور فرمائیں گے نفسی نفسی اذہبوا الی غیرى، اخیر
 میں خاتم الانبیاء کی بارگاہ میں پہنچیں گے۔ تو شافع یوم النشور فرمائیں گے۔ رانی لھا۔ میں
 تمہارے لئے ہوں، ادھر آؤ، ادھر آؤ۔

مفتی اعظم فرماتے ہیں

آدم سے تا حضرت عیسیٰ سب کی خدمت میں ہو آیا
 نفی سب نے ہی فرمایا صلی اللہ علیک وسلم
 میرے آقا میرے مولیٰ آپ سے سن کر انی لہا
 دم میں ہے دم میرے آیا صلی اللہ علیک وسلم

(۳) مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت ولادت طیبہ اپنی امت کو فراموش نہیں فرمایا اور فرمایا۔ رب ہب لی امتی، اور جب وقت وصال آیا تو سرکار نے جبرئیل امین سے فرمایا۔ پہلے میرے رب سے جا کر میری طرف سے عرض کرو کہ میرے مولیٰ میرے وصال کے بعد میری امتی کا کیا حال ہوگا۔ (احیاء العلوم) مفتی اعظم فرماتے ہیں۔

وقت ولادت تم نہیں بھولے وقت رحلت یاد ہی رکھے
اپنے بندے تم نے شاہا صلی اللہ علیہ وسلم

آؤ آؤ میری خبر کو واروں تم پر قلب و جگر کو
میں بھی ہوں تمہارا بندہ صلی اللہ علیہ وسلم
(۴) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ مجھے اپنی جان کے سوا کائنات میں سب سے زیادہ پیارے ہیں۔ سرکار نے فرمایا! اے عمر۔ ابھی ایمان نامکمل ہے۔ عرض کیا! یا رسول اللہ آپ مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہیں، سرکار نے فرمایا۔
الان، یعنی اب ایمان مکمل ہوا۔ (بخاری شریف) مفتی اعظم فرماتے ہیں۔

جان ایمان ہے محبت تیری جان جاناں
جس کے دل میں یہ نہیں خاک مسلمان ہوگا
نور ایمان کی مشعل رہے روشن پھر تو
روز و شب مرقد نوری میں اجالا ہوگا

(۵) حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت کریمہ تھی کہ اگر کسی کو کچھ دینا ہو تو نعم فرماتے، اور اگر دینا منظور نہ ہوتا تو لانا نہیں فرماتے۔ بلکہ خاموش ہو جاتے۔ (الامن والعلی)

سنو گے لانا زبان کریم سے نور سی یہ فیض وجود کے دریا بہانے آئے ہیں

(۶) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ إن اللہ ما أوقع ظلك علی

الأرض۔ الخ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے محبوب کا سایہ زمین پر نہیں رکھا۔ بے سایہ کے پیدا کیا

تاکہ کسی انسان کا قدم آپ کے سایہ پر نہ پڑنے پائے۔ (مدارک)

مفتی اعظم فرماتے ہیں۔

تو ہے نور خدا پھر سایہ کیسا کہیں بھی نور کا سایہ پڑا ہے

تو ہے ظل خدا واللہ باللہ کہیں سائے کا بھی سایہ پڑا ہے

(۷) حضور سرور کونین فرماتے ہیں۔ یخرج بشفاعتہ۔ میری شفاعت سے میرا غلام

جہنم سے نکال لیا جائے گا اور بعض غلام ایسے ہوں گے کہ

یسعون الجہنمین۔ جہنمیوں کی فہرست میں نام درج ہو چکے ہوں گے۔ فرشتے انھیں

مقید کر کے جہنم کی طرف لے جا رہے ہوں گے۔ اسی اثناء میں شفیع بن کرا جاؤں گا اور غلاموں

کے ہاتھ پاؤں کی زنجیریں کھلوا کر اپنے دامن کرم میں چھپالوں گا۔ (خلاصہ حدیث)

مفتی اعظم فرماتے ہیں۔

مجھ سے عاصی کو جو بے داغ چھڑالائیں گے اہل محشر سے جو دیکھے گا وہ حیراں ہوگا

کوئی منہ میرا تکے گا کہ یہ وہ عاصی ہے جس کو ہم جانتے تھے داخل میزاں ہوگا

ماجرا دیکھ کے یہ ہوگا کسی کو سکتہ اک تعجب سے وہ انگشت بدنداں ہوگا

ان کی حیرت پہ کہوں گا کہ تعجب کیا ہے خود خدا ہوگا جدھر سرور ذیشان ہوگا

(۸) حدیث قدسی ہے۔ رب تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے محبوب میں نے

دنیا والوں کو آپ کے لئے پیدا کیا ہے۔ اگر آپ کا پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا۔ تو میں کسی کو نہ

پیدا کرتا۔ (انوار محمدیہ)

یہ کون و مکاں یہ زمین و زماں سب بنے تیری خاطر تو وجہ بنا ہے

تمہارے ہی دم کی ہیں ساری بہاریں تمہارے ہی دم سے یہ نشوونما ہے
 (۹) حدیث قدسی ہے۔ رب تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ کلہم یطلبون
 رضائی و أنا أطلب رضاک۔ روز محشر سب میری رضا چاہیں گے اور اے محبوب میں
 آپ کی رضا چاہوں گا۔

مفتی اعظم فرماتے ہیں

یہ چاہت ہے محبوب تیری خدا کو تو جو چاہے وہ بھی وہی چاہتا ہے
 کچھ ایسا سنوارا ہے تجھ کو خدا نے کہ تو ہی خدائی کا دولہا بنا ہے
 (۱۰) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ بہ اخذ واعطی۔ (حدیث قدسی) دونگا
 محبوب کے ذریعہ سے اور قبول کروں گا محبوب کے وسیلہ ہی سے دعا ہو یا عبادت کے بے
 وسیلہ محبوب مردود ہے۔

مفتی اعظم فرماتے ہیں

دامن محبوب چھوڑے مانگے خود اللہ سے
 ایسے مردک کو خدا سے مدعا ملتا نہیں

وصل مولیٰ چاہتے ہو تو وسیلہ ڈھونڈ لو
 بے وسیلہ نجدیو ہرگز خدا ملتا نہیں

ماخوذ از تجلیات مفتی اعظم ہند مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی



مفتی اعظم ہند اور شدھی تحریک

(علامہ عبدالرحمن خان مدیر ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف)

ابھی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی کو اس دار فانی سے کوچ کئے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ سرزمین ہند پر ایک نئے ایمان سوز فتنے نے سرابھار اس فتنے کی آگ نے درجنوں اضلاع اور ان کے مواضعات کو اپنی لپیٹ میں لے لیا وہ فتنہ تھا۔

شدھی تحریک: کا فتنہ جس کا طوفان بلاتا خیر ”شردھانند“ نامی آریہ کی قیادت میں شہر آگرہ سے اٹھا اور متھرا میرٹھ، بلند شہر، بھرت پور، بندرا بن، علی گڑھ، ہاتھرس، ایٹہ، بہرائچ گڑگانواں، اٹاواہ، جسونت نگر، مین پوری، اودے پور میواڑ، بڑودہ، بنارس، کانگڑہ فیروز پور، فرید کوٹ، پنجاب، چھپڑہ، سیوان اور بے پور جیسے بہت سے اضلاع نیز اڑیسہ و بنگال کے کئی شہروں اور ان کے مواضعات پر چھاتا چلا گیا۔

شدھی تحریک کیا ہے: ؟ یہ مسلمانوں کو مذہب اسلام سے برگشتہ کرنے کی ایک مشرکانہ مہم ہے مسلم راجپوتوں کو ہندو بنانے کا منصوبہ بند پروگرام ہے اس فتنہ ارتداد شدھی تحریک کی مہم میں تمام راجہ مہاراجہ شریک تھے راجہ دھراج ناہر سنگھ شاہ پور، بھیلواڑہ، راؤ گوپال سنگھ رئیس اعظم کھروا، جمیر، راجہ صاحب سوہیتا رام سنگھ رئیس اعظم بکائن علی گڑھ عملا سرفہرست تھے اور ہر طرح سے مسلم راجپوتوں کو ہندو دھرم میں لانے کی انتھک کوشش کر رہے تھے کبھی مسلمانوں کو دولت و ثروت کا لالچ دیا جاتا، کبھی اسلام کے خلاف جھوٹی کہانیاں گڑھ کر مسلمانوں کو سنائی جاتی، کبھی انھیں خوفزدہ کر کے ڈرا دھمکا کر ہندو دھرم قبول کرنے پر آمادہ کیا جاتا کبھی بیمار مسلمانوں کا مفت علاج کر کے انھیں اپنی طرف مائل کیا جاتا کبھی ان کے ساتھ کھان پان روار کھ کر متاثر کیا جاتا غرضیکہ ہر طرح سے

انہیں اسلام چھوڑنے کی ترغیب دی جاتی اور کسی طرح سے وہ راضی نہ ہوتے تو پھر یہ آریہ سماجی رہنما لائٹھیاں بندوقیں تلواریں لراتے اور ان پر ظلم و تشدد کرتے بے جا دباؤ ڈالتے اور شدید جرمانہ ڈال کر انہیں مرتد ہونے پر مجبور کرتے اسی طرح کی کئی سالہ مسلسل کوششوں کا یہ روح فرسا غم انگیز اور جانگسل و نتیجہ سامنے آیا کہ تقریباً ساڑھے چار لاکھ راجپوت مسلمان ہندو مذہب اختیار کرنے پر آمادہ ہو گئے۔

عظیم مجاہد عظیم کارنامہ : اس دور بلاخیز میں ضرورت تھی اسلام کو کسی ایسے عظیم مجاہد کی جو فاروق اعظم کا مظہر بن کر باطل کے قلعہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دے جو سرکار حسین کا نائب صادق بن کر تحفظ اسلام اور بقائے مذہب کے لئے اپنے خون کا ایک قطرہ دینے کے لئے تیار ہو جائے جو محمود غزنوی کا عزم و حوصلہ اور ہمت مردانہ لیکراٹھے اور یہ آریہ کے کفری سونما تھ کو توڑ کر عظمت اسلام کا پرچم لہرا دے سارے ہندوستان میں خاموشی تھی کہیں سے کوئی بھی ساڑھے چار لاکھ مسلمانوں کے ارتداد کا درد لے کر اٹھتا ہوا نظر نہیں آ رہا تھا۔

خانقاہوں کے ذمہ داران محو خواب غفلت تھے کہیں بیداری ”احساس“ کی کوئی لہر نظر نہیں آ رہی تھی سارے مدارس ساکت تھے کہیں سے اس فتنہ ارتداد شدہی تحریک کے خلاف صدائے حق بلند نہیں ہو رہی تھی دیوبند اور ندوہ کے تمام نام نہاد علماء اپنے اپنے منہ میں خموشی کا قفل چڑھائے ہوئے گوشہ نشین تھے ہاں وہ بریلی شریف کا عظیم رہنما اور بہر تھا جس کے سینے میں قوم کا درد تھا ملت کا احساس تھا، دین کا پاس تھا، وہ اپنے ہاتھوں میں عزم و ہمت کی تلوار اور حق و صداقت کا آفتاب لیکراٹھا جو باطل کی ظلمتوں کو قتل کرتا ہوا اور متاثرہ شہروں کے راجپوتوں کو نور صداقت کی بھیک بانٹا ہوا گزر گیا۔

جمال روئے منور کی تابشوں سے حضور تجلیات کا سورج اگا دیا تم نے سرکار مفتی اعظم ہند نے اپنی تحریک ”تحریک انسداد“ کا آغاز ۱۹ جنوری ۱۹۲۳ کو کیا

چنانچہ آپ نے دس نامور علماء کرام علیہ الرحمہ والرضوان جن میں شیر پیشہ اہلسنت حضرت مولانا مفتی محمد حشمت علی خان صاحب ابوالبرکات حضرت مولانا سید احمد صاحب قادری الموزی، صدر الافاضل حضرت علامہ مفتی سید نعیم الدین صاحب مراد آبادی حضرت مولانا قطب الدین برہمچاری کے اسمائے گرامی شامل ہیں کی ایک نورانی جماعت لے کر بلند شہر آگرہ، میرٹھ اور دیگر متاثرہ اضلاع کا دورہ کیا ہیڈ کوارٹر آگرہ کو بنایا حضور مفتی اعظم ہند نے اس دورہ تبلیغ میں عبادت خدائے واحد کی ترغیب و ترہیب کے لئے مختلف علاقوں میں وفود روانہ کئے ان وفود کی ذمہ داری مسلم راجپوتوں کو اسلام سے قریب کر کے احکام دین کا پابند بنانا تھا اور مجمع امام میں آریہ سماجیوں سے مناظرہ کر کے اسلام کی صداقت اور ہندو دھرم کا بطلان واضح کرنا تھا۔

حضور مفتی اعظم ہند نے مسلم راجپوتوں کے علاقوں میں اپنی ذاتی رقم سے دینی مدارس قائم کئے مدرسین کی تنخواہیں طلباء کی کتابیں اپنی جیب خاص سے عطا فرمائیں۔ ہندی رسم الخط میں لٹریچر شائع کیا اور مفت تقسیم فرمایا نمازیوں کے لئے کپڑوں کا مسجدوں کا مصلوں، فرشوں اور دیگر اشیاء ضروریہ کا بغیر چندہ کے اپنی جیب خاص سے انتظام فرمایا، غرباء و مفلسین میں روپیہ پیسہ سبزی دال، غلہ وغیرہ انتہائی فراوانی کے ساتھ تقسیم فرمایا۔

حضور مفتی اعظم ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام کے خلاف دشنام طرازیوں کا جواب دینے کیلئے شردھاندا اور اس کے ساتھیوں کا تعاقب کیا اور عام اجتماعات میں ان کو مسکت و دندان شکن جواب دیے کر رسوا و خوار کیا جگہ جگہ آریہ سماجیوں کو مناظرہ کے لئے چیلنج کیا گیا چونکہ آریہ سماجی کئی کئی بار مناظرہ میں شکست سے دوچار ہو چکے تھے اس لئے اب وہ مناظرہ سے کترانے لگے تو اس کا اثر مسلم راجپوتوں پر بہت اچھا مرتب ہوتا ادھر مسلسل شکست کا منہ دیکھتے دیکھتے آریہ سماجیوں کی ہمت بھی جواب دینے لگی تھی وہ مایوس ہونے لگے سرکار

مفتی اعظم ہند اور ان کے انصار و معاونین کی پر خلوص تبلیغ اسلام نے باطل کو سرنگوں کر دیا اور اسلام کی حقانیت مسلم راہبوتوں پر سورج کی طرح آشکارا کر دی (حیات مفتی اعظم)

صعوبتوں کا سامنا: اس تحریک کے دوران فتنہ ارتداد شدہی تحریک کے طوفانی سیلاب کو روکنے کے لئے آپ کو بے پناہ صعوبتوں کا بھی سامنا کرنا پڑا اور دراز را جستھانی مواضعات میں جہاں سڑکیں اور سواریاں تو درکنار ہموار راستہ تک نہیں تھے وہاں آپ نے تبلیغی سفر کئے۔ مئی جون کی شدید گرمیوں میں لوہے کی طرح تپتے ہوئے صحراء پر نو کیلے ریگزاروں سے آپ کو تبلیغ اسلام اور حفاظت دین کے لئے کئی کئی میل تک پیدل بھی چلنا پڑا ناز و نعم کے پروردہ تیس سال کی جوان العمری میں دھوپ کی تمازت سے جلتے ہوئے کہ اوپر سے سورج آگ برسا رہا ہے اور نیچے سے ریگستانی صحرا پیروں کو جلا رہا ہے پتھر انگاروں کی طرح تپ رہے ہیں ریت کے ذرے گرمی کی شدت سے سرخ ہو گئے ہیں پورا صحرا آگ میں جل رہا ہے دور دور تک سایہ کا نام و نشان تک نہیں چرندے پرندے اپنے آشیانوں میں منہ چھپائے بیٹھے ہیں مگر امام احمد رضا کا یہ ۳۰ سالہ نوجوان سینے میں ملت کا ورد لئے ہوئے اپنے خدا اور رسول جلالہ و صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا و خوشنودی کے لئے سفر کر رہا ہے ہوا کے تیز تند تھپیزے ریت کے ذروں کو اڑا اڑا کر آنکھوں میں داخل کر رہے ہیں مگر آپ مصروف سفر ہیں پیدل چلتے چلتے آپ کے مبارک پیروں میں ورم بھی آیا جسے آپ نے اپنے مذہب کے لئے نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور یہیں تک نہیں بلکہ چلتے چلتے آپ کے تلوؤں میں چھالے بھی پڑے جو ٹوٹ ٹوٹ کر بننے لگے مسلسل سفر کے باعث را جستھانی صحراء کے ذرات ریگ چھالوں کے زخموں میں نمک کی طرح لگ لگ کر تکلیف میں اضافہ کرتے رہے مگر پیروں کا ورم، تلوؤں کے چھالے آپ کو فریضہ تبلیغ سے نہ روک سکے۔

سنگ ریزوں کی چھین کا مجھے احساس کہاں

میں تو منزل کے مناروں پہ نظر رکھتا ہوں

دھوپ کی تمازت سے پھول جیسا چہرہ کھلا جاتا مگر پھر بھی آپ خنداں و تبسم کناں
رہتے دیگر ارکان تحریک کو اس کا احساس تک نہ ہونے دیتے آپ اپنے پیروں کا ورم اور
زخم دیکھتے تو آپ کو اپنے آقا و مولیٰ سرور کون و مکاں پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سفر
طائف یاد آجاتا جس کے تصور سے آپ کے مقدس پیروں کا درد رفع ہو جاتا آپ اپنے
محبوب کی یادوں کے اتھاہ سمندر میں غوطہ زن ہو جاتے اور کمال عشق و عقیدت کے ساتھ
عرض کرتے۔

یہ اک جان کیا ہے اگر ہوں کروڑوں
ترے نام پر سب کو وارا کروں میں
کروں تیرے نام پہ جاں فدا
نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا
کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں

بے مثال کامیابی:

سرکارِ مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کی تقریباً ڈھائی سالہ جدوجہد مسلسل اور سعی
پیہم نے وہ عظیم و بے مثال کارنامہ انجام دیا جس کی نظیر تلاشِ بسیار کے باوجود بھی نظر نہیں
آتی جو کام دنیا کی تمام انجمنیں متحدہ طور پر عرصہ دراز میں بھی انجام نہیں دے سکتی تھیں وہ
آپ نے مختصر سی مدت میں چند حضرات کے تعاون و اشتراک سے انجام دے دیا۔

نگاہ ولی میں وہ تاثیر دیکھی بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی
آپ کی پر خلوص تبلیغ سے مسلم راجپوتوں میں اسلام کا غلبہ ہوا آریوں کو پے در پے

نا کامیوں کا شکار ہونا پڑا ساڑھے چار لاکھ وہ مرتد جو اسلام سے پھر گئے تھے۔ دوبارہ داخل اسلام ہوئے مزید برآں خاصی تعداد میں ہندو بھی تعلیمات اسلام سے متاثر ہو کر آپ کے دست حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہوئے (دید یہ سکندری رامپور، ۱۱ جون ۱۹۲۳ء، حضور مفتی اعظم ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مولیٰ کی عنایت و تائید کے طفیل فتنہ ارتداد شدھی تحریک کی سرکوبی کرنے میں ایسی عظیم کامیابی حاصل کی کہ فتنہ آپ کے دم قدم کی برکتوں کے اثر سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نیست و نابود ہو گیا اور اسلام کا پرچم صداقت مسلم راجپوتوں کے گھروں میں لہرانے لگا۔

اس عظیم کامیابی پر دنیا حیرت زدہ تھی لوگوں نے جس کام کو ناممکن سمجھا تھا حضور مفتی اعظم ہند نے اسے ممکن کر دکھایا۔

متاع زندگی جس نے لٹا دی عشق احمد میں
خدا کی رحمتوں کے پھول برسیں ان کی تبریت پر

فیضان مفتی اعظم ص ۱۷۰



خورشید ہدایت

(مولانا ٹیمن اختر رضوی النجیح الاسلامی مبارکپور حال مقیم ریاض سعودی عرب)

ہندوستان کا وہ علاقہ جسے آجکل اتر پردیش کہا جاتا ہے اس کی مردم خیز سرزمین سے بڑے بڑے نامور علماء و فضلاء ادباء و شعراء اور محققین و مورخین پیدا ہوئے ہیں۔ جن کی دینی، علمی مذہبی، اصلاحی، سماجی اور سیاسی خدمات کو تاریخ میں نمایاں مقام ملا ہے اور یہاں سے اٹھنے والی ہر آواز اور ہر ایک تحریک نے اہل ملک کو اپنی جانب متوجہ کیا بیشتر مذہبی و سیاسی امور و معاملات میں اسے مرکزیت حاصل رہی اور بے شمار مسائل میں اس نے پورے ملک کی قیادت اور رہنمائی کا فریضہ انجام دیا ہے۔ رام پور، بدایوں، بریلی، خیر آباد، جونپور، لکھنؤ اور الہ آباد جیسے تاریخی شہر مسلمانوں کے تہذیبی، تمدنی اور مذہبی گہوارے رہے ہیں اور ان کی نمائندہ حیثیت سے تعلیم یافتہ طبقہ اچھی طرح واقف اور باخبر ہے۔

علاقہ روہیل کھنڈ اپنی شجاعت و بہادری میں ممتاز اور نہایت مشہور تھا۔ سلطنت مغلیہ کے عہد میں سعادت یار خاں بن سعید اللہ خاں (جاگیردار شیش محل لاہور و صاحب منصب شش ہزاری دہلی) کو اسے فتح کرنے کی مہم سپرد ہوئی۔ چنانچہ انہیں کے ہاتھوں یہ علاقہ فتح ہوا اور صوبہ دار بریلی کا فرمان شاہی ان کے حق میں صادر ہوا۔ ان کے بعد ان کے صاحبزادے محمد اعظم خاں کئی گاؤں کے جاگیردار اور ایک عہدہ جلیلہ پر فائز تھے آپ کا میاں ان شجاعت کے ساتھ دینداری کی طرف زیادہ تھا۔ پھر آپ کے فرزند ارجمند حافظ کاظم علی خاں تحصیلدار بدایوں میں یہ رنگ اور نکھر آیا۔

مگر خانوادہ علم و فضل کی حیثیت سے اس کی شہرت کا باعث مولانا رضا علی خاں بریلوی (بن حافظ کاظم علی خاں) متولد ۱۲۲۳ھ متوفی ۱۲۸۲ھ ہوئے چنانچہ مشہور مورخ مولانا

رحمن علی خاں ممبر کونسل ریاست ریواں اپنی مشہور تاریخ میں لکھتے ہیں۔

مولوی رضا علی خاں بریلوی

ابن محمد کاظم علی خاں بن محمد اعظم شاہ ابن محمد سعادت یار خاں بہادر از اجلہ علمائے بریلی ملک روہلی کھنڈ از عائدہ افاغندہ بہرچ است۔ بزرگان شان پیش سلاطین وہلی بہر عہدہ ہائے جلیلہ بمنصب شش ہزاری سرفرازو ممتاز بودند..... بہر بست و سہ سالگی از اکتساب علوم متداولہ فراغ یافتہ مشارالیہ امثال و اقران گشت خصوصاً در علم فقہ مہارت کاملہ داشت تذکیر و تاثیر وے مشہور و معروف است با جملہ لہیت کلام و سبقت سلام وز ہدوقناعت و حلم و تواضع و تجرید از خصائص وے تو اں شمرء۔ الخ (ص ۶۴)

تذکرہ علماء ہند مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱۹۱۴ء)

خاندانی شجاعت و بہادری کا جوہر بھی آپ کے اندر بے مثال تھا۔ چنانچہ ایک مورخ آپ کے بارے میں لکھتا ہے آپ جنگ آزادی ہند کے عظیم رہنما تھے۔ عمر بھر فرنگی تسلط کے خلاف برسر پیکار رہے آپ ایک بہترین جنگ جو اور بیباک سپاہی تھے لارڈ ہسٹنگ آپ کے نام سے کانپتا تھا۔ جنرل ہڈسن جیسے برطانوی جنرل نے آپ کا سر قلم کرنے کا انعام پانچ سو روپے مقرر کیا تھا مگر وہ اپنے مقصد میں عمر بھرنا کام رہا جب آپ نے برطانوی حکام کے خلاف جہاد میں حصہ لیا تو انگریزوں نے آپ کے احاطہ میں نقب زنی کرا کے ۲۵ عدد گھوڑے چوری کر لئے، کیونکہ اپنے تمام گھوڑے تحریک آزادی کے کارکنوں کو انگریزوں پر شب خون مارنے کے لئے مفت دیتے تھے اور آپ کی حویلی اکثر مجاہدین کی پناہ گاہ تھی۔ یہاں تک کہ مجاہدین کے کھانے کا بھی آپ خود ہی انتظام فرماتے۔ (جنگ آزادی نمبر ماہ نامہ ترجمان اہلسنت کراچی شمارہ جولائی ۱۹۷۵ء)

مولانا نقی علی خاں (بن مولانا رضا علی خاں) متولد ۱۲۴۶ھ متوفی ۱۲۹۷ھ جنہیں شیخ الحرم سید احمد زینی و حلان شافعی قاضی القضاة سے سند حدیث اور مولانا سید آل رسول

مارہروی (تلمیذ مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی) م ۱۲۹۶ء سے جمیع سلاسل کی اجازت و خلافت حاصل تھی انکے بارے میں مولانا رحمن علی رکھتے ہیں

خالق تعالیٰ ویرا بعقل معاش و

معا و ممتاز اقران آفریدہ بود۔ علاوہ

شجاعت جبلی بھفت سخاوت و تواضع

و استغنا موصوف بود۔ و عمر گراں مایہ خود

باشاعت سنت و ازالہ بدعت بسر بردہ

(ص ۲۴۴ تذکرہ علماء ہند)

ان کے نامور اور بلند اقبال فرزند شہید عرب و عجم مولانا احمد رضا قادری فاضل بریلوی متولد ۱۸۵۶ء ۱۲۷۲ء متوفی ۱۹۲۱ء ۱۳۴۰ء کے بارے میں حکیم عبدالحی رائے بریلوی لکھتے ہیں۔

واشتغل بالعلم علی والدہ ولازمہ مدۃ طویلة حتی برع فی العلم وفاق اقرانہ فی کثیر من الفنون لا سیما الفقه والاصول۔ (ص ۳۸ نزہۃ الخواطر جلد ثامن مطبوعہ حیدرآباد ۱۹۷۰ء) اور مولوی ابوالحسن علی ندوی رقمطراز ہیں۔

وکان عالما متبحرا کثیرا المطالعة واسع الاطلاع له قلم سیال و فکر حافل فی التالیف (ص ۴۰ نزہۃ الخواطر)

آگے چل کر ان کی فقہی بصیرت کا اعتراف کرتے ہوئے یوں لکھا ہے۔

بندر نظیرہ فی الاطلاع علی الفقه الحنفی و جزئیاتہ (۱۴۱ ایضا)

مولانا احمد رضا قادری فاضل بریلوی نے بارگاہ الہی میں دعا کی تھی کہ اے رب کریم۔ مجھے ایسی اولاد سے سرفراز فرما جو عرصہ دراز تک تیرے دین اور تیرے بندوں کی خدمت کرے ایک بار جبکہ آپ اپنے مشائخ سلسلہ کے آستانے پر (مارہرہ مطہرہ ضلع

ایٹھ) حاضر تھے وہیں خواب دیکھا کہ ان کے گھر فرزند تولد ہوا ہے اور آپ نے خواب ہی میں اس کا نام آل رحمن رکھا اسی دوران مولانا سید شاہ ابوالحسن نوری مارہروی م ۱۳۲۳ء نے بعد نماز عصر اچانک آپ سے فرمایا مولانا صاحب بریلی میں آپ کے گھر ایک صاحبزادے کی ولادت ہوئی ہے مجھے خواب میں بتایا گیا ہے کہ اس کا نام آل رحمن رکھا جائے جب میں بریلی آؤں گا تو اس بچے کو ضرور دیکھوں گا۔ دوسرے روز بریلی سے ولادت کی خبر پہونچی تو شاہ ابوالحسنین نوری میاں نے ابوالبرکات محی الدین جیلانی نام تجویز فرمایا۔ محمد کے نام پر عقیقہ کیا گیا اور مصطفیٰ رضا کے عرف سے مشہور روزگار ہوئے۔

سید شاہ نوری میاں جب بریلی تشریف لائے تو اس وقت کل عمر چھ ماہ تھی اسی وقت آپ نے پشتگوئی فرمائی کہ یہ بچہ دین و ملت کی بڑی خدمت کریگا اور خدا کی مخلوق کو اس کی ذات سے بہت فیض پہونچے گا۔ یہ بچہ ولی ہے اس کی نگاہ کیمیا اثر سے لاکھوں گمراہ انسان دیں حق پر واپس آئینگے اور یہ فیض کا دریا بہائے گا۔ یہ جملے ارشاد فرماتے ہوئے آپ کے وہن میں اپنی مبارک انگلیاں ڈالکر مرید فرمایا اور اسی وقت جملہ سلاسل کی اجازت و خلافت سے نوازا اور اس طرح سید شاہ نوری میاں نے مولانا مصطفیٰ رضا نوری کو اپنی فیض بخشوں سے گویا نور علی نور بنا دیا۔

حضرت فاضل بریلوی نے اپنی نگرانی میں آپ کی تعلیم و تربیت کا انتظام فرمایا۔ مولانا رحم الہی مظفر مونگیری، ۱۳۱۶ء (تلمیذ مولانا سید عبدالعزیز انیسٹھوی، ۱۳۲۴ء تلمیذ علامہ عبد الحق خیر آبادی، ۱۳۱۶ء اور مولانا سید بشیر احمد علی گڑھی (تلمیذ مولانا مفتی لطف اللہ علی گڑھی ۱۳۳۳ء) آپ کے خصوصی اساتذہ کرام ہیں۔

مولانا محمود احمد قادری مظفر پوری تحریر کرتے ہیں مولانا ظفر الدین (بہاری) و مولانا سید شاہ عبدالرشید (عظیم آبادی) دارالافتاء (بریلی) میں کام کر رہے تھے۔ ایک دن آپ

دارالافتاء میں پہنچے۔ مولانا ظفر الدین صاحب فتویٰ لکھ رہے تھے مراجع کے لئے اٹھ کر فتاویٰ رضویہ الماری سے نکالنے لگے، حضرت مفتی اعظم ہند نے فتاویٰ رضویہ دیکھ کر جواب لکھتے ہیں، مولانا نے فرمایا اچھا تم بغیر دیکھے لکھ دو تو جانوں میں نے فوراً لکھ دیا۔ وہ رضاعت کا مسئلہ تھا۔ یہ آپ کا پہلا جواب تھا یہ واقعہ ۱۳۲۸ء کا ہے۔ اصلاح کے لئے اعلیٰ حضرت (فاضل بریلوی) کی خدمت میں پیش کیا۔ صحت جواب پر امام اہلسنت بہت خوش ہوئے اور صحیح الجواب بعون اللہ العزیز الوہاب لکھ کر دستخط ثبت فرمایا اور ابوالبرکات محی الدین جیلانی آل الرحمن محمد عرف مصطفیٰ رضا کی مہر مولانا حافظ یقین الدین (بریلوی) سے بنوا کر عطا فرمائی (ص ۲۲۳-۲۲۴ تذکرہ علمائے اہلسنت مطبوعہ کانپور اے ۱۳۹۱ھ)

حج و زیارت حرمین شریفین کی سعادت دوبار آپ کو تقسیم ہند سے قبل حاصل ہوئی تیسری بار ۱۹۷۱ء ۱۳۹۱ء میں اس شان کے ساتھ عازم حرمین شریفین ہوئے کہ باوجودیکہ بہت سے علماء کرام کے نزدیک حج کے لئے فوٹو جائز ہے مگر آپ کی عزیمت کی بنیاد پر بین الاقوامی رائج الوقت عمل کے خلاف بغیر فوٹو کے پاسپورٹ حاصل ہوا اور سفر حج کے دوران جہاز میں کوئی ٹیکہ وغیرہ بھی نہ لگوا کر احتیاط و تقویٰ کی اس دور میں ایک روشن مثال قائم کر دی اور ضعف و نقاہت کے باوجود جس نشاط اور مستعدی اور شیفتگی و وارستگی کے ساتھ مناسک حج ادا کئے وہ ہم سب کے لئے قابل رشک ہے مولانا خالد علی خاں بریلوی اور مولانا عبدالہادی افریقی بریلی سے مکمل طور پر شریک سفر رہے۔ یہ حضرات ارض حجاز کے ایماں افروز اور رقت انگیز واقعات بتلاتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی عاشق وارفہ جگر ہے جو مکہ مکرمہ کے اماکن مبارکہ اس کی شاہراہوں اور مدینہ کے مقامات مقدسہ اور اس کی روح پرور گلیوں اور اس کے درود یوار پہ اپنا سب کچھ نثار کرنے کی آرزو میں تڑپ رہا ہے اور دیوانہ وار ہر طرف اس کی نگاہیں اٹھ رہی ہیں۔

خانوادہ رضویہ جو عشق و محبت رسول کی سرشاری میں ممتاز اور شہرہ آفاق ہے اس کے آپ سراپا نمونہ تھے۔ کیونکہ آپ کا دل بھی کشتہ رتیغ ابروئے محمد تھا (صلی اللہ علیہ وسلم) فرماتے ہیں۔

چارہ گر ہے دل تو گھائل عشق کی تلوار کا
کیا کروں میں لیکے پھاہا مرہم زنگار کا
از سر بالین من بر خیزاے ناداں طبیب
ہو چکا تجھ سے مدادا عشق کے بیمار کا

جانِ ایماں ہے محبت تری جانِ جاناں
جس کے دل میں یہ نہیں خاک مسلمان ہوگا
آہ پورا مرے دل کا کبھی ارماں ہوگا
کبھی دل جلوہ گہ سرورِ خوباں ہوگا

میرا گھر غیرت خورشیدِ درخشاں ہوگا
خیر سے جانِ قمر جب کبھی مہماں ہوگا
ظلمتِ قبر کا کیا خوف مجھے اے نوری
جب مرے قلب میں ایماں کا لمعاں ہوگا

سیدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نہایت گہرا تعلق خاطر اور والہانہ قلبی لگاؤ تھا چنانچہ انکی شان میں عرض گزار ہیں۔

ترا جلوہ نورِ خدا غوثِ اعظم
ترا چہرہ ایماں فزا غوثِ اعظم

خدا ساز آئینہ حق نما ہے
ترا چہرہ پر ضیاءِ غوثِ اعظم
جھلک روئے انور کی اپنی دکھا کر
تو نوری کو نوری بنا غوثِ اعظم

کھلا میرے دل کی کلی غوثِ اعظم
مٹا قلب کی بے کلی غوثِ اعظم
قدم گردنِ اولیاء پر ہے تیرا
تو ہے رب کا ایسا ولی غوث، اعظم
خدا ہی کے جلوے نظر آئے جب بھی
تری چشمِ حق ہیں گھلی غوثِ اعظم

تجلی نورِ قدم غوثِ اعظم
ضیائے سراجِ انظم غوثِ اعظم
ترا حل ہے تیرا حرم غوثِ اعظم
عرب تیرا، تیرا عجم غوثِ اعظم
کرم آپ کا ہے اعم غوثِ اعظم
عنایت تمہاری اتم غوثِ اعظم
چلا ایسی تیغِ دو دم غوثِ اعظم
کہ اعداد کے سرہوں قلم غوثِ اعظم
یہ دل یہ جگر ہے یہ آنکھیں یہ سر ہے

جہاں چاہو رکھو قدم غوثِ اعظم
تمہارے کرم کا ہے نوری بھی پیاسا
مٹے ایم سے اس کو بھی نم غوثِ اعظم

الحاج حافظ نواب رحمت نبی خاں بریلوی، (ساکن کملا نہرو مارگ سول انٹرن بریلی) بیان فرماتے ہیں کہ انہیں مدتوں سے ایک شیخِ کامل کی تلاش تھی متعدد خانقاہوں اور مقامات مقدسہ کی زیارت کو گئے لیکن ان کا دل کہیں جم نہ سکا مرشدِ طریقت بھی قادری سلسلہ کا ہونا چاہئے تھا اس لئے تلاشِ شیخ میں بے قرار ہو کر بغدادِ معلیٰ پہنچے کہ وہاں کے سجادہ نشین سے بیعت ہو جائیں مگر عقیدت کیش مسافر کو جس طرح کے رہنما و راہبر کی ضرورت تھی وہ یہاں بھی میسر نہ آسکا اور ان کا دل مطمئن نہ ہوا اور جب اضطرابِ دل حد سے سوا ہوا تو محبوبِ سبحانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خواب میں ان کے مچلتے ارمانوں کو قرار بخشا اور ہونے والے مرشدِ کامل کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ "جاؤ ان سے بیعت ہو جاؤ یہ میرے نائب ہیں۔" چنانچہ ۱۹ رذوالحجہ ۱۳۸۵ء کو آپ نے حضرت مفتی اعظم ہند کی بارگاہ میں حاضری دی اور بیعت و اردات کا شرف حاصل کیا یہ سچا واقعہ جناب نواب رحمت نبی خاں نے رمضان المبارک ۱۴۰۱ء میں جبکہ میں خانقاہ رضویہ بریلی سے ان کے دولت کدہ پر حاضر ہوا تو بیان کیا اور اسے اپنی ایک کتاب میں تحریر بھی فرما دیا ہے۔

ساداتِ کرام سے بھی بے پناہ عقیدت تھی تیسرے سفر حج ۱۳۹۱ھ میں آپ کو معلوم ہوا کہ خانوادہ حضرت غوثِ الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک بزرگ حضرت سید عبدالعبود البیلانی البغدادی جن کی عمر اس وقت ایک سو انچالیس سال کی تھی وہ مکہ مکرمہ میں قیام پذیر ہیں۔ آپ بصد شوق ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کمرے میں پہنچے سید صاحب استقبال کے لئے اٹھنے لگے تو آپ نے ان کا قدم چوم لیا۔ اور پھر احتراماً عام لوگوں کی صف میں بیٹھنا چاہا مگر انہوں نے آپ کو اپنی مسند سے قریب بغل میں بٹھالیا۔ سید صاحب

نے اثناء گفتگو میں ارشاد فرمایا بفضلہ تعالیٰ میں نے ۸۰ حج کئے ہیں۔ اعلیٰ حضرت شیخ احمد رضا قادری سے بریلی میں میری ملاقات بھی ہوئی ہے وہ مجھ سے عمر میں تیس سال چھوٹے تھے یہ واقعہ آپ کی ولادت سے قبل کا ہے۔ اس کے بعد سید صاحب نے حضرت فاضل بریلوی کی دینی و علمی خدمات پر روشنی ڈالی اور پھر یہ خواہش ظاہر کی کہ شیخ احمد رضا قدس سرہ کی یہ نعت شریف۔

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقرر

جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

کسی کو یاد ہو تو سنائے۔ چنانچہ مولانا عبدالہادی افریقی و دیگر حضرات نے ترنم سے پڑھا تو ساری فضا جذب و عشق کے عطر و عنبر سے مہلک اٹھی۔ دوزانو بیٹھ کر سید صاحب نے سر جھکا کر پوری لغت سماعت فرمائی اور آخر میں بزبان عربی اپنی ایک لغت شریف سنا کر حاضرین کو محظوظ فرمایا۔

احترام سادات کا ایک دوسرا واقعہ بھی نہایت ایمان افروز ہے انتقال کی شب جبکہ لوگ بیمار داری میں مصروف تھے ایک سید صاحب بھی وہاں تھے اور وہ بھی خدمت میں لگے ہوئے تھے کہ اچانک آپ نے آنکھ کھولی اور فرمایا یہاں کوئی سید صاحب ہیں؟ مجھے خوشبو محسوس ہو رہی ہے لوگوں نے عرض کیا جی حضور! فلاں سید محمد حسین صاحب ہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ خدمت کر کے مجھے گنہگار نہ بنائیں آپ صرف میرے حق میں دعائے خیر فرمائیں اور بس!

احترام نسبت کا یہ عالم تھا کہ دوسرے سفر حج میں جب آپ غار ثور کی زیارت کے بعد غار حراء کے قریب پہنچے تو اپنا عمامہ مبارکہ، جبہ، صدری، کرتا سب اتار کر زمین پر رکھ دیا۔ اس وقت سوزش عشق سے آپ کا قلب تپاں تھا اور آنکھوں سے اشک رواں غار کے اندر گئے تو اس کی پاک مٹی بدن پر ملنے لگے اور اس کے ذرات سے اپنی پیشانی کو اس

طرح چمکایا کہ کہکشاں کا جمال اور آفتاب نیروز کی شعائیں بھی اس کی تابانیوں پر قربان ہونے لگیں۔ اور چہرہ مبارک لطافت و رعنائی اور طلعت و زیبائی کا ایک خوبصورت موقع بن گیا۔

ایک بار مواجہہ اقدس میں صلوٰۃ و سلام پڑھنے کے بعد حرم شریف کے ایک خادم سے جھاڑو لے کر درود و سلام پڑھتے ہوئے اس مبارک سرزمین کو بہارا۔ اس وقت کے آپ کے جذب و شوق کا کیف و سرور ناقابل بیان ہے۔ آپ نے ایک بار لغت پاک میں فرمایا تھا۔

خدا خیر سے لائے وہ دن بھی نوری
مدینہ کی گلیاں بہارا کروں میں

اس کو سچ کر دکھایا۔

اس سفر میں آپ نے مکہ معظمہ میں ان علماء حرمین سے بھی ملاقات کی جنہوں نے حضرت فاضل بریلوی سے ان کے وقت میں حرمین طیبین میں ملاقات و استفادہ کیا تھا۔ یہ حضرات سید یحییٰ عمان علیہ الرحمہ کے تلامذہ میں سے ہیں ان کے اسماء گرامی یہ ہیں (۱) سید امین قطبی (۲) سید عباس علوی (۳) سید محمد نور۔ ان تینوں حضرات نے حضرت فاضل بریلوی کے دور کے حالات و واقعات بتلائے ان کے علم و فضل کی تعریف و توصیف کی، اور حضرت مفتی اعظم سے خلافت حاصل کی۔

خاندانی بزرگوں کی طرح آپ کی نعتیہ شاعری بھی بڑے پائے کی ہے اخلاص قلب اور عشق صادق جو معنوی لحاظ سے نعتیہ شاعری کے اجزائے ترکیبی ہیں وہ آپ کے اندر بدرجہ اتم تھے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

طبق پر آسماں کے لکھتا میں نعتِ شہ والا
قلم اے کاش مل جاتا مجھے جبریل کے پرکا

جو آب و تابِ دندانِ منور دیکھ لوں نوری
 مرا بحرِ سخن سر چشمہ ہو خوش آب گوہر کا
 وصف کیا لکھے کوئی اس مہیٹ انوار کا
 مہر و مہ میں جلوہ ہے جس چاند سے رخسار کا
 عرشِ اعظم پر پھیرا ہے شہ ابرار کا
 بجا ہے کونین میں ڈنکا مرے سرکار کا
 دو جہاں میں بٹتا ہے باڑا اسی سرکار کا
 دونوں عالم پاتے ہیں صدقہ اسی دربار کا
 جاری ہے آٹھوں پر لنگرِ سخی دربار کا
 فیض پر ہر دم ہے دریا احمد مختار کا
 فق ہے چہرہ مہر و مہ کا ایسے منہ کے سامنے
 جسکو قسمت سے ملے بوسہ تری پیزار کا
 کعبہ و اقصیٰ و عرش و خلد ہیں نوری مگر
 ہے نرالا سب سے عالم جلوہ گاہِ یار کا

نفسِ جسم سے چھٹتے ہی یہ پراں ہوگا
 مرغِ جاں گنبدِ خضرا پہ غزلِ خواں ہوگا
 جانِ ایماں ہے محبت تری جانِ جاناں
 جسکے دل میں یہ نہیں خاکِ مسلمان ہوگا
 نورِ ایماں کی مشعل رہے روشن پھر تو
 روز و شب مرقدِ نوری میں چراغاں ہوگا

اپنے والد ماجد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آپ نے بھی فقہ و افتاء میں کمال حاصل کیا۔ ایک لاکھ سے زائد فتاویٰ آپ کے قلم سے نکلے جن کے کچھ نمونے فتاویٰ مصطفویہ اول و دوم میں موجود ہیں۔ ہندو پاک کے طول و عرض میں سیکڑوں اہل نظر فقیہ و مفتی اپنے الجھے ہوئے مسائل آپ کی خدمت میں لے جا کر حل کراتے اور ہر پیدا ہونے والے مسئلے میں فیصلہ کے لئے نگاہیں آپ ہی کی طرف اٹھتی تھیں۔ فیلڈ مارشل جنرل ایوب خاں کے دور میں پاکستان کی ایک سرکاری رویت ہلال کمیٹی کے بارے میں مولانا سید ریاست علی قادری (کراچی) کی کتاب مفتی اعظم ہند و مدظلہ سے ماخوذ ایک مسئلہ ملاحظہ فرمائیں جس سے عالم اسلام میں آپ کی مرکزیت و مرجعیت واضح ہو جاتی ہے۔

ایک مرتبہ عید کے موقع پر ۲۹ رمضان المبارک کو اس کمیٹی کے چند افراد ہوائی جہاز کے ذریعہ چاند دیکھنے گئے ان لوگوں کو چاند نظر آ گیا اور انہوں نے اس کی اطلاع حکومت کو دیدی جس کے نتیجے میں حکومت نے رویت ہلال کا اعلان کر دیا۔ بعض علماء کی مخالفت کی بناء پر دنیائے اسلام کے بیشتر ممالک کے مفتیان کرام سے فتویٰ مانگا گیا اور ایک استفتاء مفتی اعظم ہند (بریلی شریف) کی خدمت میں بھی روانہ کیا گیا دنیا کے تمام مفتیوں نے رویت ہلال کمیٹی (پاکستان) کی تائید کی مگر مفتی اعظم ہند نے اس کے خلاف یہ فتویٰ صادر فرمایا۔

چاند کو زمین سے دیکھ کر روزہ رکھنے اور عید کرنے کا شرعی حکم ہے اور جہاں چاند نظر نہ آئے وہاں شرعی شہادت پر قاضی حکم دے گا۔ چاند کو سطح زمین یا ایسی جگہ سے جو زمین سے ٹلی ہو دیکھنا چاہئے رہا جہاز سے دیکھنا تو یہ غلط ہے کیونکہ چاند غروب ہوتا ہے فناء نہیں ہوتا ہے اس لئے کہیں چاند ۲۹ کو اور کہیں ۳۰ تاریخ کو نظر آتا ہے اور جہاز سے چاند دیکھ کر رویت کا اعلان درست ہوتا تو مزید بلندی پر جانے کے بعد چاند ۲۷ اور ۲۸ تاریخ کو بھی نظر آ سکتا ہے تو کیا ۲۷ اور ۲۸ تاریخ کو چاند دیکھ کر یہ حکم دیا جاسکتا ہے کہ اگلے روز عید یا بقر

عید جائز ہے اس طرح جہاز سے چاند دیکھ کر یہ فتویٰ صادر کرنا کہ ۲۹/۱۱/۲۰۰۹ کا چاند دیکھنا معتبر ہے بھلا کس طرح صحیح ہوگا:

یہ تحقیقی فتویٰ چونکہ دوسرے مفتیوں کی رائے کے خلاف تھا اس لئے نہایت تہلکہ خیز ثابت ہوا تقریباً سارے پاکستانی اخبارات نے اسے جلی سرخیوں کے ساتھ شائع کیا۔ حکومت پاکستان نے ۲۷/۲۸/۲۰۰۹ تاریخوں میں اگلے ماہ ہوائی جہاز سے اس کی تصدیق کرائی تو مزید بلندی پر ان تاریخوں میں بھی چاند نظر آ گیا۔ تب سے ہوائی جہاز سے چاند دیکھنے کا سلسلہ منسوخ ہو گیا اور رویت ہلال کمیٹی ہی توڑ دی گئی اور حضرت مفتی اعظم کی وقت نظر اور فقیہانہ بصیرت کو گویا عالمی سطح پر ہر ایک نے تسلیم کر لیا۔ اس کے علاوہ موجودہ پیدا شدہ حالات کے پیش نظر سیکڑوں مسائل پر حضرت کے محققانہ فتاویٰ موجود ہیں اور جنہیں پوری دنیا کے اہلسنت و جماعت تسلیم کرتے ہیں۔

مطبوعہ تصنیفات و تالیفات آپ کی بہت زیادہ نہیں مگر جو ہیں ان سے آپ کے بے پناہ علم و فضل اور ذہانت و طباعی و دورانہی و ژرف نگاہی کا اندازہ ہوتا ہے چند کتابیں یہ ہیں۔

(۱) فتاویٰ مصطفویہ اول و دوم (یہ دونوں حصے مکتبہ رضا بیسمل پور پبلی بھیت سے شائع ہوئے ہیں باقی حصص زیر طبع ہیں) (۱۲) (۲) المملفوظ اول تا چہارم (۳) حاشیہ الاستمداد (۴) الموت الاحمر (۵) ہشاد بید و بند (۶) وقعات السنان (۷) ادخال السنان (۸) طرق الہدیٰ والارشاد (۹) مسائل سماع (۱۰) القول العجیب (۱۲) الحجۃ الباہرہ (۱۳) طرد الشیطان (۱۴) تنویر الحجۃ (۱۵) وقایہ اہل السنہ (۱۶) مقتل کذب و کید (۱۷) کشف ضلال (۱۸) سیف الجبار (۱۹) نور العرفان (۲۰) سامان بخشش (مجموعہ کلام) (۲۱) الطاری الداری تین حصے۔

آپ کے اندر ایمانی جرأت ایسی تھی کہ بلا خوف و لومہ لائم ہر صحیح بات بر بھلا کہتے اور

marfat.com

Marfat.com

اس میں کسی طرح کی مداخلت اور بے جارعایت کے قائل نہ تھے جب کوئی خلاف شروع کام دیکھتے فوراً ٹوکتے بے داڑھی والا مسلمان سامنے آتا تو اس کو سختی کے ساتھ داڑھی رکھنے کی تاکید کرتے محافل میلاد اور جلسوں میں کوئی لغت خواں غلط شعر پڑھ دیتا جس میں شرعی سقم ہوتا یا کوئی خطیب و واعظ مسئلہ یا روایت بیان کرتا تو فوراً وہیں مجمع عام میں اس کی اصلاح کرتے اس سے توبہ کراتے۔ اگر کوئی ننگا سر سامنے آتا۔ اس کو بھی برداشت نہ فرماتے۔ اس طرح کے نہ جانے کتنے واقعات پیش آئے جن سے قریب رہنے والے ہزاروں علماء و عوام بخوبی واقف ہیں۔

تقسیم ہند کے بعد کہ مسلمان اور ہندو دونوں ایک دوسرے کے خلاف سخت مشتعل تھے اور برصغیر ہند میں آگ اور خون کی ہولی کھیلی جا رہی تھی اور صبح و شام خوف و ہراس کے گزر رہے تھے بالخصوص ان علاقوں میں جہاں مسلمان نقارہ ریل بجا کر اپنا رخت سفر باندھ رہے تھے ایسے ہنگامہ خیز دور میں آپ مسجد میں ہی نماز ادا کرنے جاتے، اور لوگوں کے منع کرنے کے باوجود اپنی جان کی بھی پرواہ نہ کرتے اور وقت پر مسجد پہنچ جاتے۔ دنیا آج بھی جا کر دیکھ سکتی ہے کہ محلہ سوداگران بریلی میں صرف آپ کا ایک خاندان آباد ہے بقیہ سب ہندو ہیں جن میں کثیر تعداد نار تھیوں کی ہے۔

آپ نے اپنی زبان فیض ترجمان سے عظیم الشان دینی خدمات انجام دی ہیں۔ ہمیشہ گمراہوں کو راہ ہدایت دکھاتے رہے اور اپنے چند جملوں سے قلوب کی تسخیر کا آپ وہ کارنامہ انجام دیتے جو اوروں کی سیکڑوں تقاریر پر بھاری ہوتے۔ آپ کی دلکش اور مقدس صورت دیکھ کر بے شمار غیر مسلم آپ کے دستِ حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہوئے اور ہزاروں بد عقیدہ آپ کی صورت زیاد دیکھ کر آپ کے تبلیغی جذبے سے متاثر ہو کر بد عقیدگی سے تائب ہوئے۔

بیعت و ارشاد کے سلسلے میں تو اپنے دور میں آپ بے مثل و بے نظیر تھے اور ایسا عارف

کامل و مرد مومن جس کی نگاہ حق ہیں شریعت و طریقت کے اسرور و رموز اور ان کی تہ تک فوراً پہنچ جائے اور جس کے دامن کرم سے وابستہ مریدوں کی تعداد ایک کروڑ سے زائد اور دلوں پر اس کی سلطانی و حکمرانی مسلم ہو اس کی مثال عالم اسلام میں ہمیں کہیں نظر نہیں آتی۔ افسوس کہ عرب و عجم کا یہ فقید المثال مرشد و شیخ طریقت شب پنجشنبہ ۱۴ محرم الحرام ۱۴۰۲ء مطابق ۱۲ نومبر ۱۹۸۱ء ایک بجکر چالیس منٹ پر مسلمانان عالم اور کروڑوں عقیدت مندوں کو اچانک داغ مفارقت دے گیا۔ بی بی سی لندن، آل انڈیا ریڈیو پاکستان ریڈیو اور اخبارات و رسائل نے اس المناک و وحشت ناک حادثہ کی خبر ساری دنیا میں پھیلا دی۔ جس سے مسلمانوں پر ایک بجلی سی گر پڑی اور سوداگروں کے قافلے بریلی کی جانب چل پڑے کاروں، بسوں، ٹرینوں اور ہوائی جہازوں سے علماء و فضلاء مختلف ممالک کے سفراء و نمائندگان حکومت تقریباً دس لاکھ کی تعداد میں جمع ہو گئے۔ تین بجکر بیس منٹ پر بعد نماز جمعہ اسلامیہ کالج بریلی کے وسیع و عریض میدان میں حضرت مولانا سید مختار اشرف صاحب مدظلہ سجادہ نشین سرکار کلاں کچھوچھو مقدسہ ضلع فیض آباد نے نماز جنازہ پڑھائی اور اس کے بعد خانقاہ عالیہ رضویہ میں حضرت فاضل بریلوی کے پہلو میں آپ کو سپرد لحد کیا گیا۔ جہاں کے انوار و تجلیات کا چشم سر سے مشاہدہ کر کے زبان خلق پکار اٹھی۔

نصیب تیرا چمک اٹھا دیکھ تو نوری
عرب کے چاند لحد کے سرہانے آئے ہیں

ماہنامہ استقامت کانپور ۱۹۸۳ء



ماہِ رِضَا

دورِ حاضر کے عظیم قائدِ ولی کامل اور

عارفِ باللہ کی سوانحِ حیات

(مضمون تہذیب و قاصدِ بقی)

چاند نے جب زمین کی طرف اترنا شروع کیا تو وہ زمین سے کئی گنا زیادہ بڑا تھا مگر وہ جس رفتار سے کرۂ ارض سے قریب تر ہو رہا تھا اس کا حجم گھٹ رہا تھا روشنی بڑھ رہی تھی یہاں تک کہ اتنا مختصر ہوا کہ وہ آسانی سے پیکرِ علوم و معارف کی گود میں سما گیا۔

یہ خواب مجددِ وقت امامِ اہلسنت مبلغِ عشقِ رسول اعلیٰ حضرت عظیم البرکت شاہِ احمد رضا خاں فاضل بریلوی نے مارہرہ میں ۲۵ جمادی الثانی ۱۳۱۰ھ کی منور رات میں دیکھا تھا خواب کی جزئیات سمٹ کر تعبیر بنیں تو آپ نے بیدار ہو کر دو گانہ شکر ادا کیا اور دو رکعتوں میں سورۂ رحمن کی تلاوت مکمل کی دعا کے بعد آپ نے اس بیٹے کا نام آلِ رحمن رکھنے کا فیصلہ کیا جس کی ولادت کی روشن بشارت خواب میں دی گئی تھی۔

اُسی دن مصر کے قطبِ عالم حضرت شاہِ آلِ رسول کے جانشین عالی مقام قدوۃ السالکین حضرت شاہِ ابوالحسین نوری نے آپ کو مبارک باد دیتے ہوئے کہا آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایک مبارک و مسعود فرزند عطا فرما دیا ہے نومولود کا نام آلِ رحمن رکھئے۔ میں پہلی فرصت میں بریلی آ کر آپ کے بیٹے کی روحانی امانتیں اس کے سپرد کروں گا۔

اعلیٰ حضرت اسی دن مارہرہ سے بریلی پہنچے بیٹے کو سینے سے لگایا اور پیشانی چوم کر کہا۔

”خوش آمدید ولی کامل“۔

اعلیٰ حضرت کو بیٹے کی ولادت پر سب سے پہلی مبارکباد استاذ الاساتذہ حضرت مولانا شاہ رحم الہی منگلوری نے پیش کرتے ہوئے کہا کسی کوشش کے بغیر ایک مادہ تاریخ زبان پر آگیا ہے جو بلند اقبال شہزادے کے سال ولادت کو ان کے تابناک مستقبل کے ساتھ ظاہر کرتا ہے۔

اعلیٰ حضرت نے مادہ تاریخ ولادت سکر فرمایا اللہ تعالیٰ آپ کی زبان مبارک پوری کرے مگر میں تو دین کا ادنیٰ خادم ہوں اور میری دلی تمنا یہ ہے کہ میرا بیٹا بھی دین کی خدمت کو ہی اپنا شعار بنائے۔

اعلیٰ حضرت نے محمد کے نام پر بیٹے کا عقیقہ کیا حالانکہ آل الرحمن نام تجویز کیا جا چکا تھا۔ اسم محمد کی برکتوں اور سعادتوں کا کوئی شمار نہیں کر سکتا مگر ان برکتوں اور سعادتوں کے ساتھ اعلیٰ حضرت کی نگاہ بصیرت نے اسم محمد پر عقیقہ کرتے ہوئے کچھ اور بھی دیکھ لیا تھا اور لوح محفوظ کا یہ راز اس وقت آشکارا ہوا جب مفتی اعظم نے ۹۲ سال کی عمر میں وصال فرمایا اور عمر کو اسم محمد کا عدد پایا گیا۔

۱۸ رذی الحجہ ۱۳۱۱ھ کو حضرت شاہ ابوالحسین نوری حسب وعدہ مارہرہ سے بریلی تشریف لائے اور محمد آل رحمن کو گود میں لے کر دیر تک یکسوئی سے دیکھتے رہے پھر پیشانی چوم کر کہا مولانا یہ تو مادر زاد ولی ہے! برکتوں کے اعتبار سے ابوالبرکات اور مرتبہ فنائیت میں محی الدین جیلانی ہے۔ اس انکشاف کے بعد حضرت شاہ ابوالحسین نوری نے اپنی انگشت شہادت محمد آل رحمن ابوالبرکات محی الدین جیلانی کے منہ میں ڈالی تو وہ شیر مادر کی طرح چوسنے لگے اور چاروں سلاسل ولایت کے بحر بیکراں سے سیراب ہو گئے۔ حلقہ بیعت میں لے کر اور قادری نسبت کا دریائے فیض بنا کر حضرت شاہ ابوالحسین نوری نے ابوالبرکات کو اعلیٰ حضرت کی گود میں دیتے ہوئے کہا مبارک ہو آپ کی یہ قرآنی آیت **وَاجْعَلْ لِي وِزِيرًا مِّنْ**

اھلی کی تفسیر ہو کر آپ کی گود میں آ گئی ہے۔

”آلِ رَحْمٰنِ - مُحَمَّدٌ - اَبُو الْبَرَكَاتِ - مُحَمَّدُ بْنُ جَبَلَانَ - مُصْطَفَى رَضَا“۔

اس نام پر اگر غور کیا جائے تو سب سے پہلے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جب کسی میں محاسن کی کثرت ہوتی ہے تو اس کا ہر نام تشنہٴ توصیف محسوس ہوتا ہے اور ذوق ستائش کسی جامع الصفات شخصیت کو مختلف ناموں سے پکارنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اس نام میں پہلی نسبت رَحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سے ہے۔ دوسری نسبت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ہے، تیسری نسبت سیدنا غوث الاعظم سے تیسری نسبت کے بعد عزیمت میں امام اہلسنت اعلیٰ حضرت کی نسبت ملحوظ رکھی گئی ہے یہ اہتمام تو اکابرین ملت کی بالغ نظری نے کیا تھا مگر لاکھوں افراد نے جب اس سرچشمہ ہدایت سے قریب آ کر استدادہٴ فیوض کیا وہ بھی اپنے جذبہٴ ستائش پر قابو نہ پاسکے آج وہ مختلف ناموں سے یاد کئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے اسمائے صفات کا پرتو انہی پر ڈالتا ہے جو اسکی بارگاہ میں مقبول ہو جاتے ہیں۔

مصطفیٰ رضا جب سخن آموزی کی منزل عبور کر چکے تو اعلیٰ حضرت نے اپنے بڑے صاحبزادے حضرت شاہ حامد رضا سے کہا میری مصروفیات سے تم باخبر ہو تم اپنے بھائی کو قرآن پڑھاؤ بڑے بھائی اپنے چھوٹے بھائی سے عمر میں ۱۸ سال بڑے تھے۔

چند دن میں ہی بڑے بھائی کو اندازہ ہو گیا کہ چھوٹا بھائی سراپا ذہانت ہے وہ بڑی محبت اور لگن کے ساتھ انکو پڑھانے لگے اور صرف تین سال میں تکمیل تلاوت ہو گئی۔ اعلیٰ حضرت نے استاذ الاساتذہ حضرت مولانا شاہ رحم الہی کو بلا کر کہا۔ ”مصطفیٰ رضا کو آج سے آپ اور مولانا بشیر احمد علیگزہمی پڑھا سکیں گے اور آپ کی محنتیں انشاء اللہ سرخرو ہوں گی۔“

میں اپنے لئے یہ بڑا اعزاز سمجھتا ہوں کہ آپ نے مستقبل کے مجدد کی تعلیم کے لئے مجھے منتخب فرمایا ہے لیکن مجھے یہ بھی یقین ہے کہ حقیقی تعلیم و تربیت آپ ہی فرمائیں گے کیوں کہ صاحبزادے صاحب جو آثار بزرگی میں ابھی سے دیکھ رہا ہوں وہ حیرت انگیز ہیں۔ تعلیم کا

باقاعدہ آغاز ہوا تو آپ کی ذہانت کا سب کو اعتراف کرنا پڑا ہر سبق ایک بار پڑھ کے یاد کر لیا کرتے تھے ایک دن آپ مسجد میں بند کتاب سامنے رکھے بغور اُسے دیکھ رہے تھے کہ مولانا بشیر احمد وہاں پہنچ گئے اور آپ کے اُس عالم کو دیکھ کر دریافت کیا بند کتاب کو دیکھنے سے کیا فائدہ حاصل کر رہے ہو آپ نے کھڑے ہو کر سلام کیا اور کہا میں اس امکان کا جائزہ لے رہا تھا کہ بند کتاب بھی پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں۔“

پھر آپ کس نتیجے پر پہنچے؟ مولانا بشیر احمد نے دوسرا سوال کیا۔

”بند کتاب بھی کھلی کتاب کی طرح پڑھی جاسکتی ہے۔“ آپ نے بڑی سادگی سے

جواب دیا۔

مولانا بشیر احمد نے اس جواب سے لطف اٹھاتے ہوئے کہا آپ میں یہ صلاحیت ہونا ہی چاہئے آپ پر غوث اعظم کا سایہ رحمت ہے۔ مولانا بشیر احمد نے جب اس واقعہ کا تذکرہ مولانا رحم الہی منگھوری سے کیا تو انہوں نے کہا ابھی تو نہ جانے کیا کیا انکشافات اور ہوں گے۔ صاحب زادے صاحب کے احوال کو راز رکھنے کی کوشش کیجئے میں ابھی اب تک بعض حیرت انگیز خصوصیات دیکھ چکا ہوں مگر میں نے آپ کو نہیں بتایا اب جبکہ آپ صاحب زادے کی روحانی قوت سے آگاہ ہو چکے ہیں اس لئے میں آپ کو صرف ایک ایسا واقعہ بتاتا ہوں جس نے مجھے پہلی بار چونکا دیا تھا۔

ایک دن میں درس دے رہا تھا مگر ذہن بار بار گھر کی طرف چلا جاتا تھا کیوں کہ جب میں مدرسے کے لئے گھر سے چلا تھا اس وقت میرے چھوٹے بیٹے کو شدید بخار تھا اور ہوش میں نہیں تھا درس کا تقاضا تھا کہ میں درس ہی کی طرف متوجہ رہوں بچے کے لئے دل تڑپ رہا تھا اس ذہنی کشمکش کے نتیجے میں میں اپنی شگفتگی کو برقرار نہ رکھ سکا جو دورانِ درس میرا معمول تھا۔ میں نے بچے کی حالت کا ذکر طلبہ سے نہیں کیا تھا مگر صاحب زادے نے نہ صرف یہ کہ اس تبدیلی کو محسوس کر لیا بلکہ ذہنی انتشار کا سبب بھی دریافت کر لیا اور مجھ سے کہا

اگر اجازت ہو تو میں آپ کے گھر جا کر بیمار کی خیریت معلوم کر آؤں میں نے اضطراری طور پر انہیں جانے کی اجازت دے دی اور اس وقت یہ بھی نہ سوچ سکا کہ میرے بیٹے کی علالت کا حال صاحب زادے کو کیسے معلوم ہو گیا۔ بہر کیف آپ جب واپس آئے تو بتایا الحمد للہ بخارا ترچکا تھا۔ آپ کے فرزند خود دودھ طلب کر کے پی چکے ہیں جب میں گھر پہنچا تو اہلیہ نے بتایا کہ جب صاحب زادے صاحب آئے تھے آپ کے بیٹے کی حالت پہلے سے زیادہ خراب ہو چکی تھی میں نے انہیں دیکھتے ہی کہا تھا کہ وہ آپ کو فوراً بلا لائیں مگر انہوں نے میری بات نظر انداز کر کے کچھ پڑھنا شروع کیا اور پھر جیسے ہی بیمار پر دم کیا اس کے مسامات سے پسینہ پھوٹ پڑا اور چند لمحوں میں بخارا تر گیا بیٹے نے آنکھیں کھول کر ماں کی طرف دیکھا اور کہا مجھے بھوک لگ رہی ہے مجھے کچھ کھانے کو دو۔“

ایک مرتبہ ایک طالب علم نے آپ سے پوچھا: آپ کی یادداشت اتنی اچھی کیوں ہے کہ کبھی کچھ بھولتے ہی نہیں۔ آپ حافظے کو تقویت پہنچانے کے لئے کیا کیا کھاتے ہیں؟ حافظہ غذا سے نہیں عطا سے تعلق رکھتا ہے اگر حافظہ غذا سے تقویت پاتا تو کوئی صاحب ثروت غمی نہ ہوتا۔ بارگاہِ علیم سے وابستگی پیدا کرو۔ وہیں سے سب کچھ ملتا ہے۔

”خدا داد ذہانت، لگن“ اعلیٰ حضرت کی توجہ اساتذہ کی محنت اور شیخ مکرم کی عنایات کے نتیجے میں آپ کم سنی ہی میں درسی علوم کی تحصیل سے فارغ ہو گئے۔

۱۳۲۸ھ میں جب آپ کا سن مبارک ۱۸ سال تھا آپ کسی کام سے دارالافتاء میں پہنچے تو وہاں مولانا ظفر الدین اور مولانا عبدالرشید فتویٰ دینے کے لئے رضاعت کے کسی مسئلے پر تبادلہ خیال کر رہے تھے بات کچھ الجھی تو مولانا ظفر الدین اٹھے تاکہ الماری سے فتاویٰ رضویہ نکال کر اس سے روشنی حاصل کریں آپ نے حیرت سے پوچھا۔ کیا فتاویٰ رضویہ دیکھ دیکھ کے جواب لکھا جاتا ہے؟

جی ہاں.....! جب الجھ جاتے ہیں تو فتاویٰ رضویہ ضرور دیکھ لیتے ہیں۔ ہزاروں مسائل

ہیں انہیں کہاں تک ذہن میں محفوظ رکھا جاسکتا ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ ہر مسئلے کا ہر مفتی اپنی یادداشت سے جواب دیکر مطمئن ہو جائے؟

میں اپنے بزرگوں کے علم کا وارث ہوں۔ فتویٰ کوئی کتاب دیکھے بغیر بھی دیا جاسکتا ہے لائے کیا استفتاء ہے۔ میں اس کا جواب لکھتا ہوں۔“

مولانا ظفر الدین نے کاغذ آپ کو دے دیا تو آپ نے قلم برداشتہ جواب لکھ کر ان کے حوالے کر دیا اور جب فتویٰ اصلاح کیلئے اعلیٰ حضرت کے پاس پہنچا تو جواب کی صحت دیکھ کر خوشی سے آپ کا چہرہ کھل اٹھا اور ”صح الجواب بعون اللہ العزیز الوہاب“ لکھ کر دستخط فرمادیئے فتویٰ نویسی کے اس حسن آغاز پر اعلیٰ حضرت نے بیٹے کو ایک مہر بنوا کر انعام میں دی جس پر ابوالبرکات محی الدین جیلانی آل رحمن محمد عرف ”مصطفیٰ رضا“ تحریر تھا یہ مہر دینی شعور کی سند تھی اصابت فکر کا اعلان تھا۔

اعلیٰ حضرت کی نگرانی میں تقریباً ۱۲ سال تک آپ نے فتویٰ نویسی کی تبلیغ دین کی تربیت حاصل کی روحانیت کے اعلیٰ مدارج طے کئے۔ مارہرہ کی حاضریاں جلوہ ساماں بنتی رہیں۔ آپ پر پہلا دور عزلت نشینی کا گزرا۔ بے ضرورت کسی سے کلام تک نہ کرتے تھے اور جو گفتگو ہوتی وہ بھی مختصر ہوتی۔ مجاہدات کے صبر آزمایا مراحل طے کرنے کے بعد منزل ”ترک ترک“ میں قدم رکھا تو لب خاموش نے پھول برسانا شروع کر دیئے۔ خلوتوں کی طرح محفلیں بھی مہکنے لگیں۔ روشنی کا ایک نیا دائرہ پھیل کر گمراہیوں کے اندھیروں کا جگر چاک کرنے لگا۔

اعلیٰ حضرت جس عظیم مقصد کے لئے دنیا میں تشریف لائے تھے جب اس کی تکمیل ہوگئی تو مرثدہ وصال حق آگیا۔ ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ کو سفر آخرت سے کچھ پہلے اپنے چھوٹے بیٹے سے کہا سورہ یسین سناؤ۔ والد محترم کے حکم کی تعمیل میں آپ نے تلاوت شروع کی تو وداعی لمحات کے احساس سے آواز گلوگیر ہوگئی۔ تلاوت سکر گھر کے تمام افراد پر رقت طاری

ہوگئی۔ سلعے ہوئے ہونٹ اور برستی ہوئی آنکھیں غم کے ماحول کو شدید سے شدید تر بنا رہی تھیں۔ اعلیٰ حضرت نے تکمیل تلاوت کے بعد آنکھیں کھول کر مغموں چہروں پر ایک طائرانہ نظر ڈال کر فرمایا: میں تم سے جدا ہو رہا ہوں مگر آنے والا لمحہ لمحہ وصال ہے۔ اس لمحہ وصال کی تمنا میں ایک عمر تڑپ تڑپ کر گزاری ہے لوگو! مجھے مبارک باد دو۔ میری مسرتوں کو اشک آلود نہ کرو۔ یہ حامد رضا اور مصطفیٰ رضا تمہیں میرے فراق کو محسوس نہ ہونے دیں گے۔ یہ دونوں میرے ظاہر و باطن کا آئینہ ہیں۔ اللہ حافظ۔

اعلیٰ حضرت کا جب وصال ہوا تو مصطفیٰ رضا کی عمر ۲۹ سال تھی۔ اور حامد رضا کی عمر ۴۷ سال تھی دونوں بھائیوں میں ایک مثالی محبت تھی اور یہ محبت ایک طرف شفقت اور ایک طرف ادب کا کامل نمونہ تھی۔ مسند افتاء پر حضرت مصطفیٰ رضا مفتی اعظم بن کر ابھرے۔ علم کے ایسے جوہر دکھائے کہ علمائے وقت نے انہیں اپنا پیشوا مان لیا۔ مگر مفتی اعظم کے فیوض کی کئی جہتیں تھیں اور ہر جہت آپ کی یکساں توجہ سے بہت پرکشش بن گئی تھی درس و تدریس کی نگرانی، دارالعلوم منظر اسلام اور مظہر اسلام کا انتظام و انصرام طلبہ کی فلاح و بہبود کی دیکھ بھال۔ ادارہ تصنیفات رضا کی نگرانی مسند افتاء پر جلوہ افشانی، تصنیف و تالیف کی مصروفیتیں، عبادت و ریاضت کا انہماک، جماعت اہلسنت کی تنظیم۔ دشمنان اسلام سے ہر محاذ پر معرکہ آرائی، بلا تفریق مذہب و ملت خدمت خلق اور اس کے ساتھ ہی لاکھوں مریدوں کی تربیت کی ذمہ داری۔ ایک ذات میں بیک وقت کتنے اور صاف جمع ہو گئے تھے اس کا شمار بھی آسان نہیں۔

مفتی اعظم خلق کی حاجت روائی کے لئے بڑی کثرت سے تعویذ لکھتے تھے اور لوگوں کو بہت فائدہ پہنچاتا تھا۔ ان کے لکھے ہوئے تعویذ آج بھی لاکھوں گلوں اور بازوؤں کی زینت ہیں مگر یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ تعویذ اولیاء اللہ کے چہرے کے نقاب ہوتے ہیں۔ مشکل کشا ان کی نظر ہوتی ہے انکی دعائیں کارساز ہوتی ہیں مگر فائدہ اٹھانے والا تعویذ

کو چومتا ہے آنکھوں سے لگاتا ہے ہند سے اور حروف کی سعادتوں کے خیال میں الجھ کر رہ جاتا ہے اور بیشتر اس کی نظر اس سرچشمہ بنیض تک نہیں پہنچ پاتی جس کی وجہ سے مرادوں کے گلشن کو سیراب کیا ہے۔ اولیائے کاملین حتی المقدور اپنے احوال باطن کو راز رکھتے ہیں۔ مفتی اعظم مصطفیٰ رضا جامع شریعت و طریقت تھے۔ شریعت پر طریقت کا اور طریقت پر شریعت کا حجاب تمام عمر ڈالے رہے۔ علماء انکی علمی تجلیوں سے خیرہ تھے اور عالم دین کی حیثیت سے ان کے سامنے سر نیاز خم کرتے تھے مشائخ، فقراء اور مجذوب انہیں اپنے زاویہ نظر سے دیکھتے تھے۔ جلوہ ہزار رنگ نے سب کو مختلف انداز سے اپنا گرویدہ بنایا تھا مگر مادر زاد ولی پر ہمیشہ ولایت ہی کا غلبہ رہا۔ ولی اپنے اخلاق کے حسن سے پہچانا جاتا ہے اس کا انکسار اس کی بزرگی کا اعلان کرتا ہے حقانیت کی ہمہ جہت پاس داری اور حق کی مسلسل تبلیغ سے حق آشکار کرتا ہے۔ مسائل پر ہر وہ شخص گفتگو کر سکتا ہے جو علم رکھتا ہے۔ حق و باطل میں خط امتیاز کھینچ سکتا ہے مگر دلوں میں حق کا نفوذ مشائخ، علماء ہی کر سکتے ہیں۔

مفتی اعظم کا سب سے بڑا کارنامہ ہی یہ ہے کہ وہ مجمع البحرین تھے اور علم و عرفان کے سنگم پر دریائے فیوض و برکات کا پاٹ حد نظر سے بہت آگے تک پھیل گیا تھا۔ آپ کے شب و روز پر جہاں تک نظر ڈالئے ایسا لگتا ہے کہ وہ ایک ایک لمحے کی قدر و قیمت سے آشنا تھے اور وقت کا بہترین مصرف انکے تصرف میں تھا۔ آپ کی ہدایت کے دائرے نے تقریباً نصف کرہ ارض کو آغوش میں لے لیا تھا۔ عرب و عجم میں آپ کی عظمت کا سکہ ہمیشہ ہی چلتا رہے گا۔

ان کی عظمت کا پوچھنا ہی کیا صورت غوث سیرۃ ہیں رضا

حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الہی کے عرس میں شرکت کے لئے آپ وہلی تشریف لے گئے تو کوچہ چیلان میں قیام کیا وہاں ایک بد عقیدہ ملا آپ سے علم غیب کے مسئلے پر الجھ پڑا صاحب خانہ اشفاق احمد نے آپ سے موڈ بانہ گزارش کی ”حضور یہ کج بحث ہیں ان پر

کسی کی بات کا اثر نہیں ہوتا۔“ مفتی اعظم نے اپنے میزبان سے کہا ”یہ اس وقت تمہارے گھر پر تشریف لائے ہوئے ہیں ان کے متعلق تمہیں کوئی سخت بات نہ کہنا چاہئے۔ مولوی صاحب نے آج تک کسی کی بات سنی ہی نہیں اس لئے اثر بھی قبول نہیں کیا یہ تو صرف اپنی بات سناتے رہتے ہیں اور وہ بھی ان سنی کر دی جاتی ہیں۔ آج میں ان کی باتیں توجہ سے سنوں گا حاضرین بھی خاموشی سے سنیں مولوی سعید الدین انبالوی سے سوا گھنٹے تک یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب نہیں تھا جب وہ تھک کر خاموش ہو گئے تو آپ نے فرمایا ”اگر کوئی دلیل تم اپنے موقف کی تائید میں بیان کرنا بھول گئے ہو تو یاد کر لو۔“ مولوی صاحب پھر جوش تقریر میں آگئے اور پھر آدھے گھنٹے تک بولنے کے بعد کہا ”پس یہ بات اچھی طرح ثابت ہو گئی ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب نہیں تھا۔“ تم اپنے باطل عقیدے سے فوراً توبہ کر لو۔

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے غیب کا علم عطا فرمایا تھا آپ اس کے رد میں وہ سب کچھ کہہ چکے ہیں جو کہہ سکتے تھے اب اگر زحمت نہ ہو تو میرے دلائل بھی سن لیں۔“

مولوی صاحب نے برہم ہو کر کہا میں نے تم جیسے لوگوں کی ساری دلیلیں سن رکھی ہیں۔ مجھے سب معلوم ہے کہ تم کیا کہو گے۔

آپ نے بڑے تحمل سے کہا ”مولوی صاحب یہ وہ ماں کے حقوق بیٹے پر کیا ہیں؟“

”میں غیر متعلق سوال کا جواب نہیں دوں گا مولوی نے تیز آواز میں کہا۔“

اچھا تم میرے کسی سوال کا جواب نہ دینا میرے چند سوالات سن تو لو۔ میں نے ڈیڑھ پونے دو گھنٹے تک تمہارے دلائل سنے ہیں۔

آپ کی بات سکر مولوی صاحب بادل نا خواستہ خاموش ہو گئے تو آپ نے دوسرا سوال کیا۔

کیا کسی سے قرض لے کر روپوش ہو جانا جائز ہے؟

کیا اپنے معذور بیٹے کی کفالت سے دست کش ہو کر اسے بھیک مانگنے کے لئے چھوڑا جاسکتا ہے؟

کیا حج بدل کے اخراجات کسی سے لے کر حج..... ابھی آپ نے اپنا سوال مکمل بھی نہیں کیا تھا کہ مولوی صاحب نے آگے بڑھ کر قدم پکڑتے ہوئے کہا۔ بس کیجئے حضرت مسئلہ حل ہو گیا۔ یہ بات آج میری سمجھ میں آگئی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب حاصل تھا اور نبی مکرم کے پاس علم غیب ہونا ہی چاہئے ورنہ منافقین مسلمانوں کی تنظیم کو تباہ و برباد کر دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے جب آپ کو میرے متعلق ایسی باتیں بتادی ہیں جو یہاں کوئی نہیں جانتا تو بارگاہِ علیم سے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا انکشافات نہ ہوتے ہوں گے۔

مولوی صاحب اسی وقت تائب ہو کر مفتی اعظم سے بیعت ہو گئے۔ مناظرے کو افہام و تفہیم کی سطح تک لے آنا بے مقصد گفتگو کو بامقصد بنا دینا صرف اولیاء اللہ کی خصوصیت ہے وہ شخص جو کسی دلیل کو سننا گوارا نہ کرتا تھا مفتی اعظم نے اس کے سامنے ایسی دلیل پیش کی جو سطحی علم رکھنے والے کبھی پیش نہ کر سکتے تھے۔

ایک دفعہ رام پور سے کچھ لوگ بریلی آپ سے بیعت کے لئے آرہے تھے انکے ساتھ ایک بد عقیدہ آدمی بھی اس نیت سے ساتھ ہولیا کہ وہ آپ کی خدمت میں پہنچ کر انوکھے سوالات سے آپ کو پریشان کر کے لطف اٹھائے گا۔ بریلی اسٹیشن پر، جب وہ دروازے پر پہنچا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس کا ٹکٹ غائب ہو گیا ہے اس نے اپنے ساتھیوں کو صورت حال سے آگاہ کیا تو انہوں نے کہا تم اپنا سامان ہمیں دے دو اور پلیٹ فارم پر رکو۔ ہم میں سے کوئی ایک پلیٹ فارم ٹکٹ لے کر ابھی آتا ہے۔ اشرف خان ابھی ٹہل ہی رہا تھا کہ ایک شخص نے اسے مخاطب کیا۔ تمہارے پاس ٹکٹ نہیں ہے میرے ساتھ آؤ میں

تمہیں باہر لے چلتا ہوں۔ اشرف خان سوچ میں پڑ گیا۔ اجنبی کا تعاون قبول کرے یا نہ کرے۔ اجنبی نے اشرف خان کا ہاتھ مضبوطی سے تھام کر گیٹ کا رخ کیا اور ٹی سی کے سامنے سے ہو کر باہر پہنچ گیا۔ اشرف خان کی نظر اپنے ساتھیوں پر پڑی تو اس نے انکی طرف بڑھنا چاہا۔ اجنبی اشرف خان کا ہاتھ چھوڑ کر بھیڑ میں گم ہو گیا۔

رام پور کے عقیدت مند اشرف کو ساتھ لے کر محلہ سوداگران میں خانقاہ رضویہ پہنچے۔ دن کے گیارہ کا عمل تھا۔ عقیدت مند آپ کی بارگاہ میں ادب سے سر جھکائے بیٹھے تھے اور آپ اس وقت تعویذ لکھ رہے تھے۔ تعویذ نویسی سے فارغ ہو کر آپ نے حاضرین سے پوچھا۔ ”کیا کسی اور کو تعویذ لینا ہے؟“ جواب سکوت میں پا کر آپ نے رحمت خاں سے پوچھا۔ ”کہو رامپور کے احباب کا کیا حال ہے سب خیریت ہے حضور! میرے ساتھ چار دوست آپ سے بیعت کے لئے حاضر ہوئے ہیں حکم ہو تو پیش کروں آپ کا اشارہ پا کر پانچ آدمی آپ کے سامنے دوزانو ادب سے بیٹھ گئے۔ آپ نے رحمت خاں سے کہا تم نے تو چار کے لئے کہا تھا یہ تو پانچ ہیں۔“

حضور! یہ اشرف خاں ہمارے ساتھ ضرور آیا ہے مگر بیعت کے ادارے سے نہیں آیا ہے اسے سب لوگ فلسفی کہتے ہیں۔ یہ آپ سے گفتگو کرنا چاہتا ہے۔ آپ نے اشرف خاں سے کہا: تم مجھ سے کیا گفتگو کرنا چاہتے ہو؟ میں بے شک آپ سے گفتگو ہی کرنے آیا تھا مگر میں اب صرف بیعت کا آرزو مند ہوں۔

اسٹیشن والی بات بھول جاؤ اشرف! تم ہم سے ملنے آئے تھے ملاقات کے مقاصد کچھ بھی ہوں مگر ہمارا اخلاق اس بات کو کیسے گوارا کر لیتا کہ ہمارا مہمان پریشان ہو تو اس کی مدد دوسرے کریں۔ تم وہ باتیں ضرور کرو جو تم کرنا چاہتے تھے۔

حضور! مجھے آپ مل گئے تو میرا کوئی سوال تشنہ جواب نہ رہا بس اب اپنی غلامی میں لے

لیجئے۔ تاکہ فکر و نظر کی آوارگی کا عذاب ختم ہو جائے۔

آپ نے سب کو بیعت کر کے حکم دیا۔ تم لوگ اب اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ تم لوگ غوث اعظم کے دامن کرم سے وابستہ ہو چکے ہو ہر قدم تمہاری رہنمائی ہوتی رہے گی۔
اعلیٰ حضرت نے محبت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو چراغ روشن کئے تھے ان چراغوں سے چراغاں کی کیفیت پیدا کرنے کیلئے مفتی اعظم نے ایک کامیاب جدوجہد کا آغاز کر دیا تھا۔ آپ جانتے تھے کہ بد عقیدگی کے بگولے مجتمع ہو کر آندھی بننے کی کوشش کر رہے ہیں۔ چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی ستیزہ کار ہے۔ آپ نے اپنے لئے سوچ سمجھ کر ایک نئے عمل مرتب کیا۔

مسئلہ امام اہلسنت اعلیٰ حضرت کی ترویج و اشاعت۔

مقام رسالت مآب کی رفعتوں کا باطل شکن پرچار۔

مسند افتاء سے اہلسنت کے عقائد کا علمی محاذ پر تحفظ۔

مسند رشد و ہدایت سے روحانیت کے فروغ کی سعی پیہم۔

تعویذوں سے خالی دامنوں کو مرادوں سے معمور کرنا۔

روحانی تصرفات سے دنیا میں پھیلے ہوئے مریدوں سے مربوط رہنا۔

شریعت و طریقت کے درمیان ہر فرق کو مٹانا۔

آپ کی زندگی کے بے شمار گوشے ہیں جو ہر رخ سے سرمایہ ہدایت ہیں مگر مندرجہ بالا خصوصیات ایسی ہیں جو اظہر من الشمس ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جتنی روحانی اور مادی توانائیاں عطا کی تھیں آپ نے سب اللہ تعالیٰ ہی کے دین کے لئے صرف کر دیں۔

ایک ایک قطرے کا مجھے دینا پڑا حساب

خون جگر و دینت مرگان یار تھا

بریلی آپ کا مرکز رہا کیوں کہ بریلی سنیت کے تشخص کی اب ایک ابدی علامت ہے

اس مرکز نے بریلوی سنی کی ایک ایسی اصطلاح سے روشناس کرایا جو حق و باطل سے ممتاز کرتی ہے۔ آپ نے جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور غوث الاعظم کی گیارہویں کو سنیت کے شعائر میں داخل کر دیا۔ اولیاء اللہ کی محبت کو جزو ایمان بنا دیا۔ آج سنی اور سنی نما افراد کی پہچان دن اور رات کی طرح آسان ہو گئی ہے۔ آپ سنی محاذ کے امیر لشکر تھے آپ نے سنی علماء میں مسلک حق کی ترویج کے لئے ایسی روح پھونکی کہ باطل لرزہ برانداز ہو کر رہ گیا۔ خطابت سے آپ کو کوئی خاص لگاؤ نہ تھا مجلس آرائی بہر کیف ایک بڑی ضرورت تھی۔ مجلسوں میں آپ کے حسن بیان کے پھول کھلتے تھے۔ آپ کی اثر آفرینی میں حرف و نظر کی بڑی اہمیت تھی۔ بات کرتے تو دلوں میں اترتی چلی جاتی تفہیم کے اس نازک مرحلے سے گزر کر حرف حق سامع کی زندگی بنانے کے لئے فیضانِ نظر سے بھی کام لیتے تھے لہجے کی شگفتگی کسی پر بے اثر نظر آتی تو جلال کے تیور بھی دکھا دیتے تھے۔

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت

یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

آپ کی حیات مبارک جلوہ ہزار رنگ ہے کسی طرح اختصار کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ مجھے یقین ہے کہ آپ پر مبسوط کتابیں لکھی جائیں گی اور دنیا آپ کے کمالات روحانی اور فیوض علمی پڑھ کر حیران رہ جائیگی میں اپنے اس مختصر مضمون میں اجمالی طور پر آپ کے روحانی تصرفات بیان کر رہا ہوں جو میں نے نقشہ افراد کے ذہنوں سے بھی چنے ہیں۔

مہبئی میں آپ کھتری محلے میں اپنے ایک مرید ہارون بھائی کے یہاں قیام فرماتے تھے آپ نے ہارون بھائی سے یہ بات تاکید سے کہہ دی تھی کہ جب وہ اپنی خواب گاہ میں چلے جائیں تو اس کے بعد کوئی خواب گاہ میں نہ آئے۔ ایک دن مغرب کے بعد سے جو ارواح مندوں نے آنا شروع کیا تو آتے ہی رہے۔ عشاء بھی مہمان خانے میں پڑھی اور پھر سلسلہ رشد و ہدایت جاری ہو گیا۔ نصف شب سے زیادہ گزر گئی تو آپ نے لوگوں کو آرام کا

مشورہ دیا اور خواب گاہ میں چلے گئے۔ ہارون بھائی کو مہمانوں کو رخصت کر کے یہ خیال آیا کہ حضرت نے کھانا نہیں کھایا ہے۔ بے ساختہ آپ کی خواب گاہ کی طرف بڑھے مگر اس خیال نے قدم پکڑ لئے کہ حضرت نے خواب گاہ میں داخل ہونے سے منع کیا ہے۔ ہارون بھائی اب نہ آپ کا حکم نظر انداز کر سکتے تھے نہ یہ گوارا کر سکتے تھے کہ آپ ان کے گھر پر بھوکے سوئیں۔ دیر تک ایک کش مکش کا عالم رہا۔ آخر شیخ کی محبت عالم اضطرار میں گرم دودھ لے کر حکم کی سرحدوں کو پھلانگ کر خواب گاہ میں داخل ہو گئی۔ ہارون بھائی نے دیکھا کہ آپ کے جسم کے تمام اعضاء کٹے ہوئے ہیں سر الگ ہاتھ الگ ایک لمحے میں ہارون بھائی نے یقین کر لیا کہ آپ کو کسی نے قتل کر دیا ہے۔ دودھ کا پیالہ ہاتھ سے چھوٹ کر قالین پر گر پڑا اور ہارون بھائی چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے جب ہارون بھائی کی آنکھ کھلی تو دیکھا کہ آپ ان کے سر ہانے موجود ہیں اور گھر کے افراد بھی جمع ہیں۔ ہارون بھائی شدت تھیر سے گنگ رہ گئے تھے کچھ دیر پہلے جو منظر انہوں نے دیکھا تھا وہ فراموش نہیں ہوا تھا آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا ہارون تا فرمانی کبھی نہیں کرنی چاہئے۔ جو دودھ تم لائے تھے وہ تو قالین نے پی لیا۔ اٹھو میرے لئے دودھ لاؤ۔

آپ نے ہارون بھائی کی کیفیت کو محسوس کر لیا تھا ان کے ظرف سے بھی آشنا تھے اس لئے فوری طور پر اپنی روحانی توجہ سے انہیں پرسکون کیا ورنہ ہارون بھائی کے دماغ کی رگیں پھٹ جاتیں ہارون بھائی آپ کے حکم کی تعمیل میں دودھ لے کر آئے اور آپ کو پیش کیا۔ آپ نے دودھ کا پیالہ لے کر گھر والوں سے کہا۔ جاؤ تم لوگ آرام کرو ہارون اب بالکل ٹھیک ہیں۔ سب چلے گئے تو آپ نے دودھ پیکر ہارون بھائی سے کہا۔ میں قاتل عشق ہوں روز جیتا ہوں روز مرتا ہوں۔

کشتگانِ خنجر تسلیم را

ہر زماں از غیب جان دیگر است

تم نے میرا ایک راز پالیا ہے مگر کسی نامحرم حال پر اس کا اظہار نہ کرنا۔ سلطان الاذکار اولیائے کاملین ہی برداشت کر سکتے ہیں سلطان الاذکار کی ضرب اگر پہاڑ پر بھی پڑے تو وہ ریزہ ریزہ ہو جائے ہم بھی بکھرتے ہیں مگر اللہ کی آغوش کرم ہمیں سمیٹ لیتی ہے۔

آپ کا قلب اطہر جاری تھا۔ لا الہ الا اللہ کا ورد کسی اہتمام کے بغیر شب و روز سینے کو منور کئے رہتا تھا بعض خوش نصیبوں کو یہ سعادت بھی حاصل ہوئی کہ آپ کے سینے سے کان لگا کر اس صدائے سرمدی کو سن بھی سکے ایک مرتبہ کلکتہ کے سفر میں ایک سادھو بھی آپ کے ڈبے میں تھا۔ سادھو بار بار چونک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ کسی آواز کا تعاقب ہمہ تن گوش بن کر رہا ہے۔ تجسس بے کار نہ گیا وہ اٹھ کر آپ کے قریب آیا اور کہا۔ یہ کیسی آواز ہے مہاراج جو میرے دل کی دھڑکنوں کو بے قابو کر رہی ہے۔

آپ نے اپنے خادم بابومیاں کو اپنے پاس سے اٹھا کر سادھو سے بڑی شفقت سے کہا آؤ میرے پاس بیٹھو میں تمہیں اس آواز کا بھید بتاتا ہوں جو تم سن رہے ہو سادھو آپ کے پاس بیٹھ گیا تو آپ نے کہا میں جس کی پوجا کرتا ہوں اس کا نام میرے دل کی دھڑکنوں میں بس گیا ہے اور جب سے وہ نام میرے دل کی دھڑکنوں میں بسا ہے دل کی دھڑکنیں اتنی بلند بانگ ہو گئی ہیں کہ میں بھی سنتا ہوں اور سدھے ہوئے کان بھی ان دھڑکنوں کو سن لیتے ہیں۔ ہم جس فضا میں سانس لے رہے ہیں آوازوں سے گونج رہی ہے۔ ہمارے ڈبے میں بہت سے لوگ آپس میں تیز آوازوں میں باتیں کر رہے ہیں۔ ریل کے پہلے اپنا راگ چھیڑے ہوئے ہیں۔ انجمن اپنا گیت الگ گارہا ہے پٹریاں چیخ رہی ہیں ہوا سننا رہی ہے یہ آوازیں ہی آوازیں ہیں اور تم ان کو سن بھی رہے ہو مگر ان آوازوں کا تمہارا دل کوئی اثر قبول نہیں کر رہا ہے مگر میرے دل کی وہ دھکنیں جو میرے پاس بیٹھے ہوئے لوگ بھی سن رہے ہیں تم ان کو دور سے سنکر بے قرار ہو گئے اور میرے پاس کھنچے چلے آئے اس کی بنیادی وجہ صرف یہ ہے کہ اثر انداز ہونیوالی شے آواز نہیں ہے بلکہ آواز کی آغوش

میں جو نام مہک رہا ہے اس نے تمہیں بے کل بنا دیا ہے جس طرح پیاسا پانی کو دیکھ کر پانی کی طرف دوڑ پڑتا ہے تمہاری جنم جنم کی پیاسی آتما بھی میرے پاس تمہیں لے آئی ہے۔ تم نے اپنی پیاسی آتما کو اب تک امرت سمجھ کر زہر پلایا ہے اور تم جانتے ہو کہ زہر پیاس نہیں بچھاتا ہے۔ اگر تم نے زہر اپنے شریر کو دیا ہوتا تو مر گئے ہوتے مگر آتما زہر سے مرتی نہیں ہلکان ہوتی ہے۔ اگر تم اپنی آتما کی پیاس بچھانا چاہتے ہو تو اسی نام کا جاپ کرو جو میرے دل کی دھڑکنوں میں بسا ہوا ہے۔

سادھو نے گردن جھکا کر اپنے کان آپ کے سینے سے قریب کئے اور توجہ سے سننے لگا۔ تھوڑی دیر میں ہی اس نے کہا لا الہ الا اللہ اور پھر آہستہ آہستہ لا الہ الا اللہ کا ورد کرنے لگا۔ آپ نے جب توحید کے لئے اس کا دل کشادہ پایا تو کلمہ طیبہ پڑھا کر اسے داخل اسلام کر لیا۔ سادھو بھگوان داس بڑا گیانی تھا۔ پیاس سے اپنے باطن کو سنوار کر استدراج کی منزل تک آ گیا تھا جب اس نے کلمہ طیبہ پڑھ لیا تو آپ کی توجہ سے ایک آن میں ولی کامل بن گیا۔ آپ نے اس کا نام عبداللہ تجویز فرما کر کہا۔ مجھے معلوم ہے کہ تم کہاں جا رہے ہو اور یہ بھی الحمد للہ جانتا ہوں کہ تم اب میرے ساتھ رہنے کا فیصلہ کر چکے ہو مگر تم وہیں جاؤ جہاں کا مقصد لے کر اپنے استھان سے چلے تھے اور اپنا کام کر کے تم واپس مینی تال چلے جانا تمہاری دینی اور روحانی تربیت کا ہم پورا پورا خیال رکھیں گے۔

عبداللہ کلکتہ تک آپ کے ہم سفر رہے اور پھر اس ملاقات کے بعد صرف روحانی ملاقاتیں رہیں عبداللہ پانچ سال کی تربیت کے بعد حج کے لئے گئے اور یاد حبیب میں چار سال قیام کر کے وہیں داعی اجل کو لبیک کہا۔ عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کے احوال سے آپ نے صرف دو مریدوں کو آگاہ کیا تھا جو خود بھی آپ کے فیضان نظر سے صاحب روحانیت تھے اور افریقہ سے عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کے اخراجات پورے کرتے تھے۔

عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کی آپ نے کس طرح غائبانہ تربیت کی اس سوال کے جواب کے

marfat.com

Marfat.com

واسطے ہمیں آپ کی حیات مبارکہ پر ایک نظر ڈالنی ہوگی اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے فاصلوں کو سمیٹ دیا تھا۔ سیر الارض کی خصوصیت سے سرفراز فرمایا تھا اور متعدد واقعات ایسے ہیں جو اس امر کی شہادت دیتے ہیں۔

بریلی سے کچھ لوگ سعادت حج بیت اللہ حاصل کرنے کے لئے گئے اور آپ کو وہاں ارکان حج ادا کرتے ہوئے دیکھا آپ کی دست بوسی کی اور اپنے لئے دعاؤں کی التماس کی مگر وہ آپ سے بچھڑ گئے اور جب وہ لوگ بریلی آئے اور لوگوں سے کہا کہ حضور بھی حج میں شریک تھے تو لوگوں کو ان کی بات کا یقین نہ آیا اور یقین آتا بھی کیسے جب آپ ان کے مشاہدے کے مطابق ایام حج میں بریلی سے باہر تشریف ہی نہیں لے گئے تھے۔ فریقین کے پاس ایقان کا نور تھا مگر وہ میں آپ کو دیکھنے کے بعد یہ بات نہیں مان سکتے تھے کہ آپ بریلی میں تھے اور بریلی میں آپ کو دیکھنے والے یہ کیسے باور کر سکتے تھے کہ آپ حج ادا کرنے گئے ہوئے تھے۔ فریقین کا اختلاف جب آپ کے سامنے بیان کیا گیا تو آپ نے دونوں فریقوں کی تائید کر کے یہ بات اچھی طرح واضح کر دی کہ اہل اللہ کے لئے یہ امر دشوار نہیں ہے کہ وہ بیک وقت دو جگہ موجود ہوں۔

جے پور میں مولانا ضیاء الدین کے صاحب سجاد نے آپ کی دعوت کی تو آپ نے قبول فرمائی۔ سجادہ نشین صاحب دعوت دے کر چلے گئے تو آپ کے ایک غریب مرید عاشق علی نے آپ کی خدمت میں آکر پوچھا۔ حضور کا جے پور میں کب تک قیام ہے؟ آپ نے کہا ہم کل اجمیر شریف روانہ ہو جائیں گے۔

عاشق علی نے مسرور ہوتے ہوئے کہا۔ تو حضور شام کا کھانا میرے غریب خانے پر تناول فرمائیں تو بڑا کرم ہوگا۔

آپ نے اس کی دعوت بھی قبول کر لی اور جب وہ خوشی خوشی واپس چلا گیا تو مریدوں نے کہا۔ ”حضور آج شام آپ مولانا ضیاء الدین کے سجادہ نشین صاحب کی دعوت بھی قبول

کر چکے ہیں۔“

آپ نے مریدوں سے مسکراتے ہوئے فرمایا کیا تم نے یہ بات بتا کر میری معلومات میں اضافہ کرنا چاہا ہے؟

آپ کے اس سوال کے سب نے شرم و ندامت سے اپنی گردنیں جھکا لیں۔ دوسرے دن ریلوے اسٹیشن پر جب لوگ آپ کو خدا حافظ کہنے آئے تو ان میں عاشق علی بھی تھا اس کے چہرے مسرتوں کے رنگ قوس و قزح کی طرح بکھرے ہوئے تھے، ہجوم کی وجہ سے اسے دست بوسی کا موقع نہیں مل رہا تھا مگر اس نے آپ تک پہنچنے کی کوشش جاری رکھی کافی جدوجہد کے بعد وہ جب آپ کے قریب پہنچا تو اس نے بلند آواز سے کہا ”حضور! صبح آپ کے جاتے ہی میرا بیٹا واپس آ گیا تھا۔ آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا“۔ اللہ بڑا کار ساز ہے۔ عاشق علی نے آپ کی دست بوسی کی تو فریڈ مسرت سے اس کی آنکھیں برسنے لگیں۔ آپ جب ارادت مندوں کو اشک بار چھوڑ کر روانہ ہو گئے تو لوگوں نے عاشق علی کو گھیر لیا اور پوچھا کیا صبح سرکار تمہارے یہاں تھے؟ عاشق علی نے کچھ دیر خاموش رہ کر کہا کل رات عشاء سے قبل سرکار میرے غریب خانے پر تشریف لے آئے تھے میں نے سرکار کو تنہا دیکھ کر پوچھا کہ میرے بھائی کیوں نہیں آئے؟

”وہ ایک دوسری جگہ مدعو ہیں اس وقت وہیں ہیں“۔ آپ کا یہ جواب سنا کر میں نے کہا۔ حضور آپ آگے تو سب آگے۔ حضور نے عشاء کے بعد کھانا تناول فرمایا۔ میرے بہت سے احباب بھی موجود تھے آپ نے دیر تک ان سے گفتگو کی بعض کو تعویذ دیئے بعض کو دعائیں۔ جب احباب رخصت ہو گئے تو حضور نے فرمایا۔ تم نے اپنے مفقود الخیر بیٹے کی واپسی کے لئے کوئی تعویذ طلب کیوں نہیں کیا؟

حضور مجھے یقین ہے کہ آپ اپنے غلاموں کے دکھوں سے آگاہ رہتے ہیں اور الحمد للہ کہ میرا یقین اب اور بھی پختہ ہو گیا ہے۔ حضور میری بات سنا کر خاموش ہو گئے۔ گذشتہ رات

حضور نے عبادت میں گذاری اور نماز فجر کے بعد ناشتہ کئے بغیر تنہا جانے لگے تو میں نے عرض کیا میں ابھی یکہ لے کر آتا ہوں مگر آپ اسلام علیکم کہہ کر چلے گئے اور میری اس وقت یہ کیفیت تھی جیسے زمین نے میرے پیر پکڑ لئے ہوں آپ کے ساتھ جانے کی خواہش کے باوجود میں اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکا اور نہ جانے کتنی دیر تک خالی الذہن کھڑا رہا اور پھر اس وقت ہی ذہنی صلاحیتیں بیدار ہوئیں جب پندرہ سال سے بچھڑا ہوا بیٹا آ کر مجھ سے لپٹ گیا۔ میرے گھر کی ویرانیاں مسکرانے لگیں سب گھر والے جمع ہو گئے۔ کچھ دیر تک بچھڑے ہوئے آپس میں مل کر روتے رہے اور جب اچانک میسر آئی تو خوشی کے لمحے جذبات میں ہلچل مچا کر گزر گئے تو میں نے اپنے بیٹے واصف علی سے کہا اب تم مجھے بتاؤ گھر سے کیوں چلے گئے تھے کہاں کہاں رہے اور واپسی کی کیا صورت ہوئی؟

واصف علی نے کچھ دیر اپنی یادداشت کو مرتب کیا اور کہا اجمیر شریف میں غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے عرس میں لوگ بے پور سے جا رہے تھے میرے دل میں بھی حاضری کا شوق پیدا ہوا اور ٹکٹ لئے بغیر ہی ٹرین میں بیٹھ گیا نہ ٹرین میں کوئی ٹکٹ پوچھنے آیا نہ پلیٹ فارم سے باہر نکلنے میں کوئی دشواری پیش آئی۔ زائرین کے ریلے کو ٹکٹ کلیکٹر قابو میں نہ رکھ سکا تھا۔ اجمیر شریف پہنچ کر میں نے درگاہ شریف میں حاضری دی۔ حاضری کے بعد بے پناہ ہجوم میں مجھے تنہائی کا احساس ستانے لگا نہ میرے پاس پیسے تھے نہ رہنے کو جگہ نہ کوئی آشنا میں نے ادھر ادھر گھوم کر کوئی آشنا چہرہ تلاش کرنا چاہا تو نا کامی ہوئی۔ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے میں اس وقت اکبری مسجد میں تھا یہاں سب ایک دوسرے سے بے نیاز تھے مگر ایک بزرگ نے میری کمر پر شفقت سے ہاتھ رکھ کر کہا۔ صاحبزادے اپنے والدین کی اجازت کے بغیر تمہیں یہاں نہیں آنا چاہئے تھا تم بھی پریشان ہو اور وہ بھی، عرس میں تمہاری حاضری ہو چکی اب تم گھر لوٹ جاؤ تمہاری جیب میں اتنی رقم موجود ہے کہ اب تمہیں کوئی پریشانی نہ ہوگی اور ہاں اگر تم نے میری بات پر عمل نہ کیا تو بہت پچھتاؤ گے۔

میں ان سے یہ کہنے ہی والا تھا کہ میری جیب خالی ہے مگر وہ اپنی بات مکمل کرتے ہی ایک سمت بڑھ گئے اور بھینٹ میں نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ میں نے بڑی بے یقینی سے اپنے پہلو کی جیب میں ہاتھ ڈالا تو وہ خالی نہ تھی جیب سے ہاتھ نکالا تو میری چٹکی میں دس دس کے پانچ نئے نوٹ تھے۔ مجھے نوٹ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی اور میں نے اس بات پر کوئی خاص توجہ نہ دی کہ نوٹ کہاں سے آئے اور نصیحت کرنے والے بزرگ کون تھے۔ میں نے درگاہ بازار میں جا کر پہلے کھانا کھایا۔ ہوٹل سے باہر نکلا تو بچے پورے دو لڑکے مل گئے پھر ان کے ساتھ تفریح میں مصروف ہو گیا۔ چار دن میں سب پیسے ختم ہو گئے اور جب ساتھیوں نے یہ دیکھا کہ میری جیب خالی ہو چکی ہے تو وہ بھی ساتھ چھوڑ گئے۔ اب میں پھر پریشان ہو گیا ماں باپ شدت سے یاد آنے لگے۔ میں سولہ کھبے کی طرف جا نکلا وہاں فقیر دھومیں کے مرغولے بنا کر قلندرانہ نعرے لگا رہے تھے وہاں ایک ادھیڑ عمر کا فقیر مجھ سے ملا جس کی آنکھیں انگاروں کی طرح سرخ تھیں اس نے مجھ سے کہا۔ بچہ میرے ساتھ آتیرے سارے دکھ دور ہو جائیں گے۔ میں اس کے ساتھ ہولیا۔ لنگر خانے کی گلی میں پہلے اس نے مجھے کھانا کھلایا اور پھر مجھے لے کر دولت باغ میں پہنچا وہاں ایک جگہ دو ب پر مجھے اپنے سامنے بٹھا کر اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں مجھے اس کی آنکھوں سے وحشت ہو رہی تھی مگر میرے بس میں یہ بات نہ تھی کہ اپنی نگاہوں کا زاویہ تک بدل سکوں مجھے جلد ہی دماغ سے نیند کی ایک لہر ابھرتی ہوئی محسوس ہوئی جو آہستہ آہستہ میرے تمام اعصاب پر چھا گئی۔ جب میں جاگا تو اس نے کہا۔ اب تم ہمیشہ میرے ساتھ رہو گے اور وہی کرو گے جس کا میں تمہیں حکم دوں گا۔ اس کی یہ بات سکر میں نے اس شخص کے لئے پہلی مرتبہ دل میں شدید نفرت محسوس کی مگر میں نے دیکھا کہ میں اس کے خلاف سوچ تو سکتا ہوں مگر اس کا حکم نہیں نال سکتا مجھے اس نے ایسی زنجیروں میں کس دیا تھا جو نہ حرکات تو سکناات میں مانع تھیں نہ مجھے نظر آتی تھیں نہ کوئی اور انہیں دیکھ سکتا تھا اس فقیر کا نام

جاموٹ تھا ہندوستان بھر میں وہ مجھے لئے گھومتا پھرا، کل رات میں جاموٹ کے ساتھ کلکتہ میں تھا سرائے کی اس کوٹھری میں جس کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ اچانک ایک بزرگ نمودار ہوئے اور جاموٹ سے کہا ”بد بخت اس آدمی کو تو نے قید کر رکھا ہے اور اس کے ماں باپ اس کے لئے بے قرار ہیں۔ جاموٹ نے یہ دیکھ لیا تھا کہ کوٹھری کا دروازہ بند ہے۔ اور بند دروازے سے آنے والا کوئی معمولی شخص نہیں ہو سکتا اس لئے اس نے مکاری سے کام لیتے ہوئے کہا میں اس سے محبت کرتا ہوں اگر میں اسے آزاد کر کے اس کے ماں باپ کو خوش کر دوں تو مجھے اس کی جدائی میں رونا پڑے گا۔ میں اپنی مسرتیں دوسروں میں تقسیم کرنے کا قائل نہیں ہوں۔ بزرگ نے جاموٹ کی یہ بات سنا اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ کوٹھری میں ایک دیا ٹٹا رہا تھا اس کی مدہم روشنی اس وقت محسوس ہی نہ ہوئی جب شعلہ بارنگا ہوں کا تصادم ہوا۔ اس تصادم نگاہ کے نتیجے میں جاموٹ کی چیخ سنائی دی ہائے میری آنکھیں، بزرگ نے مجھ سے فرمایا آنکھیں بند کر لو اور جب میں کہوں آنکھیں کھول لو اسی وقت آنکھیں کھولنا میں ان کے حکم کے مطابق آنکھیں بند کیں اور حکم کے تحت ہی جب آنکھیں کھولیں تو خود کورام نواس باغ میں پایا اب وہاں سے میں سیدھا گھر آ گیا۔

ارادت مندوں نے عاشق علی سے جب واصف علی کا احوال سنا تو جھوم اٹھے۔ انکے سر فخر سے اونچے ہو گئے کیوں کہ وہ ایسے عظیم المرتبت مرشد کے زیر سایہ اچکے تھے جو غوث الاعظم دستگیر کا مظہر کامل تھے۔

الہ آباد کے حاجی تقی کراچی سے پینسٹھ سال کی عمر میں فریضہ حج ادا کرنے گئے تو وہاں کی پُر نور فضاؤں میں انہیں اپنے شیخ مکرم کا چہرہ پر نور قدم قدم پر یاد آیا۔ مناسک حج ادا کرتے ہوئے شیخ مکرم کی ہدایتیں ذہن پر ابھرتی چلی جا رہی تھیں مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو روضہ رسول کریم پر صلوٰۃ و سلام پیش کرنے کے بعد سب سے پہلی درخواست یہی کی۔ ”آپ کی محبت کو جس نے میرا ایمان کامل بنا دیا ہے ان کی زیارت کو

آنکھیں ترس رہی ہیں اگر ان کی زیارت ہو جائے تو ان سے آپ کے جلوں کی بھی بھیک مانگ لوں اس دعا کے بعد تمام دعائیں اشکوں میں ڈھل گئیں۔

مسجد نبوی سے عصر کی نماز پڑھ کر حاجی تقی نکلے تو دیکھا مفتی اعظم سامنے سے چلے آ رہے ہیں دوڑ کر ان کی دست بوسی کی معافی سے سرفراز ہوا تو آپ نے فرمایا مسجد چلو یہ وقت باہر جانے کا نہیں ہے مسجد میں ایک جگہ قبلہ رو بیٹھا کر حاجی تقی سے کہا آنکھیں بند کر لو تاکہ دیدہ باطن کھل جائے۔ حاجی تقی نے حکم کی تعمیل کی تو دیکھا کہ بغداد شریف میں غوث الاعظم کے مزار اقدس کے سامنے موجود ہیں۔ ابھی مزار غوث الاعظم کو عقیدت و محبت سے دیکھ ہی رہے تھے کہ غوث الاعظم مزار اقدس سے باہر تشریف لے آئے حاجی تقی نے بڑھ کر قدم بوسی کرنا چاہی تو سرکار بغداد نے ان کا ہاتھ تھام لیا اور کہا ”مصطفیٰ رضا کے لاڈلے آ میں تجھے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لے چلوں دوسرے لمحے میں ہم ایک عالی شان دربار میں تھے ہر طرف انوار و تجلیات کی بارش ہو رہی تھی۔ صف بصف صحابہ کبار بیٹھے تھے اور شہ نشیں پر آفتاب ہدایت اپنی جمالی تجلیات کے ساتھ رونق افروز تھے حاجی تقی نے کچھ دیر تو سرکار کے جمالِ جہاں آرا سے کسب نور کیا اور پھر شدتِ جذبات میں یا رسول اللہ کا ایک بلند بانگ نعرہ لگایا اور اس نعرے کے ساتھ ہی جگمگاتا ہوا منظر آنکھوں سے اوجھل ہو گیا اپنے اطراف میں بیٹھے ہوئے لوگوں کا احتجاج سنا۔ کوئی کہہ رہا تھا جذبات پر قابو رکھ، کوئی کہہ رہا تھا دوسروں کے معمولات میں کیوں رخنہ ڈالتے ہو۔ کسی نے کہا یہ کلمہ شُرک ہے اور حاجی تقی دعا کرنے لگے۔

مرانور بصیرت عام کر دے

حاجی تقی کو شیخ مکرم کا خیال آیا تو آنکھیں کھول کر پہلو میں دیکھا جہاں بیٹھ کر آپ نے حاجی تقی کو آنکھیں بند کر لینے کا حکم دیا تھا مگر شیخ مکرم کو وہاں نہ پا کر ہر بات ان کی سمجھ میں آگئی تھی۔ سرکارِ مدینہ کا کرم ہو چکا تھا جو تمنا کی تھی وہ پوری کر دی گئی تھی مگر حاجی تقی یہ بات

بر بنائے مشاہدہ بڑے وثوق سے کہتے تھے کہ جس نے غوث اعظم کو نہ دیکھا ہو شہزادہ
اعلیٰ حضرت کو دیکھ لے ان دونوں میں ایسی کامل مشابہت ہے جیسے کسی صورت کی اپنی عکس
آئینہ سے ہوتی ہے۔

مفتی اعظم کی ہمہ گیر شخصیت مینارہ نور تھی جس سے ہر ارادت مند نے بقدر ظرف کسب

ضیاء کیا۔

دامان نکتہ تنگ گل حسن تو بسیار

جو چند واقعات آپ کے روحانی فیوض کے بیان ہوئے ہیں ان واقعات کو عنوانِ فکر بنا
کر اگر غور کیا جائے تو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ سلف صالحین کی جو کرامات
روحانی دور تنزل میں افسانہ معلوم ہونے لگی تھیں آپ کی کرامات نے انہیں از سر نو
ایسا اعتبار فراہم کیا کہ صرف مادی نقطہ نظر رکھنے والوں کو بھی سر تسلیم خم کرنا پڑا۔ منکرین
فیضیانِ ولایت کو بھی یقین آ گیا کہ معجزات نبوی کا پرتو جمیل کرامات اولیاء کی صورت میں
جاوداں ہے۔ مادی ارتقاء اپنے وسیع تر امکانات کے باوجود روحانی تصرفات کے تجزے
سے عاجز ہے۔

راپچی میں آپ کے ایک مرید مولوی محمد صالح کی بیوی کو جب ڈاکٹروں اور طبیبوں نے
لا علاج قرار دیا تو ان کا ذہن مایوسیوں کے اندھیرے میں بھٹکنے لگا، رات دیر تک بے
قراری میں کروٹیں بدلتے رہے۔ پچھلی رات آنکھ لگی تو پیر و مرشد کو خواب میں دیکھا وہ
فرما رہے تھے ”مولوی صاحب ہمیں تم نے بھلا دیا مگر ہم تمہیں کیسے فراموش کر سکتے ہیں۔

ہمارے تمہارے تعلقات کی سرحدیں تو عالم آخرت سے ملتی ہیں۔ ڈاکٹروں اور طبیبوں
نے اگر تمہاری اہلیہ کو لا علاج قرار دیا ہے تو اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں ہے کہ تمہاری
بیوی اچھی نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ بڑا صاحب قدرت ہے۔ اب تم اپنی بیوی کا کوئی علاج
نہ کرنا ایک ہفتے میں جب وہ بالکل تندرست ہو جائے تو اسے لے کر ان ڈاکٹروں اور

طیبوں کے پاس ضرور جانا جو علاج قرار دے چکے تھے۔

مولوی محمد صالح صبح بیدار ہوئے تو انہیں خواب اچھی طرح یاد تھا اور وہ اس خواب کی صحت پر شک بھی نہیں کر سکتے تھے کیوں کہ یہ ایک بشارت تھی جو معتبر حوالے سے انہیں ملی تھی۔ بشارت کے مطابق صرف ایک ہفتے میں بیگم مولوی محمد صالح نے غسل صحت کیا اب انہیں دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ تین سال تک بیمار رہی ہیں۔ شیخ مکرم کے حکم کے مطابق جب مولوی محمد صالح نے ڈاکٹروں اور طیبوں سے بیوی کا معائنہ کرایا تو وہ حیران رہ گئے انہیں اپنا شعور طبابت ناقص نظر آنے لگا سب نے پوچھا تھا کہ کیا دوا دی کس سے علاج کروایا مگر جواب میں یہ بات سن کر نہ کسی طبیب کو دکھایا نہ کوئی دوا دی بلکہ صرف اپنے شیخ مکرم کے حکم کی تعمیل کی تو انہیں ماننا پڑا کہ دعا، دوا پر ہر طرح تفوق رکھتی ہے دوا کا تعلق بالواسطہ مسبب سے ہے اور دعا کا تعلق براہ راست مسبب سے ہے۔

آپ کی متعدد کرامات میڈیکل سائنس کے لئے چیلنج ثابت ہوئی ہیں مادیت نے کئی بار روحانیت کی بارگاہ میں سجدہ اعترافِ عظمت کیا ہے۔ ۱۹۷۷ء میں ایک دن آپ مسجد رضا میں ارادت مندوں کے جھرمٹ میں فروش تھے کہ ایک عورت اپنے ایسے مفلوج بیٹے کو لے کر حاضر خدمت ہوئی جو نہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو سکتا تھا نہ بات کرنے کے قابل تھا اور مزید برآں ذہنی اعتبار سے بھی ناکارہ تھا بچے کی ماں نے رور و کر حضرت سے التماس دعا کی تو آپ نے لڑکے سے کہا ”اٹھ“ مگر اس پر اس حکم کا کوئی اثر نہ ہوا آپ نے پھر کئی بار لڑکے سے کہا اٹھ مگر اس نے اپنی جگہ سے جنبش نہ کی چنانچہ آپ نے جلال میں آ کر لڑکے کے گال پر ایک طمانچہ مارا حاضرین یہ منظر دیکھ کر ششدر ہو گئے مگر دوسرے ہی لمحے طمانچے کے نتیجے میں جب بچہ کھڑا ہوا ماں کہتے ہوئے ماں کی طرف لپکا تو ہر طرف ایک مسرت کی لہر دوڑ گئی۔

کرامت ولایت کی خوشبو ہے جہاں ولایت ہوتی ہے کرامت ضرور ہوتی ہے محلہ سواد

گران بریلی کا ایک ہندو جس کا ایک پیر مفلوج تھا وہ رات دن دیکھتا تھا کہ لوگ آپ کی خدمت میں آرہے ہیں اور بامراد لوٹ رہے ہیں اس نے کئی بار آپ کی خدمت میں جانے کا ارادہ کیا مگر کبھی ارادے کو عملی جامہ نہ پہنا سکا۔ ایک دن آپ مسجد سے گھر کی طرف چلے جا رہے تھے تو وہ اپنا بیچ راستے میں لکڑی کے سہارے کھڑا ہوا ملا۔ آپ جب اس کے قریب پہنچے تو رک کر اس کے مفلوج پاؤں پر دم کیا اور آگے بڑھ گئے۔ مفلوج ہندو یقین و عدم یقین کی ملی جلی ذہنی کیفیت کے ساتھ لکڑی کے سہارے اپنے گھر پہنچ کر چار پائی پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں ہی اس نے محسوس کیا کہ منقطع دوران خون مفلوج پیر میں اپنی راہ ہموار کر رہا ہے۔ وہ فرط مسرت میں چار پائی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور پورے گھر میں بغیر سہارے کے دوڑنے لگا۔

ابر کرم جب برستا ہے تو سب پر ہی برستا ہے آپ کے تمام مذاہب کے لوگ فیض حاصل کرتے تھے ٹھہریا موضع بریلی سے گاؤں والے ایک لڑکی کو آپ کی خدمت میں لائے جس کی آنکھ پھول کر بھیا نک انداز میں حلقہ چشم سے باہر نکل آئی تھی اور یہ آنکھ بصارت سے بھی محروم ہو چکی تھی لڑکی کے باپ نے روتے ہوئے آپ سے التجا کی ”حضور! میں تباہ ہو گیا دیکھئے تو سہی اس حالت میں اسے کون قبول کرے گا خدا کے لئے اسے اچھا کر دیجئے مجھ سے اس کی یہ حالت نہیں دیکھی جاتی۔“

آپ نے لڑکی کی آنکھ کو بغور دیکھتے ہوئے زیر لب کچھ پڑھا اور آنکھ پر دم کیا اور پھر سب نے یہ حیرت انگیز منظر دیکھا کہ پھولی ہوئی آنکھ آہستہ آہستہ حلقہ چشم میں سمٹ گئی۔ گاؤں والے تو اسی بات پر خوش تھے کہ لڑکی کو بد صورتی سے نجات مل گئی تھی مگر آپ نے انہیں یہ مٹروہ بھی سنایا ”اسے لے جاؤ اس کی آنکھ میں بینائی بھی آجائے گی اور آپ نے جو مٹروہ سنایا تھا چند دن میں ہی ایک حقیقت بن گیا۔“

غوث الاعظم کی نسبت کامل ہی کا یہ اعجاز ہے کہ حضرت مفتی اعظم سے بے شمار کرامات

کا ظہور ہوا مگر آپ کی حیات طیبہ خود بھی ایک کرامت تھی۔

آپ کی قرب و سیدہ قرب خدا تھا، آپ کو دیکھ کر خدا شناسی کا ذوق بیدار ہوتا تھا۔ آپ کی باتیں سن کر دینی شعور میسر آتا تھا آپ کی نشست دبر خاست سے آداب تو واضح مرتب ہوتے تھے آپ کی آنکھیں میخانہ عرفان تھیں آپ کی پیشانی افق سعادت تھی۔ چہرہ اقدس تجلیات کا آئینہ تھا رفتار صراط مستقیم کی نشان دہی کرتی تھی مہکتے ہوئے دن جگمگاتی ہوئی راتیں آپ کا خیر مقدم کیا کرتی تھیں آپ اپنے خیال کے ساتھ صفر پر قدرت رکھتے تھے ہر حال میں مریدوں کی دستگیری اور نگہداری کرتے تھے تمام فاصلے آپ کی روحانی توجہ عبور کر لیتی تھی۔!

ماہتاب ہدایت نے ۹۲ سال تک ویران دلوں کی آبیاری کی آپ کے دامن کرم سے وابستگی رکھنے والوں کی تعداد لاکھوں تک ہے اور اہل ارادت کا تو شمار ہی ممکن نہیں۔ مریدوں اور ارادت مندوں کی یہ کثرت اس بات کا کھلا اعلان ہے کہ غوثیت اپنے ہر مرحلہ فیض میں عالم گیر ہوتی ہے اور قبول عام کا معیار ہر حال میں برقرار رہتا ہے۔

ملک الموت جب پیغام وصال یار لے کر آیا تو آپ نے سجدہ شکر ادا کیا کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی استعداد اور صلاحیت عطا فرمائی تھی وہ سب اسی کی راہ میں صرف کر کے آپ سرخرو ہو چکے تھے آپ نے اہل ارادت سے فرمایا کہ جو سعید رو ہیں مجھ سے بیعت کرنے کی آرزو رکھنے کے باوجود مجھ تک نہیں پہنچ سکی ہیں میں نے آج انہیں بھی بیعت کر لیا ہے اس غائبانہ بیعت کا بہت سے افراد کو علم بھی ہو چکا ہے اور باقی افراد کو بھی ایک نہ ایک دن یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ ان کا ہاتھ بھی میرے ہاتھ میں ہے۔

۱۳ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۱ نومبر ۱۹۸۱ء کو طلوع ہونے والا یوم چہار شنبہ اہل ارادت کے لئے سخت تشویش کا دن تھا آپ کی نقاہت اور بڑھ گئی تھی۔ آپ نے مگر اپنے طرز عمل سے بے قراروں کو حوصلہ دیئے رکھا اپنے سفر آخرت کی اطلاع بھی دی تو اس طرح

کہ اضطرب خلق اعتدال کی حدیں نہ پھلانگ سکے۔ اپنی توانائیاں سمیٹ کر فرمایا، "نماز نو مجلہ مسجد میں ہوگی" پھر ایک طویل وقفہ سکوت کے بعد فرمایا کیا کسی نے نماز کے لئے کہہ دیا جمعہ کی نماز نو مجلہ مسجد میں پڑھوں گا۔"

آپ ہمیشہ مسجد میں نماز ادا کرتے تھے مگر بدھ کے دن ظہر اور عصر کے لئے جب آپ مسجد نہ پہنچے تو لوگوں کے دل اس احساس سے دھڑکنے لگے کہ آپ کی طبیعت زیادہ ناساز ہوگئی ہے اسی لئے خلاف معمول نمازیں گھر پر ہی ادا فرمائی ہیں، مغرب کی اذان ہوئی تو آپ نے تیمارداروں سے کہا آپ سب مسجد میں جا کر مغرب ادا کریں، لوگ چلے گئے تو آپ نے فرمایا مجھے اٹھاؤ تازہ وضو کروں گا آپ کی حالت دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے مگر تین افراد نے سہارا دے کر اٹھایا اور وضو گاہ تک لے گئے ہاتھ پیروں پر لرزہ طاری تھا بیٹھا بھی نہیں جا رہا تھا ایک صاحب نے وضو کرانے کے لئے تو لوٹا اٹھایا تو ان سے کہا لوٹا رکھ دو وضو میں خود کروں گا اور پھر یقیناً تمام وضو کیا اور مصلے پر کھڑے رہے کہ سہارے کی ضرورت پڑے تو سنبھال سکیں مگر نماز آپ کیلئے سرچشمہ توانائی تھی اس طرح ادا کی جیسے آپ بیمار ہی نہ ہوں مگر جب دعا سے فارغ ہو گئے تو لوگوں کو سہارا دے کر اٹھانا پڑا۔ آپ کو بستر پر لٹا دیتا گیا ابھی کچھ دیر ہی گزری تھی کہ آپ نے بستر سے اٹھنے کی کوشش کی مگر جسم نے ارادے سے تعاون نہ کیا تو لیٹ گئے اور پھر آپ نے رجال الغیب اور ان جنوں کو بیعت کیا جو دنیا کے دور دراز علاقوں سے آئے تھے حاضرین بیعت ہونے والوں کو تو نہ دیکھ سکے مگر آپ کو دیکھ رہے تھے آپ کا ہاتھ اٹھا ہوا تھا بالکل اس انداز سے جس انداز سے آپ کسی کو بیعت کیا کرتے تھے آپ بار بار فرما رہے تھے میں نے تمہارا ہاتھ غوث اعظم کے ہاتھ میں دیا تم بھی کہو میں نے اپنا ہاتھ سیدنا غوث اعظم کے دست مبارک میں دیا، بیعت ہونے والے کو جیب سے تعویذ بھی نکال کر دیتے جاتے تھے جیب سے جب ہاتھ نکلتا تھا اس میں تعویذ موجود ہوتا تھا مگر جب ہاتھ غیر مرئی مرید کو تعویذ دے کر اٹھائے تو

ہاتھ خالی ہو جاتا تھا۔

عشاء کی نماز بستر پر ہی ادا فرمائی اور خاموشی سے آنکھیں بند کر کے لیٹ گئے تاکہ معمولات مکمل کر لیں نصف شب گزر گئی تو آنکھیں کھول کر بڑے ضبط سے مغموم چہروں پر نظر ڈالی اور پھر بطور وصیت فرمایا۔ سنت مصطفیٰ پر ہر حال میں عمل پیرا رہنا کہ یہی راہ نجات و کامرانی ہے۔

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ است

اگر بہ اونہ رسیدی تمام بولہبی است

پھر کچھ تو تنف کے بعد فرمایا ہر کڑے وقت میں **حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ** پڑھتے رہنا۔ ان دواہم وصیتوں کے بعد پہلے سورہ ملک کی تلاوت فرمائی اس کے بعد آیۃ الکرسی پڑھ کر کلمہ کھلیبہ کا ورد کرتے ہوئے سفر آخرت کا آغاز فرمایا۔

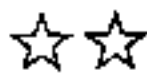
انا للہ وانا الیہ راجعون

ماہتاب ہدایت شہزادہ علی حضرت مجدد وقت حامی اہلسنت آج بظاہر نظروں کے سامنے نہیں ہیں مگر انکی پھیلائی ہوئی روشنی انہیں کے قرب کی نشان دہی کرتی ہے آپ نے جو علم و عرفان کے چراغ روشن کئے ہیں ہمیشہ جگمگاتے رہیں گے۔

ہرگز نمیرداں کہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

ماہنامہ استقامت کانپور، ۱۹۸۳ء



مفتی اعظم کا مقام عزیمت

(عبدالحمید خان الرضوی اشرفیہ مبارکپور)

حق گوئی و حق پرستی اور عشق رسول کی سرشاری

انہیں اپنے اسلاف کے ورثہ میں ملی تھی

قطب وقت آفتاب ولایت ماہتاب علم و فضل حضرت الشاہ مصطفیٰ رضا خاں قادری

رضی اللہ تعالیٰ عنہ (متولد ۲۲ ذوالحجہ ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء) عالم اسلام کے ممتاز ارباب

علم و فضل اور اصحاب رشد و ہدایت میں سے ہیں۔ دنیوی عزت و جاہ کی اگرچہ آپ نے

خواہش نہیں کی لیکن دنیا نے اپنی عزتوں اور شوکتوں کو ہمیشہ آپ کی خدمت میں پیش کیا اور

بہ ہزار منت و سماجت انہیں قبول کرنے کی درخواست کی لیکن آپ نے ان پر ایک نگاہ غلط

انداز بھی نہ ڈالی اور اسلاف کرام کے روایتی استغناء رو بہ نیازی کی یاد تازہ کرتے رہے۔

آپ کے والد ماجد مجدد اعظم امام اہلسنت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا طلباء ذہین فقیہ ہندوستان میں پیدا نہیں ہوا آپ کے فتاویٰ کمال

فقاہت اور علوم دینیہ میں تجرب علمی کے شاہد عادل ہیں۔

حافظ کتب الحرم سید اسماعیل خلیل کو جب اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اپنے عربی

فتاویٰ ارسال کئے تو انہوں نے جواب میں لکھا۔ واللہ اقول والحق اقوال لوراھا

ابو حنیفہ النعمان لاقرعینہ ولجعل موعھا جملة الاصحاب (تو بھی

بخدا کہتا ہوں اور سچ کہتا ہوں کہ ان فتاویٰ اگر ابو حنیفہ نعمان دیکھ لیتے تو یقیناً اپنی آنکھیں

ٹھنڈی کرتے اور اس کے مؤلف کو اپنے شاگردوں میں شامل کر لیتے۔ (صفحہ ۲۵۸

الاجازات المتینة لعلماء بكة والمدینة مطبوعہ لاہور)

سراج الفقہاء حضرت علامہ سراج احمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مولوی نظام الدین فقیر احمد پوری وہابی جو تفقہ میں اپنے ہمعصر علماء دیوبند وغیرہ میں اپنے جیسا کسی کو فائق نہیں جانتا تھا فتاویٰ رشیدیہ کے اس فتویٰ پر کہ حدیث صحیح کے مقابل قول فقہاء پر عمل نہ کرنا چاہئے۔ اس کے سامنے میں نے رسالہ الفضل الموهبی فی معنی اذا صحیح الحدیث فهو مذہبی مصنفہ علی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ابتدائی اوراق منازل حدیث کے سنائے تو اس نے کہا یہ سب منازل حدیث مولانا احمد رضا خاں کو حاصل تھے افسوس کہ میں مولانا کے زمانہ میں رہ کر بے خبر بے فیض رہا۔

پھر میں نے اسی وہابی عالم کو رساں رضویہ سے چند مسائل فقہ کے جوابات سنائے تو کہنے لگا کہ علامہ شامی اور صاحب فتح القدر مولانا احمد رضا خاں کے شاگرد ہیں یہ تو امام اعظم ثانی معلوم ہوتے ہیں (ص ۳۴ سوانح سراج الفقہاء، مطبوعہ مرکزی مجلس رضالاہور) بستر علالت سے ۱۳۳۹ھ میں تحریک ترک موالات جس میں مسلم زعماء نے ہوش سے زیادہ جوش اور اعتدال سے زیادہ اشتعال کے ہاتھ میں اپنی لگام دے دی تھی اس کے خلاف ایک تاریخی اور معرکہ الآراء شاہکار تصنیف المحجة المومنة فی ایات الممتحنہ کی شکل میں وہ تاریخی فتویٰ صادر فرمایا جس سے سیاسی حلقوں میں ایک طوفان برپا ہو گیا، اور پورے ملک میں ہل چل مچ گئی۔

آپ کے دادا حضرت مولانا شاہ علی نقی بریلوی علیہ الرحمہ ان مخصوص اصحاب کمال میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے علوم ظاہر و باطن کی جامعیت عطاء فرمایا۔

آپ کے جدا مجد حضرت مولانا شاہ رضا علی خاں نے فرنگی تسلط کے خلاف مجاہدین آزادی کے ساتھ تحریک آزادی میں بھرپور حصہ لیا۔ جنرل ہڈن نے آپ کا سر قلم کرنے کا پانچ سو روپے انعام رکھا تھا مشہور مورخ ملی سن لکھتا ہے جب کہ برطانوی حکام تمام ہند پر قبضہ کرنے کی ہر چند کوشش کر رہے تھے تو اس وقت فضل حق خیر آبادی، احمد اللہ شاہ مدراسی

امام بخش صہبانی اور رضا علی بریلوی جیسے مولوی برطانوی تسلط کے خلاف اپنی پوری کوشش کر رہے تھے۔

ملی سن مزید لکھتا ہے بریلی کے اندر لوگوں میں برطانوی حکام کے خلاف جو یورش پھیلی اس کے تمام تر زردار بخت خاں اور اس کے ساتھی بریلوی ملا شاہ رضا علی ولد حافظ کاظم علی تھے جو بریلی کے عوام کو برطانوی حکام کے خلاف اکسانے کے نہ صرف مجرم ٹھہرے بلکہ انہوں نے بریلی کے عوام کو برطانوی حکام کے خلاف مقابلہ کرنے پر بے حد فروختہ کیا اگر ملا رضا علی بریلوی اپنے عقیدت مندوں سمیت ہمارا مقابلہ نہ کرتا تو بریلی شہر پر ہمارا قبضہ ہونا بالکل آسان تھا۔ (اشرفیہ مبارکپور فروری ۱۸۲ء)

اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں میں سے جن کے ذریعے وہ اس دنیا میں اپنے بندوں کو سعادت بخشتا ہے ایک بڑی نعمت آباء صالحین کے لئے یہ ہے کہ اولاد صالح عطاء فرمائے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ کسی خاندان میں عرصہ تک علم و صلاح کے جاری و ساری رہنے کے لئے ضروری ہے کہ ان دونوں نعمتوں سے فیض یاب ہو آباء کو اولاد صالح اور اولاد صالح کو آباء صالح نصیب ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ النورانی کو ایسے خاندان میں پیدا کیا جس میں کئی پشتوں سے سلسلہ علم و ارشاد قائم و جاری ہے اور جس کے اسلاف کرام کے اعمال صالحہ کا پاک ورثہ یکے بعد دیگرے اخلاف تک منتقل ہوتا آیا ہے جن کی حق گوئی اور حق پرستی اور عشق رسول میں سرشاری و جانثاری اور مغروران تخت و تاج بندگان مال و جاہ کے مقابلے میں استغناء و بے نیازی انہیں اپنے اسلاف کے ورثہ میں ملی تھی۔

ایمر جنسی کے زمانے میں جب کہ بہت سارے ارباب علم و اصحاب خرقہ و سجادہ کی تصویریں اپنے اصلی بھیس میں نظر آتی تھیں اور یہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی کہ بڑے بڑے مدعیان علم و زہد کو بھی راہ حق میں استقامت نصیب نہ ہوئی۔

اصحاب عزیمت و استقلال سے کوئی زمانہ خالی نہ رہا ہر دور میں خدا ترس اور بے خوف و بے باک علماء حق نے حق و صداقت کی آواز بلند کی ہے اور انہیں مخصوص ہستیوں میں حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ کی ذات بابرکات تھی کہ حکومت کی کاسہ لیسے سے زندگی بھرا لگ تھلگ رہی ہے جنہوں نے علم حق کی عزت و دولت کو دنیاوی شان و شوکت سے سرنگوں اور ذلیل و خوار ہونے سے بچایا۔ جب دیکھا کہ زمانہ کی اور وقت کی حکومت دنیا سازوں اور دین فروشوں کی طرف جھک گئی تو آپ نے قلمی جہاد کیا۔ اور بتایا کہ اے حکومت کے ہاتھوں ناموس علم و دین بیچنے والے ضمیر فروشو! آؤ سر زمین بریلی میں صاحب صدق و صفا کو دیکھو نیاز مندان حق ناز و نعمت اور دنیوی مزے کی طرف نہیں ٹوٹتے ہیں بلکہ پورے فقر پر قانع رہ کر غیرت دین و مذہب کی پاسبانی کرتے ہیں۔

یہ وہ وقت تھا جب کہ علماء دیوبند نے بڑے بڑے ڈرامے کئے ہیں، چنانچہ ایمر جنسی کے زمانے ۱۹۷۷ء میں قاری محمد طیب صاحب میرٹھ میں پیر دروازہ تشریف لے گئے بڑی دلیری اور ظمطراق سے مجمع عام کو فرمایا میں دہلی جا رہا ہوں مجھے کوئی گرفتار کرے، حاضرین یہ جرات مندانہ دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے کہ یہ زمانہ قیامت نما اور یہ ہمت مردانہ۔ اور اس سے قبل دارالعلوم دیوبند سے ایک فتویٰ شائع ہوا جس میں دو آیات قرآنی ذکر کر کے لکھا تھا کہ آیات کی رو سے نسبندی حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔ اب آگے ان کی عیاری ملاحظہ فرمائیں۔

چند ہی دنوں بعد جب کہ مذکورہ فتوؤں کی بنا پر متعدد مقامات پر مثلاً مظفرنگر وغیرہ شہروں میں ہزار ہا مسلمان گولی کا نشانہ بن گئے۔ بہت سی عورتیں بیوہ ہو گئیں، ہزار ہا بچے شفقت پداری سے محروم ہو گئے تو خفیہ مصلحت کی بناء پر قاری محمد طیب صاحب نے حق بات سے رجوع فرمایا یعنی نسبندی کی حرمت کا فتویٰ دے کر اس کے جواز کا بیان دے دیا بایں طور پر آپ کا بیان ٹیپ کر کے ریڈیو پر نشر کیا گیا جس کو ہندوستان ہی نہیں بلکہ دنیا بھر کے

شہروں میں قصابات میں دیہات میں، تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ ہر طبقے نے سنا کہ آپ فرماتے ہیں میں علماء کرام سے درخواست کروں گا کہ اب تک منفی پہلو پر غور فرمایا ہے اب مثبت پہلو پر بھی غور فرمائیں یہ مسئلہ اجتہادی ہے۔

(دیباچہ البشیر، شرح نحو میر، مکتبہ البیضان محلہ کوٹ غربی سنہجیل، مراد آباد)

اب دیوبند کے ابن الوقت دارالافتاء سے نکل رضوی دارالافتاء میں آئے۔ یہاں سے حضرت مولانا ساجد علی خاں صاحب علیہ الرحمہ نے نسبندی کے زمانہ قیامت خیز میں جب کہ زبان و قلم پر تالے لگا دیئے گئے تھے ہر شخص لرزاں و ترساں نظر آتا تھا اس زمانے میں اس مرد مجاہد نے بلا خوف و خطر کلمۃ الحق عند السلطان الجابر جہاد پر عمل کرتے ہوئے فتویٰ شائع کر دیا کہ نسبندی حرام ہے، حرام ہے، حرام ہے۔

بریلی کے کلکٹر صاحب بہادر نے طلب فرمایا تو مع مفتی صاحبان تشریف لے گئے، صاحب بہادر نے کرخت لہجہ میں پوچھا کہ آپ نے اندرا حکومت کے خلاف فتویٰ شائع کر دیا۔

مرد مجاہد نے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ حکومت الہیہ کی جانب سے ہم مامور ہیں ہم نے اپنا فرض منصبی ادا کر دیا۔ اب آپ اپنا فرض منصبی ادا کر سکتے ہیں۔

یہ جواب سن کر صاحب بہادر نے معروف اقدام کا ارادہ کیا جس کو ایک ہم نشین صاحب یہ کہہ کر کوادیا کہ سارے ہندوستان میں آگ لگ جائے گی جو بجھائے نہ بجھ سکے گی۔ (البشیر)

شہزادہ امام احمد رضا مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مصطفیٰ رضا خاں قادری نوری بریلوی قدس سرہ کی تصدیق و تحریک پر شائع ہونے والا فتویٰ ایمر جنسی کے دور ہی میں کلکتہ، بمبئی اور ملک کے گوشے گوشے میں پھیل گیا تھا، چنانچہ سنٹرل گورنمنٹ کی طرف سے حکام بریلی کو یہ آرڈر دے دیا گیا تھا کہ آپ کو گرفتار کر لیا جائے مگر سی، آئی، ڈی نے رپورٹ دی

کہ ہندوستان کے طول و عرض میں آپ کے کروڑوں مریدین اور معتقدین ہیں جن میں سخت اضطراب و بے چینی اور ہنگامہ و شور برپا ہو جائے گا اس مصلحت کے تحت یہ حکم واپس لے لیا جائے انہیں چھیڑنا اپنے اوپر قہر خداوندی نازل کرنا ہے۔

چونکہ بریلی کے حکام و عوام کے سامنے بلیک آؤٹ کا وہ عبرتناک واقعہ تھا ۱۹۷۱ء میں جب کہ سورج غروب ہوتے ہی ہندوستان کے سارے شہر شہر، خموشاں معلوم ہوتے تھے، روشنی پر یہاں تک پابندی لگادی گئی تھی کہ اگر کوئی شخص سگریٹ پیتے ہوئے نظر آجاتا تو اس پر جرمانہ عائد کیا جاتا تھا۔ ہر دس قدم پر پولس کھڑی رہتی اگر کہیں سے روشنی آجاتی تو پولس پتھراؤ کرتی اور فوراً گرفتار کر لیتی۔

مگر اس شمع محفل کے معمول میں کچھ فرق نہ آیا اپنی مرضی کے مطابق اسی انداز میں روشنی کئے ہیں حجرہ نوری میں پروانے شمع کے ارد گرد ہیں، رشد و ہدایت بیعت و خلافت اور درود و وظائف جاری ہیں بریلی شہر کی پولس جانتی تھی کہ انہیں چھیڑنا کسی طرح مناسب نہیں ہے اس لئے وہ خاموش تھی۔

انہیں ایام میں اس حلقہ میں ایک نیا داروغہ آیا اس نے اپنے دنیاوی منصب کے غرور میں آپ کی شان میں گستاخی کرنی چاہی پولس والوں نے بارہا سمجھایا اور روکا لیکن اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا بالآخر گستاخی کر ہی دی۔

وہاں سے تھانہ پرواپس آیا تو اس کے دل میں ایک ایسی ہیجانی کیفیت پیدا ہوئی کہ اسے کسی طرح کا سکون ہی نہیں ملتا، دوسرے روز چھٹی لے کر گھر آیا۔ وہاں بھی اسے سکون نہ ملا، بیوی سے کسی معاملہ میں جھگڑا کیا اور خود ہی گولی مار کر اپنے آپ کو ہلاک کر لیا۔

حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ العزیز کی حیات مبارکہ کا یہ واقعہ نہایت اہم ہے اور اس سے ان کی حق پرستی اور بے لوث زندگی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ یہ وہ پر شور و نازک وقت تھا بڑے بڑے دعویداروں کے قدم ڈگمگائے تھے، مگر سچ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیام حق

کے لئے جن اہل اللہ کا شرح صدر کر دیتا ہے ان کی استقامت کو کوئی طاقت متزلزل نہیں کر سکتی، الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم و لا ہم یحزنون .

سچ یہ ہے کہ ہر عہد اور ہر دور میں جس قدر بربادیاں ہوئیں علماء ہی کے ہاتھوں ہوئیں وقت اور زمانہ کی شکایت بے سود ہے۔ ایسے نام نہاد علمای کا وجود ہر زمانہ میں فتنہ و آزمائش اور انتشار کا سبب رہا ہے۔

لیکن! یہ حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ النورانی کی ذات گرامی تھی جن کے پائے استقلال میں کبھی لغزش نہیں آئی اور اپنی پاک نفسی، حق گوئی و بیباکی اور اخلاص و صداقت کی قوت سے ہزاروں لاکھوں طالبان حق کے دلوں کو کھینچ لیا۔ مدت العمر اپنی بوریافت پر قانع رہے اور دنیا فانی کی دلفریبیاں کبھی آپ کی جمیعت خاطر کو پراگندہ نہ کر سکیں۔ یہی وجہ تھی کہ اعلان حق اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں آپ تیغ بے نیام تھے، اور کسی حال میں نصیحت و مواعظت تذکیر و ارشاد حق کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے بالخصوص ایسے نام نہاد بے عمل مدعیان علم سے سخت نفرت و بیزاری کا اظہار فرماتے تھے جو عشق مال و متاع اور جھوٹی شہرت و ناموری میں سرگشتہ رہتا، اور ادعاء شخصیت و تقدس کو اپنی دکان آرائی اور دنیا طلبی کا وسیلہ بناتے، اور حکومت کے سربراہ آدرہ لوگوں کو اپنا قبلہ و کعبہ سمجھنے لگے۔

ایک بار حضور مفتی اعظم ہند کے در دولت پر حاضری دینے کے لئے یوپی کے گورنر اکبری خاں حیدر آبادی اور نہ جانے کتنے وزراء و اعلیٰ حکام و افسران اپنے اپنے دنیوی جاہ و حشمت کے ساتھ آئے مگر ان کے لئے کوئی اہتمام تو بڑی بات ہے ان سے ملنا بھی گوارا نہ فرمایا کیوں کہ وہ دنیاوی شوکت کا مظہر بن کر آئے تھے، اور حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ اس جاہ و جلال دنیوی کو بہ نظر حقارت دیکھتے جو ضمیر فروشی و دین فروشی کے بدلے حاصل کیا گیا ہو اور جن لوگوں نے آلودگیوں اور آلائشوں کے جن دھبوں کو نقش و نگار عزت سمجھ کر

اپنے دامن میں جگہ دی ہے ان کی ناپاکی کا داغ اور نجاست کا دھبہ برسر عام ظاہر کرتے۔
 عشق کی صداقت اور قلب کی پاکیزگی کے ساتھ ان کی دعوت و تذکیر میں ایسی تاثیر
 تھی کہ لاکھوں مسلمان آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے اور آپ کے طور طریقے کچھ
 ایسے عاشقانہ تھے اور والہانہ تھے کہ صحابہ کرام کے خصائص ایمانی کی یاد تازہ کرتے تھے۔

حضور مفتی اعظم ہند کی کتاب زندگی پڑھ کر ایک عجیب عالم وجد و محویت طاری ہو جاتا
 ہے اور بے اختیار دل چاہتا ہے کہ ساری باتوں کو چھوڑ کر صرف انہیں کا ذکر کرتے اور سنتے
 رہیں۔ اس عاشق رسول کے ذکر میں جب آج یہ تاثیر ہے تو نہ معلوم آپ کے پاک
 صورتوں اور پاک صحبتوں کی رعنائیوں و دلربائیوں کا حیات طیبہ میں کیا حال رہا ہوگا۔

ہرگز نمیردا نکہ دلش زندہ شد بہ عشق

ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

دل کے عشق اور باطن کے سوز و گداز نے ان کے کلام میں کچھ ایسی تاثیر پیدا کر دی
 تھی کہ زبان سے الفاظ تیر نشتر بن کر نکلتے، اور سننے والے دل تھام کر رہ جاتے، کیا ہی سیہ
 باطن اور سنگ دل کیوں نہ ہوتا لیکن ان کی زبان سے مبارک کلمات سن لیتا تو ایسا خود رفته
 ہو جاتا کہ وہیں سے اپنے دل کی حالت بدل دیتا۔

کچھ لوگ اس معاملہ میں متفکر ہیں کہ آخر دنیا ان کی طرف کیوں کھنچی چلی آئی۔ لیکن
 انہیں سوچنا چاہئے کہ جس طرح بینائی رکھنے والا اپنی آنکھوں کو عمل بصارت سے روک نہیں
 سکتا۔ اسی طرح بزرگان دین علماء حق اعلان حق سے مجبور ہیں کہ خدا کی عطا کردہ زبان حق
 کاٹ کر پھینک نہیں سکتے۔ اور بیان حق کا قدرتی خاصہ یہ ہے کہ دلوں کو دوسری طرف سے
 موڑ کر اپنی طرف کھینچ لے۔ ایک داعی حق اور واصل باللہ اگر دنیا سے کہے دے کہ میرے
 پیچھے مت آؤ جب بھی وہ اسی کے پیچھے دوڑے گی، کیوں کہ جذب و انجذاب کا قانون
 باطل نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح آسمانوں میں بھی ان کے ناموں کی پکار ہوتی ہے جیسا کہ حدیث پاک اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ اذا احب الله العبد قال لجبریل انی احب فلانا فاحبه فيحبه جبریل ثم ینادی جبریل فی اهل السماء ان الله قد احب فلانا فاحبوہ فیجہ اهل السماء ثم یضع له القبول فی الارض .

یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو حضرت جبریل علیہ السلام سے فرماتا ہے کہ میں فلاں بندے کو دوست رکھتا ہوں تم بھی اس کو دوست رکھو، پس جبریل علیہ السلام بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر جبریل علیہ السلام آسمان والوں میں اس کی منادی کرتے ہیں کہ رب تبارک و تعالیٰ فلاں بندے کو عزیز رکھتا ہے تم بھی اسے چاہو، تو تمام آسمان والے بھی اس کو چاہنے لگتے ہیں، اور اپنا محبوب بنا لیتے ہیں، پھر جب آسمان پر اس کی محبوبیت کا اعلان ہو جاتا ہے تو زمین والوں کے دل اس کی محبت کے لئے کھل جاتے ہیں اور ہر طرف مقبولیت و محبوبیت اس کو حاصل ہوتی ہے۔

مگر آج کل جبہ و دستار میں کچھ ایسے چہرہ نظر آنے لگے ہیں کہ ان کی نفس پرستی اور حق فراموشی دنیا کیلئے ایک لعنت بن گئی ہے اور جن کی ملت فروشی پوری قوم کے لئے ناسور بن گئی ہے۔ نوع انسانی کی کوئی بدتر سے بدتر اور گمراہ سے گمراہ قسم بھی اس سے زیادہ دنیا کو نقصان نہیں پہنچا سکتی ہے حتیٰ کہ جنگل کا ڈاکو اور کمین گاہوں کا رہزن بھی اس سے زیادہ کسی اہل ایمان کے لئے مہلک نہیں ہو سکتا۔ پس جب کہ ان علماء کے خصائل و رذائل کا یہ حال ہے تو اس کے بعد ان کی عوام کے لئے فسق و فجور اور ظلم و زیادتی کا کون سا درجہ باقی رہ گیا۔ یہی وہ کتمان حق تھا جو علماء یہود پر مسلط ہو گیا تھا کہ وہ علمائے دیوبند کی طرح اپنی جاگیروں کو برقرار رکھنے کے لئے حق کو چھپاتے پھرتے تھے، اسی طرح آج حکومت وقت کی حمایت میں کیسے کیسے حیلوں اور فریبوں سے کام لے کر حکومت کی نظر میں مقبولیت حاصل کی۔

آج سے تقریباً سات آٹھ سال قبل چند نام نہاد مسلمانوں نے شریعت اسلامیہ میں رو دو بدل یعنی ترمیم مسلم پرسنل لاء کا مسئلہ کھڑا کیا اور بمبئی وغیرہ میں ان کے متعدد جلسے بھی ہوئے اور اس کے خلاف اہل سنت و جماعت نے بھی اعلیٰ پیمانے پر کئی جلسے اور مظاہرے کئے، اس موقع پر مسلم پرسنل لاء کا ذکر آیا تو حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ العزیز نے فرمایا۔ ہم نے حکومت کو آگاہ و خبردار کیا ہے کہ یہ کہنا درست نہیں ہے کہ مسلمانوں کی طرف سے ترمیم قانون شریعت اسلامیہ کا مطالبہ کیا جا رہا ہے کیوں کہ جو شریعت میں ترمیم و تبدیل وغیرہ کرانا چاہتا ہے وہ مسلمان ہی نہیں ہے۔ (پندرہویں صدی ہجری اور منصب تجدید ۳۳/۳۳ مطبوعہ بریلی)

اس پر فتن و پر آشوب دور میں جس بے باکی اور جسارت اسلامی کا اظہار فرمایا ہے اور مسلمانوں کی رہنمائی فرما کر ضلالت و گمراہی کے گڑھے سے نکالا ہے یہ انہیں کا حصہ ہے۔

آئین جو ان مرداں حق گوئی و بے باکی

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں رو باہی

حضور مفتی اعظم ہند کے علم و عمل اور بزرگی و تقدس کے جو شواہد تاریخ میں موجود ہیں اگر ان میں ایک بھی ہمارے سامنے نہ ہوتا اور صرف ایک تاریخی واقعہ کہ انہوں نے ایمر جنسی کے موقع پر ہندی حکومت کی اعلانیہ مخالفت کرتے ہوئے نسبندی کے خلاف فتویٰ صادر فرمایا ہے تو یہی آپ کی عندیم النظر جرات و عزیمت کا شاہکار ہوتا، اور مسلمانان ہند کے لئے یہی ایک مجاہدانہ کردار آپ کی عظمت جادوانی کے لئے ایک روشن ثبوت اور موقع ترین ضمانت ہے کیسا پر آشوب و پر امتحان دور تھا جو آپ کے حصہ میں آیا حکومت کے خلاف کسی چھوٹی سی چھوٹی بات کا بھی زبان و قلم سے نکالنا موت کی دعوت اور تباہی کا بلاوا تھا، ایمر جنسی نے سب کی زبانوں کو گنگ اور گردنوں کو نیچی کر دیا تھا۔

ان تمام حالات کو سامنے رکھ کر غور کیجئے کہ اس عہد پر آشوب میں کس طرح سکوت عن الحق کا سناٹا تھا اور قبول باطل اور اطاعت ظلم کی منحوسیت چھائی ہوئی تھی حکومت ہند کے ایمر جنسی قانون نے کلمہ حق کی آواز سے ساری فضائے ہند کو خالی کر دیا تھا ایسے عزم شکن اور ایمان آزما وقت میں حضور مفتی اعظم ہند نے حکومت وقت کی طاقت کو خاطر میں نہ لا کر قدم آگے بڑھایا اور پورے ہندوستان کو اپنے اعلان حق کی برکتوں سے مالا مال کیا۔ انہوں نے نہ صرف حکومت وقت کی مخالفت میں صدائے حق بلند کی، بلکہ صاف صاف کہہ دیا کہ ان مظالم کا نتیجہ حکومت کی تباہی ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: افضل الجهاد كلمة الحق

عند السلطان الحابر

در حقیقت یہ درجہ عزیمت باذن اللہ ہے جس کو قرآن نے وان ذلك لمن عزم الامور سے تعبیر کیا۔ اور آپ انہیں لوگوں میں سے ہیں جن کا نور علم و عمل مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ۔ اور جن کا قدم طریق منہاج نبوت پر واقع ہوا ہے، اور انبیاء کرام کی اصلی وراثت انہیں میں منتقل ہوئی ہے۔

سب سے بڑا متقی انسان وہ سمجھا جاتا ہے، جس کے قدم جہاد القلب واللسان سے پیچھے نہ ہئیں اور جو صرف اپنے نفس کی نجات کی جگہ امت مسلمہ بلکہ نور انسان کی نجات کا ورد رکھتا ہو، مقام عزیمت و رفعت کا یہ وہ فرق ہے جو ایک صاحب دل نے خانقاہ کے گوشہ عزلت سے نکل کر شیخ سعدی کو بتلایا تھا۔

گفت آں کلیم خویش بدر منیر از موج

ایں سعی می کند کہ بر آورد عزیز را

حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ العزیز کو اس عہد کی سلطانی و فرمانروائی حاصل تھی۔ اور

آپ کو برکات و فیضان کا وا فرخزانہ ملا تھا، سبھی اپنے اپنے چراغ اسی شمع ہدایت سے روشن

کرتے تھے، اور تمام رہروان منزل مقصود آپ ہی کے کاروان فضل و کرامت کی بانگ درا پر اپنے اپنے قدم اٹھاتے تھے اور آپ کی جرأت و جسارت ایمان راہ کی ساری صعوبتوں کا خاتمہ کر دیتی تھی، حقیقت یہ ہے کہ یہ رفعت و عظمت آپ کے کسی دوسرے معاصر میں نظر نہیں آتی اس لئے اسے فضل ربانی اور انعام خداوندی کہا جاسکتا ہے بس

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

ہر مدعی کے واسطے دارورسن کہاں

ذک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم

ماہنامہ استقامت ڈائجسٹ کا پورماہ مئی ۱۹۸۳ء



مفتی اعظم ہند کے افادات علمیہ

(مولانا فروغ احمد اعظمی استاذ دارالعلوم علیہ جمد شایہ ہستی)

مفتی اعظم ہند حضرت علامہ شاہ مصطفیٰ رضا خاں نوری بریلوی قدس سرہ العزیز
 ۱۳۰۱ھ / ۱۹۸۱ء بن علی حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز ایک
 ایسی عبقری شخصیت کا نام جنہوں نے اپنے دور میں رشد و ہدایت تبلیغ و دعوت اور اصلاح
 امت کا فریضہ کچھ اس طرح انجام دیا کہ جس سے قرون اولیٰ کے ان مردان حق خاصان
 خدا، اولیائے کرام اور مصلحین و مبلغین اسلام کی یاد تازہ ہو جاتی ہے جن کا نفس نفس
 اخلاص و للہیت کے ساتھ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی انجام دہی میں گزرا اور ان کا ہر ہر
 عمل خدمت دین اور ہدایت مسلمین کے جذبے کا مظہر رہا مفتی اعظم ہند علم و عمل کا پیکر اور
 طہارت و تقویٰ کا سراپا تھے اور وہ سب کے لئے یہی پسند بھی کرتے تھے کہ ہر عالم و عامی
 مسلمان دین کی تعلیمات سمجھے اور سمجھ کر سچا اور باعمل مومن بن کر زندگی گزارے وہ ایمان
 و عقیدہ اعمال و اخلاق اور حقوق و معاملات ہر ایک شعبے میں انحراف و کجروی اور بے اعتدالی
 کو سخت ناپسند فرماتے تھے اور اس پر فوراً ٹوکتے اور مخلصانہ اصلاح فرماتے خواہ سامنے کوئی
 بھی ہو اپنا ہو یا غیر، مسلم ہو یا غیر مسلم ہم عقیدہ ہو یا بد عقیدہ، عالم ہو یا عامی، امیر ہو یا
 غریب مرد ہو یا عورت۔

مفتی اعظم ہند تقریر و خطابت کے عادی نہ تھے مگر اپنے رسوخ علم اور غایت فضل و کمال
 کی وجہ سے مرجع عوام ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے بڑے علماء فضلاء عصر بھی آپ کی
 طرف رجوع فرماتے تھے اور اپنے دور میں سند اور اتھارٹی سمجھے جانے والے یہ معاصر علماء
 فقہا تفسیر حدیث، فقہ اصول منطق، فلسفہ، نحو، صرف اور معانی و بیان وغیرہ علوم و فنون کے

ہر طرح علمی و فنی اشکالات اور فقہی مشکلات ان کے سامنے پیش کرتے تھے اور مفتی اعظم ہند انھیں چٹکی بجا کر حل فرمادیتے اور اپنے افادات و اصلاحات سے نواز کر مطمئن فرماتے کسی کو کوئی خلاف شرع کام کرتے یا کہتے پاتے تو از خود تنبیہات فرماتے، دوران تقریر و شعر خوانی شرعی چوک غلطی اور بے احتیاطی پر بروقت گرفت فرماتے وہ زبان و بیان کا بھی خاص خیال فرماتے اور حسب ضرورت اصلاح فرماتے

ان کا سایہ ایک تجلی ان کا نقش پا چراغ

وہ جدھر گزرے ادھر ہی روشنی ہوتی گئی

مفتی اعظم کے علمی افادات سے استفادہ کرنے والوں میں دارالافتاء کے ممتاز مسند نشین درسگاہ کے باکمال و مشہور ترین اساتذہ و مدرسین خانقاہ کے مرشیدین اسٹیج کے خطباء و مقررین اور اعلیٰ درجہ کے دانشوران و مفکرین شامل ہیں۔

آپ کے افادات جہاں آپ کے فتاویٰ اور دیگر درجنوں تصنیفات میں بکھرے ہوئے ہیں وہیں آپ کے افادات دارالافتاء درسگاہ نجی مفلوں اور سیرت کے جلسوں میں سامنے آئے ہیں جن کا بڑا حصہ اب تک قید تحریر میں نہیں آسکا مفتی اعظم کے فیض یافتگان میں سے بیشتر حضرات ابھی باحیات ہیں انھیں چاہیے کہ بلا تاخیر توجہ دے کر ان افادات کو ضبط تحریر میں لائیں ورنہ یہ عظیم علمی سرمایہ ضائع ہو جائے گا۔

مفتی اعظم ہند کے دو نامور خلفاء اور میدان افتاء و تدریس کی مایہ ناز بالغ نظر شخصیات استاذی خال معظم، نائب مفتی اعظم شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ امجدی دامت برکاتہم القدسیہ اور استاذی بحر العلوم علامہ مفتی عبدالمنان صاحب قبلہ اعظمی مدظلہ العالی اور دیگر حضرات نے کچھ افادات کا ذکر کیا ہے ہم ان بزرگوں کے حوالے سے ان افادات کا تذکرہ کر رہے ہیں۔

علوم خمسہ

مفتی محمد اعظم صاحب ٹانڈوی شیخ الحدیث دارالعلوم مظہر اسلام بریلی شریف و مفتی رضوی دارالافتاء فرماتے ہیں:

ایک بار جب کہ میں رضوی دارالافتاء میں بیٹھا مشکوٰۃ شریف کا مطالعہ کر رہا تھا کیوں کہ مجھے یہ کتاب پڑھانے کو دی گئی تھی حدیث جبرئیل میں جہاں قیامت کو ان پانچ علوم میں بتایا گیا ہے جنہیں بے بتائے کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے میں اس حدیث کو کئی بار پڑھا چکا تھا، علوم خمسہ طلبہ کو سمجھا چکا تھا بمالہ و ماعلیہ لیکن مجھے خود سمجھانے کے باوجود حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ سے اس حدیث کو سمجھنے کا شوق ہوا میں حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ سے دریافت کیا کہ حضور! اس حدیث میں پانچ علوم کے مخلوق کو علم ذاتی نہ ہونے کی تخصیص کی۔ تو پانچ ہی کیوں تخصیص کی گئی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ علوم خمسہ کی تخصیص کی گئی یہاں تخصیص کہاں ہے؟ میں متنبہ ہوا اور سمجھ گیا کہ حضرت نے مجھے اس بات پر تنبیہ کی کہ آپ کو تخصیص نہیں کہنا چاہیے تھا کہ تخصیص علم معانی و بیان میں خاص صورت میں ہوتی ہے خاص کلمات کے ذریعہ، مثلاً نفی اور استثناء کے ذریعہ اور کلمہ انما کے ذریعہ اور تقدیم وغیرہ کے ذریعہ اور یہاں ایسی کوئی صورت نہیں مجھے یہاں تخصیص نہیں بولنا چاہیے تھا۔ اس کے فوراً بعد حضرت مفتی اعظم نے فرمایا: یہ کہئے علوم خمسہ کی تخصیص بالذکر کی گئی ہے اس تنبیہ سے میں نے حضرت مفتی اعظم کے مبلغ علم کی بلندی اور تعمق نظر و فکر کو خوب سمجھ لیا اور میں نے اندازہ لگا لیا کہ حضور مفتی اعظم کا درس نظامی پر گہرا مطالعہ ہے اگرچہ مفتی اعظم کہلاتے ہیں مگر مدرس اعظم بھی ہیں پھر حضرت نے وہ بتایا جو میں جانا چاہتا تھا حضرت مفتی اعظم نے فرمایا: بیشک عالم کے کسی ذرے کا علم مخلوق کو بے عطائے الہی حاصل نہیں کہ علم ذاتی خاص ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ حدیث شریف کا یہ

مطلب ہرگز نہیں کہ پانچ چیزوں کا علم ذاتی مخلوق کو نہیں اور ان پانچ کے سوا معاذ اللہ علم ذاتی مخلوق کو ہے اصل میں پانچ کی تخصیص ذکر کے ساتھ اس لئے کی گئی کہ اس زمانے میں کاہن قائف نہیں تھے کہ اللہ عزوجل انہیں ان چیزوں کا علم عطا فرمائے جب انہیں اللہ تعالیٰ نے بتایا نہیں اور وہ ان علوم کے جاننے کے مدعی تھے تو ان کے دعویٰ سے نکلتا تھا کہ انہیں ان چیزوں کا علم ذاتی ہے تو قرآن و حدیث میں ان کا رد کیا گیا کہ اللہ رب العزت کے بے بتائے یہ جو دعویٰ کر رہے ہیں اور یہ کاہن وغیرہ نہیں جانتے یہ ہے وجہ تخصیص بالذکر کی۔

یہ ایک حدیث خاص حضرت نے مجھے سمجھائی اور پتہ نہیں کتنی بار فتاویٰ سناتے اور دکھاتے وقت تفسیر و حدیث اور فقہ وغیرہ کی کتابوں کے مطالب سمجھائے اور بتائے۔

(۱) مقدمہ مفتی اعظم اور ان کے خلفاء ۳۶، ۳۷

مقامات ان مکسورہ

جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی کے استاذ مولانا عبدالخالق رضوی کا بیان ہے ۱۹۷۳ء میں ایک روز بعد نماز عشاء میں مولانا بلال احمد رضوی اور مولانا محمد ہاشم یوسفی، رضوی دارالافتاء میں حضرت مفتی اعظم قدس سرہ کی خدمت میں تبرکاً بخاری شریف پڑھنے کے لئے حاضر ہوئے حضرت مفتی اعظم نے بخاری شریف کی حدیث۔ **إنما الاعمال بالنیات**۔ کمال شفقت سے پڑھائی عبارت پڑھتے وقت حضرت کا رعب علمی کچھ اس طرح غالب آیا کہ زبان سے **إنما** کے بجائے **أنما** نکل گیا حضرت مفتی اعظم قدس سرہ نے ارشاد فرمایا:

آنما نہیں انما متعدد مقامات پر آتا ہے۔

(۱) القول مصدر سے جتنے افعال مشتق ہوں جیسے قال إنها بقرة

marfat.com

Marfat.com

(۲) اسم موصول کے بعد جیسے جاء رجل الذى إنه قائم

(۳) ابتدائے کلام میں جیسے إن الله غفور رحيم

(۴) جس کی خبر میں لام تاکید آئے جیسے إنك لمن المرسلين

(۵) جوابات قسم میں جیسے والعصر إن الانسان لفي خسر

سورج اپنے دائرہ میں چلتا ہے

ایک مرتبہ شمس العلماء علامہ قاضی شمس الدین جوینپوری مصنف قانون شریعت اور صدر العلماء علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی مصنف بشیر القادری رحمہما اللہ المولیٰ اور کچھ دوسرے علماء کرام کی موجودگی میں بارگاہ مفتی اعظم میں چاند سورج وغیرہ کے متعلق گفتگو کے دوران حضرت مفتی اعظم نے فرمایا:

زمین و آسمان دونوں ساکن ہیں اور چاند سورج چلتے ہیں اس پر علامہ میرٹھی نے عرض کیا:

قرآن مجید میں ہے۔ والشمس تجرى لمستقر لها۔ یعنی سورج چل رہا ہے اپنے مستقر میں۔ تجری سے معلوم ہوتا ہے کہ چلتا ہے اور مستقر لہا سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک جگہ ٹھہرا ہوا ہے اور ایک قرار گاہ میں ٹھہرا رہنا یہ دونوں باتیں کیسے صحیح ہوں گی اس پر حضرت مفتی اعظم ہند نے فوراً جواب دیا:

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواری اللہ عنہما کو فرمایا گیا اولکم فی الارض مستقر تو کیا وہ زمین کے ایک حصے پر ٹھہرے رہتے ہیں؟ چلتے نہیں تھے؟ اپنے مستقر میں رہنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنی جائے رفتار سے اپنی منزل سے باہر نہیں ہوتا، چلتا ہے مگر اپنے دائرہ حرکت میں۔

مقولہ عرب میں من کا مطلب

شارح بخاری حضرت علامہ مفتی شریف الحق امجدی مفتی اعظم کی ایک علمی مجلس کا حال یوں بیان فرماتے ہیں: شرح مآتہ عامل میں عربی کا ایک مقولہ ہے۔ النار خیر من اللہ ورسولہ۔ جس کا ظاہری ترجمہ یہ ہے کہ جاڑے میں آگ اللہ اور رسول سے بہتر ہے اور ظاہر ہے۔ یہ معنی کفر ہے۔

شرح مآتہ عامل میں یہ جواب دیا کہ من یہاں پر قسمیہ ہے تو اب معنی یہ ہوں گے کہ اللہ ورسول کی قسا جاڑے میں آگ بہتر ہے مگر اس تو جیبہہ پر بھی یہ اشکال ہے کہ اللہ کی قسم کھانا تو جائز ہے مگر رسول کی قسم کھانا جائز نہیں علماء کے درمیان اس مسئلہ میں مذاکرہ ہو اسب نے اپنے اپنے طور پر جوابات دیئے پھر آخر میں حضرت مفتی اعظم رضی اللہ عنہ سے استفسار کیا گیا حضرت نے ایسا جواب دیئے جس سے اس جملہ کی صحیح توجیہہ بھی ہوگئی اور اشکال بھی اٹھ گیا حضرت نے فرمایا کہ اس میں تعجب کی کیا بات ہے آپ لوگ روز مرہ کے محاورے میں بولتے ہیں یہ بات من جانب اللہ ہے اسی طور پر اس جملہ کو سمجھئے۔

حضرت کے ارشاد سے صاف ہو گیا کہ من یہاں قسمیہ نہیں ہے کہ وہ اشکال ہو جو گزرا نہ تفصیل بتانے کے لئے جیسا کہ اس جملے میں ذہن کو دھوکہ ہوتا ہے بلکہ من یہاں ابتداء غایت کے لئے ہے اور مطلب یہ ہے:

”اللہ ورسول کی جانب سے آگ جاڑے میں بہتر ہے“

شارح بخاری حضرت علامہ مفتی شریف الحق امجدی دامت برکاتہم العالیہ صدر شعبہ افتاء الجامعة الاشرافیہ مبارک پور حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے ممتاز خلیفہ اور کثیر الاستفادہ تلمیذ ہیں جنہیں گیارہ سال سے زائد رضوی دارالافتاء میں مفتی اعظم کے زیر نگرانی فتویٰ نویسی اور علمی استفادہ کرنے کا شرف حاصل ہے وہ مفتی اعظم کے افادات کے چند

نمونے بیان فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

توفیہا

ایک دفعہ میں نے لکھا تھا ”توفیہا“ فرمایا ”فیہا“ کے ساتھ تو کیا جوڑ؟

ظاہر ہے کہ لفظ تو لفظ ”فیہا“ کے حرف ”فاء“ ہی کا ترجمہ ہے اگر فاء کے ساتھ ”تو“ بھی جوڑا جائے تو ایسے ہی ہوا جیسے آب زمزم کا پانی۔

مہر کی تانیث

حضرت مفتی صاحب قبلہ آگے بیان فرماتے ہیں:

ہمارے اعظم گڑھ کے عرف میں ”مہر“ کو مؤنث استعمال کرتے ہیں اس وجہ سے میں نے مہر کے لئے تانیث کا صیغہ استعمال کر دیا فوراً تنبیہ فرمائی۔

بحرالعلوم حضرت علامہ مفتی عبدالمنان صاحب قبلہ اعظمی دامت برکاتہم العالیہ خلیفہ مفتی اعظم ہند ایک اچھے مدرس و مفتی ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے وقت کے مقبول اور کامیاب خطیب بھی ہیں تقریری جلسوں میں بارہا اسٹیج پر حضرت مفتی اعظم ہند کی موجودگی میں حضرت مفتی صاحب کو تقریر کرنے کا اتفاق ہوا ہے اور ساتھ میں سفر بھی فرمایا ہے نیز بریلی شریف اور مبارکپور میں فیض صحبت بھی اٹھایا ہے بحرالعلوم نے اپنی یادداشت سے مفتی اعظم ہند کے کچھ افادات کا ذکر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لئے لفظ ”عمل“ کا استعمال

لفظ ”عمل“ کا استعمال اللہ تعالیٰ کے لئے شرع میں کہیں بھی وارد نہیں قرآن میں جہاں کہیں بھی ہے لفظ ”فعل“ کے مشتقات استعمال ہوئے ہیں جیسے سورہ بروج میں ہے۔

فعال لما یوید۔ اور سورہ حج میں ان اللہ یفعل ما یوید وغیرہ
 گیا کے ایک جلسے میں حضرت بحر العلوم کی زبان سے لفظ ”عمل“ کا استعمال ہو گیا تو
 مفتی اعظم ہند نے بحر العلوم سے فرمایا:

”رات آپ نے تقریر میں اللہ تعالیٰ کے لئے لفظ ”عمل“ کا استعمال فرمایا، اگر کہیں قرآن و
 حدیث میں یہ لفظ آیا ہو تب تو اس کا بولنا صحیح ہو گا ورنہ نہیں، اس امر کی تحقیق کر لیجئے گا۔“
 بحر العلوم لکھتے ہیں: آج پندرہ بیس سال ہو گئے اور میں اس سلسلے میں غور کرتا رہتا ہوں
 مجھے کوئی ایسا محل استعمال نہ ملا۔

(مفتی اعظم نمبر حجاز نمبر ماہنامہ حجاز دہلی ۲۳ ستمبر اکتوبر ۱۹۰۰ء)

مسلمان بدنصیب نہیں ہوتا

بحر العلوم ہی کا بیان ہے: مغربی یوپی کے کسی علاقے میں تقریر کرتے ہوئے میں نے
 کہا کہ ”بدنصیب مسلمان آج کل رات میں بارہ بجے تک سینما دیکھتے ہیں اور دن میں دس
 بجے تک سوتے ہیں۔ یک بیک مفتی اعظم ہند نے بازو سے میری طرف پوری طرح
 مخاطب ہو کر کہا نہایت بلند آواز میں، بے حد بیزارگی کے ساتھ گویا مجھ پر پھٹ پڑے۔
 مولانا! میں اس کو مان نہیں سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت بدنصیب ہو،
 آپ اس کو بدنصیب نہ کہئے، کچھ اور کہہ لیجئے حق یہ ہے کہ جس امت کے نگہبان رسول عربی
 ہوں، وہ بد قسمت کیسے ہو سکتی ہے

(مفتی اعظم ہند نمبر ماہنامہ حجاز جدید دہلی ۲۳ ستمبر اکتوبر ۱۹۰۰ء)

طوفان گذر جائے گا

بحر العلوم لکھتے ہیں اور مفتی اعظم کا زبان و بیان کی اصلاح کا انداز تو بے حد دلچسپ اور

پر لطف ہوتا تھا، ایک دفعہ لوگوں نے آپ کے سامنے کہنا شروع کیا طوفان ایکسپریس ایک بجے آرہا ہے۔ ایک بجے طوفان آرہا ہے کئی بار اس جملے کو سن چکے تو فرمایا ”سبحان اللہ بولنے کا کیا انداز ہے طوفان آرہا ہے طوفان آرہا ہے میاں کہنا ہی ہے تو یوں کہو ایک بجے بریلی اسٹیشن سے طوفان گزر جائے گا۔ بحر العلوم دونوں جملوں طوفان آرہا ہے اور طوفان گزر جائے گا کے فرق پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں سبحان اللہ بات وہی ہے لیکن پہلے جملے کا ظاہر بے حد بھیانک ہے اور دوسرے کا ظاہر و باطن یکساں خوشگوار تھوڑے سے تصرف نے قبح کو حسن بنا ڈالا۔ (مفتی اعظم نمبر ماہنامہ مجاز دہلی ستمبر اکتوبر ۱۹۰۷ء)

بلا کا حافظہ

مفتی اعظم زبان و بیان کی لطافت کا خیال رکھنے کے ساتھ بزرگوں کی شان میں حد درجہ محتاط بھی تھے وہ یہ بھی نہیں پسند فرماتے تھے کہ کوئی ایسا جملہ بھی استعمال کیا جائے جس میں ظاہر ہی کے اعتبار سے سہی کوئی نقص یا بے ادبی کا ادنیٰ سا شائبہ تک موہوم ہوتا ہو اگرچہ اس جملے کا استعمال مقام مدح و ستائش میں عام اور رائج ہو مثلاً بلا کا حافظہ“

حضرت بحر العلوم لکھتے ہیں: فتاویٰ رضویہ جلد سوم شائع ہوئی تو آپ مفتی اعظم ہند کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے ایک نسخہ لے کر حاضر خدمت ہوا خیال ہوا کہ اس کا پیش لفظ سنا دیا جائے۔ پیش لفظ میں ایک جگہ حضور علی حضرت رضی اللہ عنہ کی غیر معمولی قوت حافظہ کے بارے میں تحریر تھا حافظہ اس بلا کا تھا“

بحر العلوم آگے فرماتے ہیں پوری زندگی ہم نے اس جملے کو بار بار مقام مدح میں سنا اور پڑھا اور یہاں بھی موقع استعمال موقع مدح ہی تھا سن کر حضرت نے فرمایا:

واہ واہ آپ نے حضرت کے حافظے کی تعریف فرمائی ہے یا تنقیص کی ہے آپ کا حافظہ بلا کا تھا یہ بلا کون سی چیز ہے“

حضرت بحر العلوم اس اصلاح و تنبیہ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے وہ اپنا تاثر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں تب مجھے احساس ہوا حضرت مفتی اعظم ہند زبان و بیان کا بھی کس درجہ لطیف ذوق رکھتے تھے اور اس کی باریکیوں پر کیسی مہارت تامہ حاصل تھی الغرض آپ کی بارگاہ میں شرعی لغزش ہو یا اخلاقی و لسانی سب پر پوری دار و گیر ہوتی اور اعلان حق اور امر بالمعروف کا پورا پورا حق ادا کیا جاتا۔ (مفتی اعظم نمبر ماہنامہ حجاز جدید دہلی ۲۳ ستمبر اکتوبر ۱۹۰۷ء)

فاسق کے پیچھے نماز صحیح مگر مکروہ تحریمی ہے

ایک بنارس مولوی صاحب نے سوال کیا کہ حدیث پاک میں ہے کہ ہر فاسق و فاجر کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے۔ صلوا خلف کل بر و فاجر (حدیث) تو جب حدیث پاک سے ثابت ہے تو نماز واجب الاعدادہ کیوں؟ اور دوسرے یہ کہ جس مکروہ تحریمی سے اعدادہ واجب ہوتا ہے وہ کون مکروہ تحریمی ہے؟ خارج نماز یا داخل نماز؟

حضرت مفتی اعظم اس الجھن کے ازالے کے لئے حدیث کے مفہوم اور اس فقہی مسئلے کی وضاحت کرتے ہوئے افادۂ یوں رقمطراز ہیں:

جواز بمعنی صحت بھی ہوتا ہے۔ اور بمعنی حل بھی فاسق و مبتدع جس کی بدعت حد کفر تک نہ پہنچی ہو اس کے پیچھے نماز جائز ہوتی ہے یعنی صحیح ہو جاتی ہے مگر مکروہ تحریمی ہوتی ہے فرض گردن سے اتر جاتا ہے اور ناجائز ہے یعنی ان کے پیچھے پڑھنا انھیں امام بنانا، ردالمحتما میں فرمایا جاز ای مع کراہة التحريم وہ حدیث جس کا مولوی صاحب نے ذکر کیا یہ ہے صلوا خلف کل بر و فاجر علامہ سید عبدالرؤف مناوی قدس سرہ تیسر شرح جامع صغیر میں اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں صلوا جوازا خلف کل بر و فاجر ای فاسق فان الصلوة خلفه صححة لكنها مکروہة مفتی اعظم ہند آگے فرماتے

ہیں نماز جب کسی مکروہ تحریمی کے ساتھ ادا ہو تو واجب الاعادہ ہوتی ہے کل صلوة اذیت
مع کراہة التحريم تجب اعادتها جب بحالت نماز ایک گناہ کا ارتکاب کیا تو نماز
اس کی ایک ناجائز امر پر مشتمل ہوئی کراہت کے لئے استعمال کافی ہے وہ مکروہ خارج ہو
یا داخل فتاویٰ مصطفویٰ ج ۲ ص ۲۴۵۔



تحریک نسبندی

(مولانا محمد شہاب الدین رضوی)

علماء دین کا اصل وقار حق گوئی و بے باکی ہے۔ جسے اسلام نے ”افضل الجہاد“ کا مقام عطا فرمایا ہے دین کی قدریں پامال کی جا رہی تھیں۔ قرآن پاک اور حدیث نبوی کی منشاء جاننے اور اس سے لوگوں کو آگاہ کرنے کے بجائے مصلحتوں کی پیروی کا راج تھا حالات کے رخ پر ڈٹ کر حق کی صدا بلند کرنے والے روپوش ہوتے جا رہے تھے ایک سے ایک قدر آور اہل علم دنیاوی آرام و آسائش کی دلدل میں پھنسے ہوئے تھے ایک مسلم حکومت دوسری مسلم حکومت کے خلاف جنگ کر رہی تھی۔ اور علماء خاموش تھے۔ اگر کوئی زبان کھولتا بھی تو اپنے ملک کے حکمرانوں کی حمایت میں۔ مسلم برسر اقتدار اسلام پر کلنگ تھے عالم اسلام میں صرف واحد ذات تھی مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا نوری بریلو قدس سرہ کی کہ کروڑوں ہندوؤں کی آبادی والے ملک میں رہ کر حکومت وقت کے فیصلے کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔ مصلحت پرستوں کے سرنگوں تھے حالات اور فضا کی برہمی اپنی جگہ نہ جانے کتنے صاحبان جبہ و دستار حکومت کے مزاج سے صلح کر چکے تھے علماء کے وقار پر دھبے لگ رہے تھے اسلامی اور ایمانی جرأت کا خون ہو رہا تھا ان کے اپنے مادی وسائل نہیں، طوفان بلا کوٹانے کا سامان نہیں، مسلمانوں کا شیرازہ منتشر ہو رہا تھا، اور حکومتی قانون کا سہارا لے کر نسبندی کے نام پر لاکھوں انسانوں کے سلسلہ توالد و تناسل کو منقطع کر رہے تھے عورتوں کے ”آپریشن“ کئے جا رہے تھے۔ پولس مدد کر رہی تھی بقول مولانا بد القادری (بالینڈ)

حکومتی اہل کار شہر شہر، قریہ قریہ، گاؤں گاؤں، محلہ محلہ اور گھر گھر دستک

دے رہے تھے کہ آپکے کتنے بچے ہیں؟ اگر دو یا تین ہیں تو نسبندی کرایے
 کہیں لالچ دے کر کہیں ڈرا دھمکا کر کسی پر زور دباؤ ڈال کر آئندہ کے لئے
 لوگوں پر اولاد کا سلسلہ بند کیا جا رہا ہے۔

مسلمان، ہندو، سکھ پارسی اور عیسائی تمام قوموں کے لیڈروں نے حالات سے نظر
 پھیر لی تھی۔ ۵ جون ۱۹۷۶ء، ۱۳۹۶ھ کو سارے ملک ہندستان میں ایمر جنسی لگا دی گئی
 تمام شہریوں کے بنیادی حقوق سلب کر لئے گئے، حکومت کی مخالفت ملک سے غداری و
 بغاوت قرار دے دی گئی، سیاسی لیڈروں کو گرفتار کر لیا گیا اور ان کی گرفتاری کو برقرار رکھنے
 کے لئے ”میساً“ کا قانون بنا دیا گیا۔ جس کے تحت مقامی کورٹوں کو گورنمنٹ کی مخالفت
 کرنے والے گرفتار شدہ افراد کے مقدمات کی سماعت کا حق نہیں دیا گیا صرف ہائی کورٹ
 کو ان کے مقدمات کی سماعت کا اختیار دیا گیا تھا وہ بھی ایک متعینہ مدت کے بعد نام نہاد
 عدل و انصاف کی قدریں جو مجروح تھیں وہ بھی ختم کر دی گئیں۔ مخالفین حکومت کو ”قانون
 میسا“ کے تحت بے بنیاد اور جھوٹے الزامات کے تحت جیلوں میں بند کر دیا گیا تھا اندرا
 گاندھی کے بیس نکاتی پروگرام اور ان کے بیٹے سنجے گاندھی کے چار نکاتی پروگرام کی حمایت
 کرنے والے خوشامد پسند لوگوں کو ہی قانون میسا سے نجات مل سکی تھی۔

گورنمنٹ کی سختیاں اللہ اللہ۔ اب اس ماحول میں علماء دیوبند نے کیا کردار ادا کیا؟
 دارالعلوم دیوبند کے مہتمم صاحب کی حالت دیکھئے مشہور قانون دان مرزا عبدالوحید بریلوی
 لکھتے ہیں۔

غیر فطری اور غیر اسلامی فعل نسبندی کا جبراً نفاذ کیا گیا، ہزاروں افراد
 کی جبراً نسبندی کی گئی، حتیٰ کہ مجرد لوگ بھی محفوظ نہیں رہ سکے۔ نسبندی کی
 اسکیم انتہائی غیر فطری تھی، اس پر عمل کرنا باشندگان ملک کے لئے لازمی
 قرار دے دیا گیا تھا۔ مسلمانوں غیر فطری اسکیم کے متعلق شریعت اسلامیہ

کا حکم معلوم کرنا چاہا تو اولاً دارالعلوم دیوبند کے مہتمم قاری طیب صاحب نے نسبندی کو شریعت اسلامیہ کے خلاف قرار دیا، ان کا فتویٰ روز نامہ الجمعیتہ دہلی میں شائع ہوا۔ قاری صاحب کے فتوے پر اندرا گورنمنٹ کا رد عمل شروع ہوا، اور ”میساً“ کا ڈنڈا قاری طیب صاحب کو دکھایا گیا تو ساری سی سی پٹاخی بھول گئے۔ اور اپنے فتوے سے رجوع کر کے راہ فرار اختیار کی۔ نسبندی کی حرمت سے رجوع کر کے نسبندی کے جواز کا فتویٰ جاری کر دیا قاری صاحب کا یہ فتویٰ حکومت نے بڑے اہتمام سے اخبارات میں شائع کرایا ریڈیو اور ٹی وی پر کئی دن تک نشر ہوتا رہا۔ ۲

۱۳۹۶ھ، ۱۳۹۷/۱۹۷۶ء کا دور اسلامیان ہند کے لئے بھیانک طوفان کا دور تھا۔ گورنمنٹ نے مفتیان کرام کو ترغیب و ترہیب سے مائل کرنے کی مہم شروع کی، کانگریسی مفتیان نے اس کے جواز کا فتویٰ صادر کر دیا۔ ہندوستان کا مسلمان اب ایسے نازک موڑ پر آچکا تھا جہاں ہر طرف تاریکی ہی تاریکی تھی۔ پوری قوم ایسے امیر کارواں کی تلاش میں تھی جو اسے بہارادے۔ ایمان و اعتقاد کی اجڑتی ہوئی کھیتی کو لالہ زار بنا دے۔ اس وقت اسی (۸۰) سالہ بزرگ گوشہ نشین، مرد خدا عارف باللہ حضرت مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی کے کانوں تک بات پہنچی آپ نے حالات کی ناسازگاری حکومت وقت کے ظلم و ستم، اور ملک بھر کے عام رجحان کے خلاف فتویٰ جاری فرما دیا جو عین شریعت اسلامیہ کے مطابق تھا اور مسلمانوں کو تاکید فرمائی کہ خبردار کسی لالچ، حرص یا دباؤ میں آکر مسلمان اس ناجائز کام میں ملوث نہ ہوں۔ مفتی اعظم نے ”میساً“ کے بھیانک ماحول میں شریعت اسلامیہ کی پاسبانی کی، آپ کو میسا کا خوف و ڈنڈا اعلیٰ کلمۃ الحق سے نہ روک سکا جب آپ سے نسبندی کے متعلق شریعت اسلامیہ کا موقف معلوم کیا گیا تو آپ نے بلا خوف و تردید کے نسبندی کو شریعت کے خلاف قرار دیا مولانا بریلوی کے رفیق کار مفتی

صاحبان اور معین المفتی نے قانون میسا پر گفتگو کی تو حضرت نے فرمایا:

فتویٰ شریعت اسلامیہ کے مطابق دیا جائے۔ میسا پیسا کی کوئی اہمیت نہیں ہے ”میساً“ کے خوف سے حکم شرع کو بدلا نہیں جاسکتا ہے حکومت وقت ہم کو باغی قرار دیتی ہے، تو اس کے خوف سے ہم اللہ عزوجل اور اس کے پیارے حبیب حضور نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بغاوت نہیں کر سکتے مسلمانوں کو اللہ عزوجل اور اس کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وفادار اطاعت شعار ہونا چاہیے ۳

مفتی اعظم مولانا بریلوی کا فتویٰ نسبندی ملاحظہ ہو جس کو ۳ رمضان المبارک ۱۳۹۶ھ
۳۰ ستمبر ۱۹۷۶ء کو جناب ساجد علی خاں مہتمم دارالعلوم مظہر اسلام بریلی نے شائع کیا:

سوال:

سیدی مرشدی و مولائی حضور مفتی اعظم ہند دامت برکاتہ العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین خاندانی منصوبہ بندی (فیملی پلاننگ) کے متعلق نسبندی کے آپریشن کرانے کے بارے میں (عورتوں مردوں کے بارے میں) کیونکہ آج کل گورنمنٹ کی طرف سے ایسے احکام آتے ہیں کہ نسبندی کا آپریشن نہ کرانے والے سرکاری ملازم کو ملازمانہ ترقی نہ دی جائے گی وغیرہ عین نوازش ہوگی حضور بذات خود تکلیف گوارا کر کے اس مسئلہ کو حل کر کے روانہ کریں کیونکہ میں سرکاری ملازم ہوں گورنمنٹ کو اس کا جواب دینا ہے فتویٰ قرآن و حدیث سے مدلل ہونا چاہیے۔

فقط

مرزا ممتاز بیگ رضوی چھتر پور، ایم، پی

جواب: الجواب بعون الملك الوهاب۔ ضبط تولید کے لئے مرد کی

نسبندی یا عورت کا آپریشن متعدد وجوہ سے شرعاً ناجائز و حرام ہے اس میں اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز کو بدلنا ہے اور یہ قرآن و حدیث کی نص سے ناجائز و حرام ہے۔ قرآن عظیم میں فرماتا ہے:

وَأْمُرْنَهُمْ فَلْيَغْيِرْنَ خَلْقَ اللَّهِ . (۱)

شیطان بولا میں ان کو بہکاؤں تو وہ اللہ کی پیدا کردہ چیزوں کو بدلیں گے۔
تفسیری صاوی میں ہے:

من ذلك تغير الجسم

یعنی اس میں سے ہے جسم کی تغیر۔

اور تفسیر کبیر میں ہے :

أن معنى تغير خلق الله ههنا هو الأخصاء الخ

یعنی اس آیت میں خلق کا معنی خصی کرنا وغیرہ ہے۔

بخاری و مسلم کی حدیث ہے:

لعن الله المغيرات خلق الله (ملخصاً)

اللہ کی لعنت ہے ان عورتوں پر جو اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزوں کو (جسم کی قدرتی

بناوٹ) بدلنے والی ہیں۔

نیز اس میں بے وجہ شرعی ایک نس اور عضو کا ٹا جاتا ہے۔ اور وہ بھی ایسی نس ایسا عضو

جو تو والد و تاسل کا ذریعہ ہے اور بے ضرورت شرعی دوسرے کے سامنے ستر وہ بھی ستر غلیظ

کھولا جاتا ہے اور وہ اس کو چھوتا بھی ہے اور یہ تینوں امور بھی حرام ہیں کمافی کتب الفقہ۔

اور قاطع تو والد ہونے کے سبب معنی خصا میں داخل ہے اور انسان کا خصی ہونا یا کرنا بھی بنص

قرآن و حدیث حرام ہے جیسا کہ آیت و حدیث سے اوپر گزرا، نیز اور حدیث میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

marfat.com

Marfat.com

ليس منا من خصى ولا اختصى (المشكوة)

جس نے دوسرے انسان کو خصی کیا یا خود ہوا، وہ ہم میں سے نہیں۔

یہ گمان کہ کثرت اولاد مفلسی کا باعث ہے، غلط ہے..... بلکہ اللہ ورسول کی نافرمانی و بے حیائی کے کام مفلسی کے اسباب سے ہیں مولیٰ تعالیٰ فرماتا ہے:

ولا تقتلوا اولادکم من خشية املاق نحن نرزقکم و ایاہم ولا

تقربوا الفواحش ما ظهر منها وما بطن

اپنی اولاد قتل نہ کرو، مفلسی کے باعث ہم ہی تمہیں، اور انہیں سب کو

رزق دیتے ہیں۔ اور بے حیائیوں کے پاس نہ جاؤ جو ان میں کھلی ہیں اور

چھپی ہیں۔

”الحاصل نسبندی یا آپریشن شریعت اسلامیہ میں ہرگز جائز نہیں لہذا اس سے احتراز

لازم ہے۔ والمولیٰ تعالیٰ اعلم ۴

مفتی اعظم کے زیر سرپرستی، رضوی دارالافتاء، بریلی شریف کے مفتیان کرام جنہوں

نے مولانا بریلوی کے فتویٰ پر تصدیقات کہیں:

(۱) مفتی محمد اعظم نوری، شیخ الحدیث دارالعلوم مظہر اسلام بریلی شریف

(۲) مولانا خالد علی رضوی مدرس و مہتمم دارالعلوم مظہر اسلام بریلی شریف

(۳) مفتی محمد صالح قادری رضوی بریلوی، مفتی رضوی دارالافتاء و استاذ منظر اسلام

(۴) مولانا عبید الرحمن رضوی، معین المفتی رضوی دارالافتاء بریلی شریف

(۵) مولانا محمد عبدالغفور رضوی، معین المفتی رضوی دارالافتاء بریلی شریف

(۶) مولانا محمد رئیس الدین رضوی

(۷) مولانا محمد غلام۔ سین رضوی پورنوی

ایسی ایمر جنسی کے پرہول ماحول میں قاری طیب صاحب کا میرٹھ پہنچنا ہوا اور وہاں

marfat.com

Marfat.com

پڑی دلیری اور طمطراق سے مجمع عام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ ”میں دھلی جا رہا ہوں مجھے کوئی گرفتار کرے! حاضرین جلسہ یہ جرأت مردانہ دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے، کہ یہ زمانہ قیامت خیز، اور یہ ہمت مردانہ؟ اور اس سے قبل عدم جواز کا فتویٰ شائع کر دیا تھا جو حق تھا اب ان کی عیاری ملاحظہ فرمائیے۔ چند دنوں بعد جب مذکورہ فتویٰ کی بنیاد پر متعدد مقامات پر مثلاً مظفر پور وغیرہ شہروں میں ہزاروں مسلمان گولی کا نشانہ بن گئے بہت سی عورتیں بیوہ ہو گئیں ہزار ہائے شفقت پداری سے محروم ہو گئے، پھر خفیہ مصلحت کی بناء پر قاری طیب نے حق بات سے رجوع کر لیا یعنی نسبندی کی حرمت کا فتویٰ دینے کے بعد اب اس کے جواز کا بیان دیدیا بایں طور کہ آپ کا بیان ٹیپ کر کے ریڈیو پر نشر کیا گیا جس کو ہندستان ہی میں نہیں بلکہ دنیا بھر کے شہروں اور قصبات، دیہات میں تعلیم یافتہ غیر تعلیم یافتہ ہر طبقے نے سنا کہ آپ فرماتے ہیں:

علماء کرام سے درخواست کروں گا کہ اب تک منفی پہلو پر غور فرمایا ہے اب مثبت پہلو پر بھی غور فرمائیں، یہ مسئلہ اجتہادی ہے ۵

علماء دیوبند کی نام نہاد حق گوئی آپ نے ملاحظہ فرمائی..... گورنمنٹ کی دھمکی نے فتویٰ بھی بدل دیا مگر قربان جائے اس بوڑھے مرد مجاہد (حضور مفتی اعظم) پر جس نے طاغوتی طاقتوں سے خوف نہیں کھایا۔ علماء حق کی یاد تازہ کر دی ظلم و بربریت کے بھیانک ماحول میں بھی اعلان حق فرمایا۔ چونکہ ذرائع ابلاغ پر حکومت کے آہنی پنجوں کا مضبوط قبضہ تھا مفتی اعظم کے فتوے کو ریڈیو وغیرہ سے اشاعت کا ذریعہ بنانا ممکن نہ تھا آپ نے حکومت کے خلاف فتویٰ عدم جواز نسبندی کو سائیکلو اسٹال اور فوٹو اسٹیٹ کرا کے ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیلا دیا سب سے پہلے وزیر اعظم اندرا گاندھی اور یوپی گورنمنٹ، بریلی کلکٹر کو علیحدہ علیحدہ کاپیاں ارسال کی گئیں اندیشہ سودوزیاں سے بے نیاز ہو کر مفتی اعظم کا جرأت مندانہ اقدام شریعت مصطفیٰ کی حفاظت کا ذریعہ بن گیا، اور ظلم و جابر حاکم ایمر جنسی

marfat.com

Marfat.com

کے دور میں آپ کے فتویٰ کے مقابل بے بس ہو کر رہ گئے۔ ۷

قانون میسا کے خوف سے فتویٰ شائع کرنا خاصا دشوار تھا، کوئی پریس کوئی اخبار چھاپنے کے لئے تیار ہی نہ تھا مفتی اعظم کے حکم پر سائیکلو اسٹائل مشین سے چھپوایا گیا، اور چھپوانے کی خدمت محترم الحاج قربان علی رضوی حامدی بیلپوری (مالک مکتبہ رضا ایوان عرفان بیلپور ضلع پہلی بھیت) نے انجام دی ہے

اس طرح حضرت مفتی اعظم کا فتویٰ پورے ملک میں پہنچ گیا، اور اس کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ ملک کے گوشے گوشے سے فتویٰ کی فرمائش کے خطوط آنے لگے، فتویٰ کی کاپیاں بھیجی جانے لگیں، حضرت مولانا بریلوی کے دولت کدے کے نزدیک پوسٹ آفس ہے وہیں سے ڈاک پوسٹ کی جاتی تھی حکومت وقت نے مفتی اعظم کا فتویٰ کی اشاعت روکنے کے لئے آپ کی ڈاک سینسر کرنا شروع کر دی فرمائش پر جو کاپیاں روانہ کی جاتیں وہ ان لوگوں تک نہیں پہنچتیں اور ان کے شکایتی خطوط آتے مرسلہ فتوے کہاں گئے؟ جب اس امر کی تفتیش کی گئی تو معلوم ہوا کہ مفتی اعظم کا فتویٰ سینسر کی نذر ہو جاتا ہے اس آفت پر کنٹرول کرنے کے لئے یہ حکمت عملی اختیار کی گئی کہ فرمائش پر فتویٰ کی کاپیاں ضلع بریلی کے مواضعات کے چھوٹے چھوٹے پوسٹ آفس اور غیر معروف جگہ پر نصب لیٹر بکسوں سے پوسٹ کئے جانے لگے یہ حکمت عملی انتہائی کامیاب و موثر رہی ۸

مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی نے حکومت وقت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کی اور اعلیٰ کلمۃ الحق بلند فرما کر اسلاف کی یاد تازہ کر دی اس فتویٰ کا اثر حکومت ہند پر بہت اچھا پڑا اندرا گاندھی کی مخالفت کر کے ”میساً“ کا خوف عوام کے دلوں سے نکال دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جگہ جگہ جبری نسبندی کی مخالفت کا عوام نے اظہار شروع کر دیا چونکہ ان کو اب تقویت مل رہی تھی، مفتی اعظم مولانا بریلوی قیادت فرما رہے تھے حتیٰ کہ گاؤں گاؤں مخالفت و بغاوت کے لئے کمر بستہ ہو گئے جگہ جگہ پولیس اور پی، ایس، سی سے عوام

کی معرکہ آرائی ہونے لگی۔

حضرت مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی کی عزیمت مجاہدانہ سے حکومت چونک پڑی، اور دارورسن کی تیاری ہونے لگی ضلع کلکٹر نے مسلح فورس کے ساتھ مفتی اعظم کی محبوسی کے لئے سخت ہدایات جاری کر دیں مگر سی آئی ڈی کی رپورٹ بڑی خوفناک مرکزی حکومت کو موصول ہوئی صوبائی وزیر اعلیٰ اور سابق اسپیکر پوپی نے مرکزی حکومت سے فون پر رابطہ قائم کر کے صورت حال سے آگاہ کیا، اور کہا :

اگر بریلی کے بڑے مولوی صاحب مفتی اعظم ہند پر ہاتھ ڈالا گیا تو خیر نہیں حکومت کی جان کے لالے پڑ جائیں گے اور پورے ملک میں ایسا انتشار پھیلے گا جو سنبھالے نہ سنبھلے گا۔ لہذا کوئی حکم دینے سے پہلے انجام پر خوب غور کر لیا جائے۔

لہذا حکومت وقت ڈھیلی پڑ گئی مگر سوداگران محلہ (بریلی) کا پولیس اور سی آئی ڈی روزانہ دن میں بار بار چکر لگاتی اور کچھ معلوم کرنے کی ہمت نہ پڑتی آخر ایک دن دو پولیس والے آئے اور کہنے لگے کہ ہمیں بڑے مولوی صاحب سے ملنا ہے۔

مفتی اعظم اندر تشریف فرما تھے دونوں کی ملاقات کرائی گئی انھوں نے حضرت مولانا سے کہا کہ:

آپ کا فتویٰ نسبندی کے عدم جواز سے متعلق ہے آپ اسکو بدل دیں۔ اتنا کہنا تھا کہ حضرت کو جلال آگیا اور ارشاد فرمایا:

ہمارے یہاں فتویٰ نہیں بدلا جاتا ہے اگر ضرورت پڑی تو حکومت

بدل دی جائے گی ۹

اندرا گاندھی حکومت کی تباہی و بربادی کے لئے مفتی اعظم نے دعا فرمائی، ان کے مولیٰ نے دعا قبول فرمائی، اور اندرا حکومت کا بیڑا غرق ہو گیا، الیکشن میں حکمراں پارٹی

کانگریس کو بری طرح سے شکست ہوئی، اور جتنا پارٹی کی حکومت بن گئی اور کانگریس آئی کو ظلم کے نتیجے میں اقتدار سے محروم ہونے کی ذلت اٹھانی پڑی اسی لئے آپ کے والد ماجد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ پہلے ہی یہ فرما چکے تھے:

شرق پہ برق گراتے ہیں یہ ۱۰

مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا بریلی کی حق گوئی ایک ہفت روزہ اخبار ”مستقیم“ دہلی کی زبانی سنئے۔ ایڈیٹر لکھتا ہے:

اے ملت اسلامیہ تیری ہمدردی کے گیت تو سبھی گاتے ہیں تیرے حقوق و حفاظت کی اہمیت تو سبھی جتاتے ہیں لیکن صرف الیکشن میں ووٹوں کے وقت اور قوم مسلم اتنی نادان یا بے حس ثابت ہو رہی ہے کہ وہ خود اپنی اہمیت اور حیثیت نہیں سمجھ پاتی۔ عالم اسلام میں شہرت و نیک نامی رکھنے والا ایک گھرانہ اور جماعت بھی ہے جس نے بلاشبہ ایمر جنسی اور نسبندی کے پر آشوب دور میں حق گوئی، بے باکی، اور نمائندگی کا حق ادا کیا، اور عالم اسلام کے اس قول کی لاج رکھ لی کہ مسلمان کبھی بھی حق بات کہنے سے اور ظلم کے خلاف آواز بلند کرنے سے نہیں چوکتا اور وہ ہستی ہے جناب مولانا مصطفیٰ رضا خاں صاحب مفتی اعظم ہند کی جنہوں نے بانگ دہل نسبندی کے خلاف فتویٰ صادر فرما کر حق گوئی کا ثبوت فراہم کیا۔ ۱۱

ڈاکٹر سید امین مارہروی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف لکھتے ہیں:

یوں تو مجھے حضرت والا مفتی اعظم کی بہت سی باتیں متاثر کرتی ہیں مگر جس بات نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ استقامت فی الدین اور شرعی احکام کا کھلم کھلا اعلان ہے فیملی پلاننگ کے مسئلے پر سارے علمائے اور

maffat.com

Marfat.com

مشائخ نے رخصت پر عمل کیا اکثر علماء نے سکوت اختیار کیا، اور بہت سے نام نہاد دیوبندی مفتیوں نے سرکاری روش کے حق میں فیصلے دئے۔ مگر چونکہ مفتی اعظم ہند رضی اللہ عنہ ایمان کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے لہذا انہوں نے حق کا باواز بلند اعلان فرمایا اور اس کی پرواہ نہیں کی کہ اس کا نتیجہ ان کے حق میں کیا ہوگا؟ اور تاریخ شاہد ہے کہ فیملی پلاننگ کے خلاف فتویٰ دین کے باوجود ان کا بال بھی بریکانہ ہوا حضرت کی عمر شریف جہاد بالسیف کے دور سے گزر چکی تھی، مگر ان کے قلمی جہاد نے ثابت کر دیا کہ

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

۱۲

نومبر ۱۹۷۶ کو حکومت ہند نے مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی کے نام ”نوٹس“ جاری کر دیا اس میں حضرت مفتی اعظم اور دیگر مفتیان کرام شائع کنندہ مولانا صوفی ساجد علی خاں کو کلکٹر نے طلب کیا تھا مفتی اعظم چونکہ پوری زندگی بھر کبھی بھی کچھری نہیں گئے جناب ساجد علی خاں مع مفتیان رضوی دارالافتاء کے بوقت ۴ بجے دن میں نسبندی کے مسئلے پر بیان دینے کے لئے بذریعے کار نہایت عزت و وقار کے ساتھ تشریف لے گئے، جب وہاں پہنچے تو کلکٹر نے سب سے پہلے یہ کہا کہ آپ سب لوگ آگئے تو مولانا ساجد علی خاں نے جواب دیا کہ آپ نے جن کو بلایا تھا اور ان کے نام کی جوسٹ گشت کرائی تھی اسے منگا کر چیک کر لیجئے کہ کون کون حاضر ہیں۔ پھر ایک کاغذ پر سب نے دستخط کئے مفتی اعظم کی طرف سے مولانا خالد علی خان رضوی نے عذر نامہ کلکٹر کے آنے سے پہلے ہی پیش کار کو دے دیا تھا پھر وہ عذر نامہ کلکٹر کے سامنے آ گیا اس نے عذر نامہ کولسٹ کے ساتھ فائل میں رکھ لیا۔

marfat.com

Marfat.com

مولانا ساجد علی خان نے مولانا غلام رشید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کلکٹر سے کہا یہ بغیر بلائے ہوئے آگئے ہیں اگر آپ اجازت دیں تو یہاں بیٹھیں ورنہ جاسکتے ہیں اس نے کہا یہ پبلک پلیس ہے کوئی حرج نہیں بیٹھے رہنے دیجئے اس کے بعد مولانا ساجد علی خان نے دریافت کیا آپ نے ہمیں کس لئے طلب کیا ہے۔ کلکٹر نے کہا ہم نسبندی کے فتویٰ کے متعلق تحقیق کرنا چاہتے ہیں اس پر مولانا نے فرمایا:

یہ فتویٰ ہم نے شائع کیا ہے، اور یہ مفتی صاحبان کے دستخط ہیں۔
حضرت مفتی اعظم کا فتویٰ ہے..... اسے ہم سنا دیں۔

کلکٹر نے سننے کی خواہش ظاہر کی کہ مولانا نے ایک مفتی صاحب کی طرف اشارہ کر کے سنا نے کو کہا، مفتی صاحب نے پڑھنا شروع کیا درمیان درمیان میں جگہ جگہ مولانا کلکٹر کو فتویٰ کی عبارت سمجھاتے گئے اور انگریزی میں اس کا ترجمہ کرتے گئے مولانا ساجد علی خان نے تاریخی حیثیت سے سمجھاتے ہوئے کہا:

عرب کی تاریخ میں پتہ چلتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے بھوک مری کے خوف سے اور کسی کو داماد بنانے کی عاریکی وجہ سے پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پیغمبر تشریف لائے اور قرآن کی آیات نازل ہوئی کہ ہم رزق تم کو بھی دیتے ہیں اور تمہاری اولاد کو بھی دیں گے تم بھکری کے خوف سے انہیں قتل نہ کرو۔ اور آگے یہ فرمایا کہ بے حیائیوں سے بچو، ان سے رزق میں کمی ہوتی ہے نسبندی کی اسکیم کا منشا یہ ہے کہ تنگدستی اور افلاس دور ہو حالانکہ قرآن نے بتا دیا کہ ظاہری اور باطنی بے حیائی سے بچو کہ یہ رزق کم کرنے والی چیزیں ہیں اس کی طرف تو کوئی توجہ نہیں دی جا رہی ہے نسبندی ذرا چلنے تو دو پھر آپ تماشا دیکھیں گے بے حیائیاں اور بڑھیں گی۔

درمیان میں فتویٰ سنانے والے مفتی صاحب نے کہا:

نسبندی میں ظاہری اور باطنی برائیاں موجود ہیں عورت کو پھر اسقاط حمل کا خوف نہیں رہے گا اور عورتوں مردوں میں حرام کاری اور بڑھے گی۔

ایس ڈی ایم بول اٹھے کہ اس سے تو بد معاشی اور بڑھے گی کلکٹر نے کہا اور بھی تو مولوی ہیں جو اس کو صحیح کہتے ہیں اس پر ساجد علی نے فرمایا:

ہم ایسی جگہ کے رہنے والے ہیں جہاں بڑے بڑے علماء صاحب فضل و کمال آتے جاتے ہیں اور ہم بھی باہر جاتے ہیں اور علماء سے ملتے ہیں ہم نے یہ دیکھا کہ بڑے بڑے علم و فضل اور کمال والے بعض علماء انھوں نے اپنی دستار کو اتارا اور تہ کیا، اس میں اپنا علم و فضل سب باندھ دیا اس کو پیکٹ بنا کر راشن اور پرمٹ کے عوض میں اس طرح (دونوں ہاتھوں کا اشارہ کرتے ہوئے) دے دیا ہم ان میں سے نہیں ہیں ہم کو احکم الحاکمین کے سامنے جواب دینا ہے۔

اس پر کلکٹر نے کہا ہم اس کو نہیں جانتے خیر آپ منع کرتے ہیں اور بات ہے لیکن جن کو یہاں رہنا ہے ان کو کرانا ہی ہے۔ مولانا کے ہاتھ میں عصا تھا، اس کو ٹھونک کر انگریزی میں بولے:

کیا جو نہیں کرائیں گے وہ دوسرے ملک چلے جائیں؟ ہم باہر نہیں جاسکتے ہم یہیں کے ہیں اور یہیں رہیں گے ہمارا کام ہی یہ ہے کہ ہم خلق خدا کی رہنمائی کریں۔

کلکٹر نے کہا آپ لوگ دھارمک ہیں سچ بولتے ہیں جھوٹ نہیں بولیں گے، یہ بتائیے کہ آپ نے یہ فتویٰ کہاں چھپوایا مولانا ساجد علی خان فوراً جواب دیا کہ سائیکلو اسٹائل کے ذریعے چوری سے چھپوایا گیا ہے پھر سوال کیا کہ سائیکلو اسٹائل کس کا تھا ایک مفتی

صاحب نے فرمایا کہ آپ نے کہا ہے کہ جھوٹ نہیں بولیں گے آپ لوگ سچ ہیں اس لئے ہم اسکا نام نہیں بتائیں گے کہ اس سے جھوٹے ہو جائیں گے کیونکہ ہم نے اس وعدہ کر لیا ہے کہ تمہارا نام کسی سے نہیں بتائیں گے“ اس کے بعد مولانا نے اپنا عصا اٹھا کر اٹھتے ہوئے کہا کہ میں بہت کمزور ہوں، ناتواں ہوں مگر یہ مسئلہ نہایت اہم تھا اس لئے آنا ضروری تھا اب اجازت دیجئے کلکٹر نے کہا آپ جسمانی طور پر دیکھنے میں کمزور ہیں مگر آپ کے اندر روحانی قوت ہے ۱۳

حضرت مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خان کے فرستادہ نمائندے اور ترجمان نے حضرت کی صحیح معنوں میں ترجمانی کا حق ادا کر دیا اور وفد میں شامل حضرات نے دنداں شکن جواب دیا اور حکومت سے مرعوب نہ ہو کر اپنی بات کا آخر کار اعتراف کرا ہی لیا۔

☆ حضور مفتی اعظم ہند کے سیاسی افکار ص ۷۹ مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی

حواسی

- ۱۔ مولانا محمد قمر الحسن قمر بستوی تجلیات مفتی اعظم ہند
- ۲۔ عبدالوحید بیگ مرزا: حیات مفتی اعظم حصہ اول، ص ۱۶۲،
- ۳۔ عبدالوحید بیگ مرزا: حیات مفتی اعظم حصہ اول ص ۱۶۳
- ۴۔ ماہنامہ دامن مصطفیٰ بریلی
- ۵۔ غلام جیلانی میرٹھی، شیخ الحدیث: البشیر شرح نحو میر ص ۴ مکتبۃ البیلانی سنبھل،
- ۶۔ محمد شہاب الدین رضوی، راقم السطور، مفتی اعظم اور ان کے خلفاء ج ۱، ص ۹۱
- ۷۔ بروایت مولانا مفتی محمد صالح قادری بریلوی، استاد دارالعلوم منظر اسلام بریلی شریف
- ۸۔ عبدالوحید بیگ مرزا، حیات مفتی اعظم حصہ اول، ص ۱۶۲۔
- ۹۔ بروایت بابو بھائی خادم حضرت مفتی اعظم، جاروب کش آستانہ رضویہ بریلی مورخہ یکم
رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ / ۱۹۹۲ء۔
- ۱۰۔ امام احمد رضا بریلوی، الاستمداد ص ۶۰، قادری بک ڈپو بریلی۔
- ۱۱۔ ہفت روزہ مستقیم دہلی: ص ۵، بابت: ۲۷ دسمبر ۱۹۷۹۔
- ۱۲۔ ماہنامہ استقامت کانپور: مفتی اعظم نمبر ص ۱۳۸، بابت مئی ۱۹۸۳۔
- ۱۳۔ مفتی اعظم نوری، مفتی مدیر ماہنامہ دامن مصطفیٰ بریلی ص: ۲۳ تا ۲۵، بابت ستمبر اکتوبر
۱۹۸۶ء - ۱۴۰۷ھ

تحریک گاؤ کشی

(مولانا محمد شہاب الدین رضوی)

اسلام مخالف مشن ہر دور میں عروج پر رہا۔ فرقہ پرست ہندوؤں کی کوشش رہی کہ مسلمانوں کے ہر مذہبی شعار پر حملہ کیا جائے تحریک گاؤ کشی چلی کہ یہ گائے ہماری ماما ہے ہم اسکو پوجتے ہیں پاک صاف ہے مسلمانوں کو چاہیے ہماری ماما کو ذبح نہ کریں۔ مغلیہ سلطنت کے خاتمے کے بعد ہی ہندوؤں کی کوشش تھی کہ مسلمانوں سے گائے کی قربانی رکوادی جائے اپنے مقصد کے حصول کے لئے انہوں نے ہر طرح کے حربہ استعمال کیا کہیں جبر و تشدد سے اسلامی شعار کو بند کرنے کی کوشش کی اور کہیں دجل و فریب سے تاج الدین تاج کے زبانی تاریخ کے المناک دور کی کہانی پیش کی جا رہی ہے:

علاقہ بہار میں ہندوؤں نے محض قربانی گاؤ کو روکنے یعنی مسلمانوں کے ایک مذہبی اور دینی شعار کو بند کرنے کے لئے ہزار ہا کی تعداد، اور لشکروں کی صورت میں مجتمع ہو کر اور ہر طرح کے اسلحہ جات سے مسلح ہو کر اور گھوڑوں اور ہاتھیوں پر سوار ہو کر ہزار ہا مسلمانوں کو زخمی اور قتل کیا ایک نہیں دو نہیں مسلمانوں کے ایک سو چالیس گاؤں اور دو ہزار سات سو مکانات اس بیدردی کے ساتھ لوٹے کہ جن کی تفصیل سے کلیجہ منہ کو آتا ہے مسلمانوں کے مکانات کا لوٹا ہوا مال ظالم ہندو ہاتھیوں پر لا کر لے گئے آپ کے ہندو دوستوں نے لا تعداد مسلمان عورتوں اور لڑکیوں کی عصمت دری کی آپ کے ہندو دوستوں نے مسلمانوں کو پانچ عالیشان مسجدیں شہید کر دیں آپ کے ہندو دوستوں نے مسلمانوں کے قرآن مجید

پھاڑ پھاڑ کر ایسے پرزے اڑائے کہ مسلمانوں کے پاس پڑھنے کے لئے
قرآن مجید کا ایک نسخہ بھی نہ رہا۔ ۱

کبھی اس مقصد کے حصول کے لئے فریب کا سہارا لیا، اور زید و عمر کے نام سے علماء
کے پاس استفتاء بھیجے کہ ”گائے کی قربانی اسلام میں واجب نہیں ہے۔ البتہ اس سے فتنہ و
فساد کا خطرہ ہوتا ہے۔ اگر مسلمان گائے کی قربانی نہ کریں، تو اس میں کیا حرج ہے“.....
بعض علماء کی اس طرف توجہ نہ ہو سکی، انہوں نے فتویٰ دے دیا کہ کوئی حرج نہیں ہے۔ ۲
۱۲۹۸ھ / ۱۸۸۱ء میں ایک قسم کا اس استفتاء اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس
سرہ کی خدمت میں پیش ہوا آپ اس وقت اپنے گاؤں میں تشریف فرما تھے زمین کی پیمائش
ہورہی تھی، وہاں پر نہ کوئی کتاب اور نہ کچھ آپ نے پہلی نظر میں سوال میں چھپا ہوا مقصد
معلوم کر لیا اور جواباً تحریر فرمایا:

ہم ہر مذہب و ملت کے عقلاء سے دریافت کرتے ہیں کہ اگر کسی شہر
میں بزور مخالفین گاؤں کشتی قطعاً بند کر دی جائے اور بلحاظ ناراضی ہنود اس فعل
کو کہ ہماری شرع مطہر ہرگز اس سے باز رہنے کا حکم نہیں دیتی ایک قلم
موقوف کیا جائے تو اس میں ذلت اسلام متصور نہ ہوگی؟ کیا اس میں
خواری و مغلوبی مسلمین نہ سمجھی جائے گی؟

کیا اس وجہ سے ہنود کو ہم پر گردنیں دراز کرنے، اور اپنی چیرہ دستی پر
اعلیٰ درجہ کی خوشی ظاہر کر کے مذہب اور اہل مذہب کے ساتھ شامت کا
موقع ہاتھ نہ آئے گا؟

کیا وجہ وجیہ اپنے لئے ایسی ونائت و ذلت اختیار کرنا، اور دسروں
کے دین کو مغلوبی سے اپنے اوپر ہنسوانا ہماری شرع مطہر میں جائز ہے؟
حاشا و کلا ہرگز نہیں ہرگز نہیں ہماری شرع مطہر ہرگز ہماری ذلت نہیں چاہتی

نہ یہ متوقع کہ حکام وقت صرف ایک جانب کی پاسداری کریں اور دوسری طرف کی توہین و تذلیل روارکھیں۔ ۳

مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی کی خدمت عالیہ میں ایک استفتاء پیش ہوا جس میں یہ معلوم کیا گیا تھا کہ قربانی کرنا صاحب نصاب پر واجب ہے یا نہیں؟ اگر زید عمر سے یہ کہے کہ اس وقت تم قربانی نہ کرو اور یہی قربانی کا روپیہ خلافت کمیٹی کو انگورہ فنڈ و موپلا فنڈ میں دے دو اور قربانی گاؤنا جائز ہے کیونکہ امیر افغانستان و علماء افغان نے اس پر فتویٰ دیئے ہیں اب قول زید شرعاً کیسا ہے،؟ مفتی اعظم نے جواب عنایت فرمایا:

قربانی ہر آزاد مسلمان، صاحب نصاب پر ایام اضحیٰ میں کسی دن کرنا واجب ہے یا سنت مؤکدہ۔ وجوب امام اعظم و امام محمد و امام زفر و حسن کا قول ہے اور ایک روایت میں امام ابو یوسف سے بھی یہی واجب ہے خیر اگر سنت ہی رکھیں تو بھی ترک کرنا اور کرنا سخت گناہ اور اصرار سے فسق اور پناہ بخدا مستحق عذاب و نار و مصداق من ترک سنتی لم نیل شفاعتی ہونا ہے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس نے عمداً میری سنت ترک کی وہ میری شفاعت نہ پائے گا اعاذنا اللہ من ترکھا

و رزقنا شفاعۃ حبیبہ المصطفیٰ علیہ التحیۃ و الشاء ۴

مفتی اعظم ان کے مضمحل عزائم کو پرکھ چکے تھے انھوں نے اپنی دور بین نگاہ سے دیکھ لیا تھا کہ یہ اسلام اور شعار اسلام سے کھلواڑ کر رہے ہیں اور یہ بھی جانتے تھے کہ خلافت والوں کا یہ کہنا کہ قربانی گاؤ کی رقم خلافت کمیٹی کو دیدویہ حربہ صرف حصول زر کے لئے ہے تاکہ اسلام کے نام پر ہم اپنا تاج محل تو تعمیر کر ہی لیں چاہے شعار اسلام کو مٹا دیا جائے (معاذ اللہ) مفتی اعظم رقم طراز ہیں:

قربانی اراقتہ دم ہے۔ وہ روپیہ فقرا کو یا کمیٹیوں وغیرہ میں دینے سے

ادانہ ہوگی درمختار میں ہے: فتجب التضحية ای اراقۃ الدم من
النعم عملاً لا اعتقاد یہاں تک کہ اگر قربانی کا جانور بے ذبح کئے
تصدق کر دیا جائے قربانی ادا نہ ہوئی واجب ذمہ پر رہا اور اگر ذبح کر کے
سب اپنے صرف میں لے آیا فقراء کو کچھ نہ دیا قربانی ہوگئی واجب سر سے
اتر گیا۔ ۵

سیاسی لیڈروں کا کہنا تھا کہ قربانی نہ کرو بلکہ اس کی رقم خلافت کمیٹی کو انگورہ فنڈ میں
دے دو اور اس کی بھی تشہیر کی جا رہی تھی کہ قربانی ناجائز ہے حضرت مولانا نے ایسے کلمات
کہنے والے پر شرعی حد قائم فرمائی ہے:

زید پر تو یہ فرض ہے اس نے چار گناہ عظیم کئے (۱) نہی عن المنکر
(۲) امر منکر (۳) بے علم نے فتویٰ دیے دیا (۴) نئی شریعت گڑھی اور
شرع مقدس پر افترا کیا اور بحکم حدیث لعنت ملائکہ سموات وارض کو اوڑھا۔

قربانی گاؤں کو ناجائز کہنے والوں کی دلیل یہ تھی کہ امیر افغانستان و علماء و مفتیان
افغانستان نے اس پر فتویٰ دے دیا ہے کہ قربانی گاؤں ہرگز نہ کی جائے۔

مفتی کیلئے ضروری ہے کہ زمانے کے حالات اور نزاکتوں سے باخبر رہے یہ بات مفتی
اعظم میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھی ان کو معلوم تھا کہ تحریک گاؤں کشی کے داعین شعائر اللہ کو مٹانا
چاہتے ہیں جس فتویٰ کو وہ لوگ دلیل میں پیش کرتے تھے، اس کا حال یہ تھا۔ مفتی اعظم
حقیقت کی نقاب کشائی کرتے ہیں۔

اولاً: وہ جو امیر (افغانستان کا فتویٰ) صاحب کی طرف منسوب
اشتہار شاہجہان پور کے کسی ہندو نے طبع کرایا ہے وہ ہرگز امیر صاحب کا
نہیں ان پر اور وہاں کے علماء پر محض افتراء اور عظیم بہتان ہے جبکہ قرآن
عظیم میں صاف ارشاد ہے: ان اللہ یامرکم ان تذبحوا بقرة بے

شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم گائے ذبح کرو۔

اس سے عامہ مسلمین آگاہ ہیں کوئی ایسا ہی جاہل ہوگا جسے اس کا علم نہ ہوگا پھر سنت سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی گاؤ فرمائی تو ایک ایسے امر کو جو قرآن سے ثابت حدیث سے ثابت جائز نہیں بلکہ مسنون سے امیر صاحب ایدهم اللہ نصرہم اور علماء کیسے ناجائز فرما سکتے ہیں۔

ثانیاً: بغرض غلط وہ امیر صاحب ہی کا سہی جب بھی حجت شرعیہ نہیں ما احل اللہ و رسول (عزوجل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے حلال فرمایا وہ حلال ہے اور جسے انہوں نے حرام فرمایا وہ حرام ہے قول زید بدتر از بول ہے اور اس پر عمل حرام، حرام، حرام، قربانی گاؤ شعائر اللہ ہے۔ قال تعالیٰ و البد جعلنا لکم من شعائر اللہ. ۱

حضرت مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خان بریلوی کی شخصیت ایک فعال اور متحرک تھی آپ کی دور رس نگاہیں سوال کے تیور لے کر بھانپ لیتی تھیں آپ نے تحریک گاؤ کشی کے زمانے میں جو کچھ فرمایا اور لکھا بعد کے تاریخی حقائق و شواہد نے سب سچ کر دکھایا یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں بلکہ اظہر من الشمس ہے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی صحیح ترجمانی فرمائی کتنی ہی آندھیوں کے بادل چھائے گھٹا ٹوپ آندھیاں چلیں، ہواؤں کے تھپیڑوں میں بہت سے بہہ گئے مگر واحد ذات تھی مفتی اعظم کی جس نے اعلیٰ حضرت کی جانشینی کا حق ادا کر دیا۔

شوال المکرم ۱۲۹۸ھ میں امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے اسی مسئلہ گاؤ کشی پر ایک تفصیلی کتاب تحریر فرمائی جس کا نام **انفس الفکر فی قربان البقر** مطبوعہ اہلسنت و جماعت پریس بریلی تجویز ہوا۔ انفس الفکر پر پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

منقسم ہندستان میں مسلمانوں کا پورا پورا حق ہے اور وہ اپنے مذہبی شعائر کو دوسروں کی خوشنودی کے لئے کبھی نہیں چھوڑ سکتے بالآخر سب نے اس حق کو تسلیم کیا اور آج بھی ہندوستان میں مسلمان اپنے مذہبی شعائر پر عمل پیرا ہیں۔

مفتی اعظم نے نفس الفکر پر تصدیق کرتے ہوئے شریعت مطہرہ کا حکم تو بتایا ہی مگر زرعی اور تجارتی نقطہ نظر سے بھی آگاہی دی کہ گائے کی قربانی کرنے میں ملکی اقتصادی اور مالی حالت کتنی خستہ ہو سکتی ہے۔ رقم طراز ہیں:

جس چیز کی مانگ زیادہ ہوتی ہے اسے قدرت زیادہ پیدا فرماتی ہے گاؤں کشتی بند ہونے سے زراعت کو تو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا سوا اس کے کہ کھیت میں پڑ کر تیار کھیت کو کھا جانے والے اب دس ہیں تو جب سو ہوں گے۔ ہاں گوشت کو نقصان عظیم پہنچے گا مسلمان اور عیسائی بلکہ ہنود کی بعض اقوام بھی طبعی طور پر غذائے گوشت کے عادی ہیں اسے بند کر کے صرف دال ساگ پر انھیں قانع کرنا ضرور ان کی عافیت میں خلل انداز ہوگا اور ہرگز ان کی صحت جسمانی ٹھیک نہیں رہ سکتی، اور اس کے سوا عام حاجتوں کو سخت نقصان پہنچے گا۔

مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا نوری بریلوی نے مذکورہ تصدیق اس وقت فرمائی تھی جب آپ کی عمر شریف صرف ۱۸ برس کی تھی ۱۸ برس کی عمر میں آپ نے وہ فراست و ذہانت پائی تھی جس کی تصدیق اس بات سے ہو سکتی ہے کہ آپ اس وقت معتمد مفتیوں میں شمار ہوتے تھے خود اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی اپنے فتاویٰ پر تصدیق کرواتے تھے۔

حضور مفتی اعظم کے سیاسی افکار، مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی

حواشی

- ۱۔ تاج الدین احمد تاج غنشی: ہندوؤں سے ترک موالات ص ۶
 - ۲۔ محمد عبدالحکیم شرف قادری، مولانا: البریلویت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ ص ۲۳۱
 - ۳۔ امام احمد رضا: رسائل رضویہ ج ۲ ص ۲۱۸ مکتبہ حامد یہ لاہور
 - ۴۔ مصطفیٰ رضا مولانا، طرق الہدیٰ والارشاد الی احکام والامارۃ والجهاد ص ۵۷
 - ۵۔ مطفیٰ رضا، مولانا: طرق الہدیٰ والارشاد ص ۵۷
 - ۶۔ مصطفیٰ رضا بریلوی، مولانا: طرق الہدیٰ والارشاد ص ۵۸-۵۹
 - ۷۔ محمد مسعود احمد پروفیسر: آئینہ رضویات ص ۱۶۶ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی
- ۱۹۸۹ء / ۱۴۱۰ھ
- ۸۔ احمد رضا بریلوی، امام انفس الفکر فی قربان البقرہ ۲۰ مطبع اہلسنت وجماعت بریلی (تصدیق)

تحریک جہاد

(مولانا محمد شہاب الدین رضوی)

اسلامی فرائض میں جہاد اہم ترین فریضہ ہے لیکن یہ اسی وقت فرض ہوگا جب اس کے شرائط پائے جائیں اس کے اہم شرائط میں سلطان اسلام اور قوت کا موجود ہونا ہے اسی لئے اعلیٰ حضرت امام محمد رضا نے فرمایا تھا:

مفلس پر اعانت مال نہیں بے دست و پا پر اعانت اعمال نہیں

لہذا مسلمانان ہند پر حکم جہاد و قتال نہیں۔ ۱۔

آگے چل کر امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کی ترجمانی آپ کے فرزند اصغر مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا نے کی ان کی خدمت عالیہ میں ایک استفتاء پیش ہوا آپ نے اس کے جواب میں تفصیلی فتویٰ صادر فرمایا جو اب کے دورخ ہیں پہلا اجمالی، دوسرا تفصیلی، اور جو اجمالی تحریر ہوا ہے اس کو مزید تفصیل کے ساتھ لکھا جاتا ہے تاکہ مسئلہ جہاد کو سمجھنے میں مدد مل سکے۔

۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمت عالم ہیں، ان کی شریعت آسان ہے وہ پاک ہے اس سے کہ حکم دے اس چیز کا جو فوق طاقت و قوت بشر، اور انسانی وسعت سے باہر ہو قرآن کریم فرماتا ہے۔ لا یكلف اللہ نفسا الا وسعہا۔

۲۔ شریعت اس سے منزہ ہے کہ بے فائدہ و عبث امر کا حکم فرمائے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: و ما خلقنا السماء و الارض و ما بینہما لا عبین۔ هذا کله ما افادہ امامنا مجدد المائۃ الحاضرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

۳۔ جان کی حفاظت اہم فرائض سے ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ولا تلقوا بایدکم

۴۔ فتنہ و فساد سخت شنيع ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: من قاتل لا تفسدوا فی

الارض .

۵۔ ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے یوں ہی ہر بات کہنے کا ایک موقع اور محل ہوتا ہے بے موقع و محل بات کہنا لوگوں کو ہنسنے کا موقع دینا ہے۔

تحریک جہاد کا نعرہ مسٹر گاندھی اور ان کے ہم نواؤں نے یہ باور کر کے لگایا تھا کہ ہم ملک کو آزاد کرائیں گے آزادی ملک ہمارا نصب العین ہے چاہے مال کے ذریعے ہو یا جان کے ذریعے مسلمان چونکہ جذباتی واقع ہوا ہے اس نے فوراً نعرہ جہاد کو قبول کر لیا اور یہ کہا گیا کہ یہ جہاد انگریزوں کے خلاف ہے حالانکہ حقیقت اس کے خلاف تھی گاندھی کا مقصد وحید یہ تھا کہ بے دست و پا مسلمانوں کو آگ کے کڑھے میں جھونک دیا جائے ان کے پاس ہے ہی کیا اور جو کچھ ہے وہ جہاد کی نظر ہو جائے تاکہ یہ مسلمان قوم کبھی ابھرنے سکے۔ امام احمد رضا قدس سرہ پہلے ہی اپنی فراست ایمانی سے معلوم کر چکے تھے امام موصوف اور آپ کے شہزادے مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی جہاد کے خلاف نہیں تھے مگر ایسی بے سروسامانی، بے دست و پا، مفلسی، اور تنگ دستی جیسی حالت دیکھ کر تحریک جہاد کی مخالفت کی چونکہ شرائط جہاد نہیں پائے جاتے تھے مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خان نے کیا خوب نقشہ کھینچا ہے:

جو حکم انسانی قوت و طاقت بشری، وسعت و استطاعت سے باہر ہو وہ ہرگز حکم شریعت مطہرہ نہیں۔ جس حکم میں باقاعدہ ائتلاف جن و اہلاک نفس ہو وہ اس شرع مبین کا حکم نہیں یو ہیں جس حکم سے سوتے فتنے جاگیں، فساد برپا ہوں، وہ کبھی مقدس اسلام کا حکم نہیں ہو سکتا اب یہ خود دیکھ لیں یہاں اس وقت حکم جہاد میں تکلیف مالا یطاق ہے یا نہیں؟ اس میں کوئی

فائدہ ہے یا سراسر مضرت؟ جانوں کی بے وجہ ہلاکت یا حفاظت فتنہ و فساد کی اثارت ہے یا اقامت؟ اسمیں مسلمانوں کی عزت ہے یا ذلت؟ یہ حکم قبل از وقت ہے یا خاص وقت پر؟ ان امور پر غور کر لینے کے بعد مسئلہ بالکل صاف ہو جائے گا اصلاً خفا نہ ہوگا کیا نہتوں کو ان سے جو تمام ہتھیاروں سے لیس ہوں لڑنے کا حکم دینا سختی نہیں؟ اور تکلیف فوق الوسعت نہی؟ کیا ایسوں کو جو ہتھیار چلانا بڑی بات ہے اٹھانا نہیں جانتے، جن کے وہم میں بھی کبھی نہیں گزرا کہ بندوق کس طرح اٹھاتے، تلوار کیونکر تھامتے، مارتے، طمنچہ کیسے چلاتے ہیں جنھوں نے کبھی جنگ کے ہنگامے، لڑائی کے معرکے خواب میں نہ دیکھے ہوں انہیں تو پوں کے سامنے کر دینا کچھ زیادتی نہیں؟ کیا ایسوں سے میدان کرانا، اور ان کی جانیں مفت گوانا عبت نہیں؟ کیا یہ فتنہ و فساد نہیں کہ مسلمانوں کی عزیز اور قیمتی جانیں مفت ضائع ہوں؟ اس سے بڑھ کر اور فتنہ اور اس سے زائد فساد فی الارض کیا ہوگا؟۔ ۳

حضرت مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی قدس سرہ جہاد کے جذبے کو پڑ مردہ نہیں کرنا چاہتے تھے انہوں نے حکم شرع بیان کی، اس میں نہ انگریز کی طرف داری مقصود تھی اور نہ ہی چا پلوسی و خوشامد وہ تو اس سے سخت مخالف تھے ان کے دور دولت پر بڑے بڑے سربراہان ممالک آئے مگر ملاقات تک بھی نہ کی اور وہ بغیر ملاقات کئے واپس چلے گئے چہ جائے کہ انگریز کی خوشامد کرتے۔

تحریک جہاد کا رد کرتے ہوئے شرع مطہرہ کو واضح انداز میں بیان فرماتے ہیں: یہاں کے نہتے بے سردھرے جنگ سے ناواقف مسلمان، ان پر خود سلطان اسلام جس کے پاس سامان حرب بھی ہو، اور باقاعدہ

فوج بھی وہ اگر یہ سمجھے کہ کفار زائد ہیں یہ فوج و سامان انھیں کافی نہ ہوگا تو ایسی حالت میں اسے ان سے پہلے ناجائز ہے۔ ۴

آگے چل کر دوسری جگہ اپنے دوست مولانا عبدالباری فرنگی محلی کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں:

خود اس گاندھی امت کے لیڈر اعظم مولوی عبدالباری کو مسلم ہے کہ یہ وقت، وقت جہاد نہیں اور یہ کہ وہ نامفید، اور بے ضرورت اہلاک نفس ہے۔ ۵

مولانا عبدالباری فرنگی محلی اپنے رسالہ ”ہجرت“ میں لکھتے ہیں:

میں کشت و خون کو خصوصاً مجتمع حملے کی صورت میں جیسا کہ لشکر کرتا ہے غیر مفید سمجھتا ہوں کیونکہ اس کے اسباب مجتمع ہیں اس میں شک نہیں کہ اہلاک نفس بلا ضرورت جائز نہیں قانون جن امور کو روکتا ہے ان کو نہ کرنے میں ہمیں عذر ہے۔ ۶

مسئلہ جہاد میں مفتی اعظم اور مولانا فرنگی محلی کا موقف گویا کہ ایک ہی تھا مگر مولانا فرنگی محلی عملاً مسٹر گاندھی کی بات سے متفق تھے مفتی اعظم بریلوی کی دوراندیشی کہ آپ نے کہیں بھی حرام یا ناجائز گناہ نہیں فرمایا بلکہ جہاد نہ کرنے کی علتیں، وجوہات بیان کر دیں اور وہ سمجھ رہے تھے کہ حرام اور ناجائز کہنے سے قوم مسلم میں جذبہ جہاد کہیں سرد نہ پڑ جائے جوش اسلامی بہر حال باقی رکھنا ہی ہے۔

مسٹر گاندھی کے مشوروں سے مسلمان لیڈروں نے قرآن و حدیث کے حوالے سے ”جہاد جہاد“ کا نعرہ دیا تا کہ مسلمان قریب سے قریب تر ہو جائیں ایک طرف گاندھی نے اخبارات میں شائع کرنا شروع کر دیا کہ میرا مذہب کشت و خون کو روا نہیں رکھتا تو دوسری طرف انگریزوں کو مرعوب کرنے کے لئے یہ پالیسی اپنائی کہ ہر لحظہ جہاد پکارتے رہو۔

مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی دو ٹوک انداز میں فرماتے ہیں:

اس وقت یہ حکم جہاد بھی اسی دشمن اسلام و مسلمین گاندھی بددین کا حکم ہے جیسے پہلے ہجرت سے نقصان پہنچائے مسلمانوں کو خانماں برباد کرائے، ان کی بیش بہا جائدادیں اور اموال کوڑیوں میں بکوائے سب کے کوڑے کرائے، غریب مسلمانوں میں اتنا روپیہ کہاں تھا، یوں اپنے ہندو بھائیوں کو دلوائے یوں یہ مسئلہ جہاد نکال کر اس نے چاہا کہ مسلمانوں کو جن کی روح بالکل فنا ہو چکی ہے کچھ یوں ہی رمتی باقی ہے یہ بھی کیوں رہ جائے بالکل تباہ کرائے۔

مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی نے ہر اس تحریک کا رد کیا جو اسلامی اصولوں اور بنیادوں سے ہٹ کر چلی، جس نے چاہا کہ ہم اسلامی نام لے کر اسلام کی بنیادوں کو ہلا دیں تو فوراً مفتی اعظم اٹھے، اور آپ نے مسلمانوں کو آگاہ فرمایا تنبیہ فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں:

کاش تم اب بھی سنبھلو اور ان گندم نما جو فروشوں سے بھاگو۔ ان کی تو دلی خواہش ہے کہ تم مشقت میں پڑو۔ قد بدت البغضاء من افواہم و ما تحفی صدورہم اکبر قد بینا لکم الایت ان کنتم تعقلون ۸

مفتی اعظم فتویٰ کے آخر میں لکھتے ہیں۔

خدا کے لئے ہماری اس یاد دہانی سے فائدہ اٹھائیے اور خلق خدا کو راہ راست پر لائیے ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے اور اب آپ اپنا فرض ادا کیجئے۔ ۹

مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی کے دل میں اسلام کا درد اور مسلمانوں کے مستقبل کی فکر تھی ان کی سوچ ہر وقت مسلمانوں کے مستقبل کو تباہ بنا کر بنانے کے لئے تھی وہ ہر ہر موڑ پر اپنی قوم کی صحیح رہنمائی کرتے رہے اور بڑے سے بڑے تباہی و بربادی کے دہانے میں جانے سے پہلے قیادت فرمائی آپ قائد کی اعلیٰ صلاحیتوں کے حامل تھے اصل میں قائد وہی

ہوتا ہے جو ہر وقت اپنی قوم کی فکر میں لگا رہے اسلام اور مسلمین کی حفاظت و صیانت ایمان کے تحفظ و بقا کی خاطر مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی نے کیا کیا جتن نہ کئے تبلیغ دین میں قدم نکل گئے تو مہینوں گھر والوں کو چھوڑ دیا۔ قلم چلاتا تو چلتا چلا گیا زبان گویا ہوئی تو باطل و مضرتحریکوں کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں بلاشبہ وہ امام وقت اور رہبر رہنما تھے۔

حضور مفتی اعظم ہند کے سیاسی افکار ص ۱۳۷ مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی

حواشی

- ۱۔ امام احمد رضا بریلوی دوام العیش ص ۱۰۸، م: مکتبہ رضویہ لاہور۔
- ۲۔ مصطفیٰ رضا، طرق الہدیٰ والارشاد ص ۲۸، ۲۹، جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی۔
- ۳۔ مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی طرق الہدیٰ والارشاد ص ۲۰، ۳۰۔
- ۴۔ مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی طرق الہدیٰ والارشاد ص ۳۱۔
- ۵۔ مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی طرق الہدیٰ والارشاد ص ۳۲۔
- ۶۔ مولانا عبدالباری فرنگی محلی رسالہ ہجرت/ بحوالہ طرق الہدیٰ ص ۳۳۔
- ۷۔ مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی طرق الہدیٰ والارشاد ص ۳۱۔
- ۸۔ مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی طرق الہدیٰ والارشاد ص ۳۲۔
- ۹۔ مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی طرق الہدیٰ والارشاد ص ۳۳۔

تحریک خلافت

(مولانا محمد شہاب الدین رضوی)

علیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ اپنے وقت کے سیاسی بصیرت کے مالک اور دور اندیش تھے ان کی نگاہیں تحریک کے خدو خال اور عواقب پر بھی رہتی تھیں انہوں نے ملت اسلامیہ کے شیرازہ کو منتشر ہونے سے بچالیا انھیں کے تربیت یافتہ اور فرزند اصغر مفتی اعظم مولانا شاہ مصطفیٰ رضا بریلوی قدس سرہ سیاسی اور ملی معاملات میں اعتدال پسندی، تدبر و تحمل، سلامت روی غور و فکر کے قائل تھے ان کے سیاسی افکار کو سمجھنے کے لئے مندرجہ ذیل تصانیف کا مطالعہ کافی ہوگا۔

(۱) طرق الہدی والارشاد الی احکام الامارۃ والجمہاد (۱۳۴۱)

(۲) فضل الخلفۃ یعنی سوراخ در سوراخ (۱۳۴۱)

(۳) الطاری الداری لہفوات عبدالباری (۳ جلدیں ۱۳۳۹)

(۴) دوام العیش فی ائمتہ من القریش پر مقدمہ (۱۳۳۳ھ)

(۵) فتاویٰ مصطفویہ (۳ جلدیں) کے بعض فتاویٰ

۱۹۱۹ء میں مسئلہ خلافت پیش آیا امام احمد رضا بریلوی کو شرعی بنیادوں پر اس سے اختلاف تھا جس کا تفصیلی ذکر دوام العیش میں موجود ہے امام احمد رضا نے ایک استفتاء کے جواب میں خلافت پر محققانہ بحث کی، اور اپنا موقف پیش کیا چونکہ اس جواب کی اشاعت سے انگریزوں کو کچھ فائدہ پہنچ سکتا تھا، اس لئے اسکو شائع نہیں فرمایا چنانچہ یہ جواب ۱۹۲۲ء میں امام احمد رضا کے انتقال کے بعد حضور مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خاں بریلوی نے اپنے واقع مقدس کے ساتھ شائع فرمایا حضرت مفتی اعظم سے بعد میں کچھ سوالات کئے

marfat.com

Marfat.com

گئے جس کا تفصیلی جواب طرق الہدی والارشاد کے نام سے دیا ہے اور وہی موقف اپنایا جو امام احمد رضا بریلوی کا تھا۔ اور بعد میں وہی ہوا جو امام احمد رضا نے ۲ سال قبل اندیشوں کا اظہار فرمایا تھا۔

تحریک خلافت کے روح رواں مسٹر گاندھی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی جوہر تھے مفتی اعظم نے خلیفہ کے لئے شرط ”قرشیت“ قرار دی اور یوں تعریف فرمائی:

خلافت کا مستحق وہ ہے جو ساتوں شرط خلافت کا جامع ہو یعنی مرد ہو،

عادل ہو، بالغ ہو، حر ہو، قادر ہو، قرشی ہو، یہ ساتوں شرطیں ایسی ضروری

ہیں کہ ان میں اگر ایک بھی کم ہوگی خلافت صحیح نہ ہوگی۔

لیکن مولانا آزاد مولانا فرنگی محلی شرط قرشیت کو لازمی قرار نہیں دیتے تھے ۱۳۳۹ھ

۱۹۲۰ھ میں مولانا آزاد مولانا فرنگی محلی کے ایک خطبے اور مولانا آزاد کے رسالہ جزیرۃ

العرب کے بارے میں بعض استفسارات آئے جس کے جواب میں امام احمد رضا بریلوی

نے رسالہ دوام العیش تحریر فرمایا اور ایک مقدمہ اور تین فصلوں پر ترتیب دیا تیسری فصل کی

بحث سوم شروع کی تھی کہ دوسرے اہم کاموں میں مشغول ہو گئے پھر دوسرے ہی سال ۱۹۲۱

میں انتقال کر گئے۔ بعدہ ۲۵ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ ۱۹۲۲ء کو یہ رسالہ بریلی سے شائع ہوا جبکہ

خود ترکوں کے ہاتھوں خلافت کا دامن تارتا رہو چکا تھا اور ہندوستان میں مسٹر گاندھی نے

بڑی چابک دستی سے ایک دوسرا بہانہ بنا کر تحریک ترک موالات ختم کر دی تھی تحریک

خلافت، تحریک ترک موالات کی اساس تھی، جس کو مسٹر گاندھی نے اپنے سیاسی اغراض و

مقاصد کے تحت شروع کیا تھا مولانا آزاد اور مولانا فرنگی محلی نے سیاسی مصالح کی بنا پر شرعی

حدود سے تجاوز کر کے مسئلہ خلافت کو غلط رنگ میں پیش کیا تھا حضرت مفتی اعظم اور مصطفیٰ

کمال پاشا بھی خلیفہ شرعی نہیں مانتے تھے اس مسئلے میں دونوں کا موقف ایک تھا اخبار ہمد

marfat.com

Marfat.com

لکھنو لکھتا ہے:

جمعیت عالیہ ملیہ انگورہ نے ایک اعلان شائع کیا ہے جس میں سلطان معظم (عبدالحمید) کو معزول کر دیا ہے اور ظاہر کر دیا ہے کہ اب ترکی میں حکومت کی صورت جمہوریہ کے ہم معنی ہیں سلطنت عثمانیہ کے بجائے دولت ترکیہ جمہوریہ کا اعلان جمعیت عالیہ نے سلطان کی معزولی کے فیصلے کا اعلان کر دیا ہے انگورہ نے قانون پاس کر دیا جس سے حکومت سلطانی معدوم ہو جائے گی۔ ۲

حضرت مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خان بریلوی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے

ہیں:

اگر سلطان معظم خلیفہ شرعی ہوتے کوئی انھیں معزول کر سکتا تھا؟ شرعاً بلا وجہ شرعی اس کا کہے اختیار تھا جو ان کے ملک پر یوں قبضہ کرنا چاہتا، ان کے ساتھ ایسے معاللات برتنے سے خود باغی اور واجب القتل ٹھہرتا۔ ۳

حضرت مفتی اعظم سچائی جرات تدبر و فراست کے ساتھ حقانیت، انسانیت سے محبت اور جدوجہد میں پامردی کا مجسمہ تھے۔ انھوں نے وہ بات کہی جو کچھ دنوں کے بعد خود سچ ہو کر منظر عام پر آگئی مفتی اعظم قدس سرہ کا اختلاف کوئی ذاتی نہیں تھا وہ تو چاہتے تھے کہ شریعت کی پامالی نہ ہو، حدود شرع میں رہ کر کام کیا جائے۔ فرامین مصطفوی کی پاسداری رہے قوانین الہیہ کی خلاف ورزی نہ ہونے پائے اور خصوصیت کے ساتھ یہ کہ مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کی جائے۔ ان کو کسی دھوک میں نہ ڈالا جائے چونکہ مسلمان ایک سادہ لوح قوم ہے اس کی سادگی کی تختی پر جو چاہو لکھ دو وہ اس کا وظیفہ پڑھتی رہے گی مفتی اعظم سیاسی داؤں بیچ میں شریعت اسلامیہ کے انضمام کو اچھا نہیں سمجھتے تھے مسلمان جذباتی واقع ہوا، اس لئے اہل سیاست نے انھیں کوتا کا پہلے پہل یہ باور کرایا گیا کہ سلطنت ترکیہ خلافت

اگر چہ چہرہ پر نور ماہتاب صدق پر کذابوں کے کذب کی نہایت وحشت ناک تیرگیاں چھائیں، اور روئے آفتاب حق پر باطل کی بھیانک اور خوفناک تاریکیاں اور کالی ڈراونی بدلیاں آئیں مگر ہمارے قلوب بفضلہ تعالیٰ مطمئن تھے ہم سمجھے ہوئے تھے کہ یہ بھی کچھ روز کی ہوا ہے۔ جو دم میں ہوا ہے۔ آخر کار وہی ہوا جس کا ہمیں شدت سے انتظار تھا وہ دن آ ہی گیا وہ تیرگی اور تاریکی کا نور ہو گئی اور حق کا جگمگاتا، چمکتا، دمکتا پر نور چہرہ آفتاب نصف النہار کی طرح آنکھیں خیرہ کرتا نکلا۔ اور ایک عالم نے آنکھوں دیکھ لیا کہ حق یہ ہے کہ باطل وہ تھا۔ ۹

یہ کلمات ایک عارف باللہ کی زبان سے نکلے ہوئے ہیں جن کو حقائق کی بنیاد پر تولا اور پرکھا جاسکتا ہے اور کھوٹے و کھرے کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے امن اور عدم تشدد کے خیالی حامی مسٹر گاندھی نے وقتی اشتعال سے خوب فائدہ اٹھایا وہ اپنی فریب کاری سے تحریک خلافت کے لیڈر بن گئے مسلم لیڈروں نے ان کے فریب میں آکر وہ ناکردنی کام کئے کہ اسلامی سوچ و فکر رکھنے والے علماء تڑپ اٹھے جس کی تفصیل اوپر گزری (مسٹر گاندھی کو جو کٹر ہندو تھے وہ اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لئے مسلمانوں کے جذبات سے کھیل رہے تھے ان کو مسلمانوں کے مسائل اور مقاصد سے کیا ہمدردی ہو سکتی تھی۔ ۱۰

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی دو ٹوک الفاظ میں رقم طراز ہیں:

وہ جو آج تمام ہندوؤں اور نہ صرف ہندوؤں تم سب ہندو پرستوں کا

امام ظاہر و بادشاہ باطن ہے یعنی گاندھی صاف نہ کہہ چکا؟

کہ مسلمان اگر قربانی کا وہ چھوڑیں گے تو ہم تلوار سے چھڑادیں گے ۱۱

علماء اہلسنت و جماعت اور اکابرین ملت نے مسٹر گاندھی کا پیش رو بننے سے انکار

۳۳۸
marfat.com

Marfat.com

کر دیا تھا، اگرچہ وہ خلافت اور امام کن مقدسہ کی حفاظت کا نام ہی کیوں لیتا ہو وہ کسی صورت میں بھی اسے اپنا امام بنانے پر تیار نہ ہوئے۔

خلافت کا نعرہ اس لئے لگایا گیا تھا کہ مسلمانوں کے جذبات کا استحصال کیا جائے، اور ان سے مطلب برآری چندہ اور حصول زر میں کامیابی حاصل ہو مگر دوسری طرف امام احمد رضا بریلوی اور حضرت مفتی اعظم نے ان کے چھپے عزائم کو بھانپ لیا تھا مفتی اعظم نے ان حضرات سے تین سوالات کئے جو سلطان عبد الحمید خان کو خلیفہ شرعی تسلیم کرانے پر اصرار کرتے تھے۔

۱۔ سلطان مراد کی معزولی کے بعد عبد الحمید خان سلطان ترکی ہوئے۔ اگر سلطان مراد کو خلیفہ تسلیم کیا جائے تو سلطان بعد الحمید پر کیا حکم لگایا جائے گا؟

۲۔ غازی مصطفیٰ کمال پاشا نے سلطان عبد الحمید کو معزول کر دیا اگر واقعی عبد الحمید خاں خلیفہ تھے تو مصطفیٰ کمال پاش پر کیا حکم لگایا جائے گا؟

۳۔ جب سلطان عبد الحمید خان کی خلافت سے انکار کفر تھا، تو جس نے اس کو معزول کیا اس پر اس سے بڑا فتویٰ لگانا چاہیے تھا مگر غازی مصطفیٰ کمال پاشا پر فتویٰ لگانے کے بجائے ان کو مبارکباد کے پیغام بھیجے گئے؟

۴۔ امام احمد رضا بریلوی دوام العیش فی ائمة القریش ۱۰

مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خان بریلوی ارکان خلافت پر زور دار انداز میں گرجتے ہوئے سوال کرتے ہیں:

کیا ان کو باغی و کافر کہا جائے گا، جس طرح شریف مکہ ملک الحجاز کو سلطان کی اطاعت سے سرتابی پر باغی اور واجب القتل کا حکم لگایا جا چکا ہے؟ ۱۲

آگے چل کر بڑے ناصحانہ انداز میں اصلاح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

marfat.com

Marfat.com

انسان کو چاہیے کہ بات کہنے اور کام کرنے سے پہلے اس کے قال و انجام پر نظر رکھے جس کا آخر حسن ہو، اسے اختیار کرے ورنہ نہیں۔ تیرہ سو برس کے اجتماعی اتفاق مسئلہ میں اختلاف کا حاصل سوائے کشت و افتراق بین المسلمین اور کیا تھا ترکوں کو اس سے کچھ فائدہ نہ پہنچا ہاں اختلاف مسلمین میں ایک اور اضافہ ہو گیا ۱۳

تحریک خلافت کے زمانہ میں سب سے عجیب بات یہ دیکھی گئی کہ جو حضرات خلافت اسلامیہ کی حفاظت کی جدوجہد کر رہے تھے، وہ ہندوؤں کی ہمنوائی کو احیاء خلافت اسلامیہ کے لئے مدد و معاون سمجھ رہے تھے اور جوش و جذبات میں اسلامی شعائر کو چھوڑ کر شعائر کفر اپنا رہے تھے ۱۴

چنانچہ اس زمانے میں مسلمانوں نے اپنی پیشانی پر قشقہ بھی لگوا یا، ہندو لیڈروں کی ارتھیوں کو کندھا بھی ہندو لیڈروں کو مساجد میں منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بٹھایا قرآن پاک کو مندروں میں لے جایا گیا وغیرہ ۱۵

حضرت مفتی اعظم کی زبانی اس حیرت انگیز کہانی کو سنئے اور دل و دماغ کے درتپے وا کر کے ان پر لعنت بھیجئے:

نہ تم اپنے ماتھوں پر تلک لگواتے، نہ قشقہ کھنچواتے، نہ تم تلک کی ٹکٹی اٹھاتے اور اسے مرگھٹ تک پہنچاتے، نہ تم رام رام ست ست کہتے جاتے، نہ تم جے کار لگاتے نہ تم انھیں مسجدوں میں لے جاتے، اور انہیں مسجد کے منبر پر مسلمانوں سے اونچا بٹھاتے نہ تم ان کو مسلمانوں کا واعظ بناتے شرم، شرم، شرم، ہل انتم منتھون نہ تم ہندوؤں کے طاغوت گاندھی کو اپنا ہادی، اپنا رہبر، اپنا امام، اپنا پیشوا، اپنا رہنما اپنا فخر کہتے نہ تم اس کا اندھا دھند اتباع کرتے، نہ تم اس پر قرآن و حدیث کی تمام عمر شاکر کرتے، نہ تم

اسے مذکر مبعوث من اللہ جانتے، نہ تم اسے جبرائیل امین کا لقب روح اعظم دیتے، نہ تم اسے خضر و مسیح بلکہ تمام انبیاء بلکہ سید الانبیاء سے افضل بتاتے، نہ تم آج ہندوؤں کی ہمتیں اتین بڑھاتے کہ وہ یہ کہہ پاتے کہ مسلمانوں کے تمام مقامات مقدسہ بلکہ کعبہ مکرمہ پر اوم کا جھنڈا گاڑیں گے نہ تم یہ کلمہ خبیثہ خود سنتے، نہ اوروں کو سنواتے شرم، شرم، شرم ہل انتم

منتھوں ۱۶!

یہ دلدوز کہانی سن کر ہر ذی ہوش و گوش کبھی بھی برداشت نہیں کر سکتا، اسلام پر جب بھی کسی نے حملہ کیا چاہے انگریزوں کے ذریعے یا ہندوؤں کے ذریعے یا خود نام نہاد مسلمانوں کے ذریعے فوراً مفتی اعظم قدس سرہ کی عزیمت و جلال اور اسلامی جذبے نے کروٹ لی۔ اور بے تابانہ تعاقب کیا مفتی اعظم کا منشاء تھا کہ کوئی بھی کام اسلامی حدود میں رہ کر کیا جائے سیاست مذہب سے الگ تھلگ نہیں ہے مگر قائدانہ صلاحیت ہونی چاہیے اس بھیانک دور میں مفتی اعظم نے مسلمانوں کی صحیح رہنمائی فرمائی اور لوگوں کو تحریک خلافت کے مضر اثرات سے آگاہ فرما دیا امت مسلمہ کو سخت تنبیہ فرماتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

اے کاش! مسلمان اب بھی بیدار ہو جائیں تو ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ ہنود بے بہبود کو ان کی اس دریدہ ذہنی، ان کی اس ناپاک حرکت اور صریح گستاخی، اور سخت بدکلامی اور ہرزہ سرائی کا مزہ چکھادیں چھٹی کا دودھ یاد دلادیں اور اپنے بزرگوں کی یاد تازہ فرمادیں اسلام کا پرچم ان کے سروں پر لہرا دیں خدا کا پسندیدہ دین کا علم ان کے قلب و دماغ میں نصب کرادیں شجرۃ اسلام ان کے سینوں میں لگا دیں مسلمانو! اٹھو اللہ جلد اٹھو امتحان کا وقت ہے آزمائش کا عہد ہے دیکھو دیکھو کسوٹی پر پورے اترو

پیارے اسلام کی مدد کروا اگر خدا نخواستہ تم نے بے پروائی کی اور اس کی مدد نہ کی تو واللہ واللہ کہ اسلام کا کچھ نہ بگڑیگا اس کا ذرا نقصان نہ ہوگا تم ہی بگڑ جاؤ گے تم ہی نقصان اٹھاؤ گے تم ہی ٹوٹا کھاؤ گے تم ہی خراب و خستہ دست و پابستہ قیامت میں آؤ گے بلکہ دنیا ہی میں اس بے حیاتی، اس بے حیائی اس بے غیرتی کا طراپاؤ گے اسلام کا مالک، اسلام کا حافظ اللہ واحد قہار ہے وہ اسکی حفاظت فرمانے والا ہے۔ ۱۷

اتنی طویل گفتگو کے بعد شاید یہ بات ذہن میں آئے کہ حضرت مفتی اعظم اس بات کے مخالف تھے کہ ترکوں کو امداد پہنچائی جائے ایسا ہرگز نہیں تھا بلکہ مفتی اعظم کا کہنا تھا کہ سلطان تو سلطان ہر مسلمان کو مدد پہنچا سکتے ہیں واضح طور پر فرماتے ہیں:

سلطنت اسلام تو سلطنت اسلام ہے، سلطان تو سلطان ہیں ہر فرد

مسلم پر ہر فرد مسلم کی خیر خواہی لازم ہے۔ الدین النصح لكل مسلم

ارشاد پاک حضور پر نور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر ناطق ہے۔ ۱۸

حضرت مفتی اعظم قدس سرہ اور آپ کے والد بزرگوار امام احمد رضا بریلوی انگریزوں کے

سخت ترین مخالف تھے انگریز کی ایک ایک چیز سے نفرت تھی بقول علامہ مفتی اختر رضا ازہری:

سیدی مفتی اعظم کی نظر کسی مسلمان کے گلے میں بندھی ہوئی ہوئی

ٹائی پر پڑتی تو فرماتے کہ یہ قرآن کا رد ہے اور نصرائیوں کا مذہب ہی شعار ہے

نورا گلے سے خود کھینچ لیتے۔ ۱۹

مفتی اعظم ہند اپنے وقت کے جید عالم مفکر اور مجدد تھے یہی نہیں بلکہ ایک صاحب فکر

و صاحب بصیرت مدبر سیاست داں تھے ان کی سیاسی سوجھ بوجھ نے مسلمانوں کی صحیح

رہنمائی کی، مسلمانوں کو خود غرض اور مفاد پرستوں سے آگاہ کرتے رہے مگر آج کی گندی

سیاست سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا۔ ۲۰

مفکر کی اہمیت اس بات میں نہیں کہ وہ کتنے گھن گرج بادلوں کے ساتھ اٹھا اور چھا گیا کتنے آدمی اس کی جماعت میں شریک ہوئے کس حد تک اس نے دنیا میں انقلاب برپا کیا مفکر اور سیاسی بصیرت کی حامل شخصیت کی اہمیت اس بات میں حق و صداقت اور زندگی کی تعمیر و تشکیل میں کیا کردار ادا کیا ہے پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد کراچی تفصیلات بیان کرتے ہیں:

۱۔ زندگی میں حسن و صداقت کے کتنے نامعلوم پہلو اس نے اجاگر کئے؟

۲۔ جو صورت حال اس فکر کی محرک تھی، اس کے رد عمل میں کسی مثبت اور قائم بالذات عمل کی تخلیق کی گئی۔

۳۔ وہ فکر زندگی کے لئے کیسے اعلیٰ مقاصد اور اقدار کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور ظلمت و بہیمت سے نکال کر عدل و انصاف کی طرف لے جانے والا ہے؟

۴۔ اس کی فکر نے انسانی زندگی کے ان ممکنات کو کس درجہ وسیع کیا جو اس وقت تک ممکن نظر نہ آتے تھے جب تک وہ قوغ پذیر نہ ہو گئے؟

۵۔ اس کی فکر نے انسانی زندگی اور تاریخ اور پر کیسا اور کتنا اثر ڈالا ہے؟

مذکورہ بالا معیار فکر کو پیش نظر رکھ کر عدل و انصاف کے ترازو پر تولنے پھر دیکھئے حضرت مفتی اعظم نے ملت اسلامیہ کو کیا کچھ عطا کیا والد ماجد امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے علاوہ بلاشبہ تنہا میدان میں نظر آتے ہیں زمانے کے نشیب و فراز نے کبھی بھی ان کی فکر میں کوئی لچک نہ پیدا کی وہ اپنے وقت کے واحد قائد اعظم تھے جو اپنی فکری بنیادوں میں معاصر شخصیات سے بھی آگے نکل گئے۔

مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی کی سیاست اور فکر تا بناک نظر آتی ہے ان کے افکار عالیہ میں ملت اسلامیہ کے لئے بہت کچھ ہے ہماری قوم مسلم کا ملی فریضہ ہے کہ ان کے مخفی خزانوں کو عالم آشکار کرے۔

حضور مفتی اعظم ہند کے سیاسی افکار مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی

حواشی

- ۱۔ مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی طرق الہدی والارشاد ص ۳۶۔
- ۲۔ اخبار ہمد لکھنؤ بابت کے نومبر ۱۹۲۲ء
- ۳۔ امام احمد رضا بریلوی دوام العیش ص ۵۔
- ۴۔ مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی طرق الہدی والارشاد ص ۲۳، ۲۲۔
- ۵۔ روزنامہ اخبار ہمد لکھنؤ: بابت کے نومبر ۱۹۲۲ء
- ۶۔ روزنامہ اخبار ہمد لکھنؤ: بابت کے نومبر ۱۹۲۲ء
- ۷۔ روزنامہ اخبار ہمد لکھنؤ: بابت کے نومبر ۱۹۲۲ء
- ۸۔ امام احمد رضا بریلوی دوام العیش فی ائمة من القریش ص: ۳
- ۹۔ امام احمد رضا بریلوی دوام العیش ص ۳
- ۱۰۔ مولانا عبدالحکیم شرف قادری البریلویت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ ص ۲۳۲۔
- ۱۱۔ امام احمد رضا بریلوی الحجۃ المومنین فی آیات الممتحنہ ص ۲۸
- ۱۲۔ مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی مقدمہ دوام العیش ص ۱۰
- ۱۳۔ مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی مقدمہ دوام العیش ص ۱۱
- ۱۴۔ مسعود احمد ڈاکٹر آئینہ رضویات ص ۱۵۶
- ۱۵۔ الف ہفت روزہ مدینہ بجنور: بابت یکم اپریل ۱۹۲۰
- ۱۶۔ مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی طرق الہدی والارشاد ص ۲۳، ۲۲
- ۱۷۔ مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی طرق الہدی والارشاد ص ۲۳، ۲۳
- ۱۸۔ مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی طرق الہدی والارشاد ص ۵۳، ۵۳
- ۱۹۔ علامہ اختر رضا خان ازہری ثانی کا مسئلہ ص ۳
- ۲۰۔ مولانا محمد شہاب الدین رضوی شمع فروزاں ص ۲۰

تحریک آل انڈیائی اوقاف کانفرنس دہلی

(مولانا محمد شہاب الدین رضوی)

کانگریس کارول ہر جگہ جانبداری ہی رہا چونکہ علماء اہلسنت حق پسند اور حق گو ہوتے ہیں اس لئے اپنے کانگریسی علماء جو اس کے ہاتھ بکے ہوئے تھے ان کا فیور کرتی رہی ایک زمانے کی بات ہے کہ کانگریسی حکومت ہند نے جانبداری سے کام لیتے ہوئے غیر منصفانہ طور پر اہلسنت کے اداروں اور اوقاف پر غیر سنیوں کو بالادستی کا حق دے دیا۔ ۱۹۶۰ میں حکومت ہند نے ایک وقف ایکٹ کے ذریعے اہلسنت کے حقوق پائمال کرنے کی کوشش کی نیز مسلمانوں کے تعلیمی اداروں کا اسلامی تشخص اور امتیاز ختم کرنے کی سازش کی، اور مختلف صوبوں میں مسلمانوں کے مذہبی مقامات، مساجد و مزارات کو ظلماً چھیننے کی کوشش کی۔

اس صورت حال کے پیش نظر شہزادہ علی حضرت مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی نے تمام علماء و مشائخ کو جمع کیا اور دسمبر ۱۹۶۱ کو آل انڈیائی اوقاف کانفرنس دہلی میں منعقد کی اس کانفرنس میں ڈیڑھ لاکھ افراد نے والہانہ انداز میں شرکت فرمائی یہ کانفرنس ایسی موثر اور کامیاب ثابت ہوئی کہ ایوان حکومت میں زلزلہ آگیا وزیر اعظم ہند اور دیگر صاحبان اقتدار نے از خود ملاقات کی خواہش ظاہر کی اور مسلمانوں کے مطالبات کو بغور سنا اور اس پر عمل کیا اس طرح اہل سنت کے مذہبی ادارے اپنا اسلامی تشخص برقرار رکھ سکے اور مسلمانوں کی قدیم مسلم یونیورسٹی علی گڑھ دستبر دو غیر مسلم حکومت سے محفوظ رہی۔

آل انڈیائی اوقاف کانفرنس دہلی کے عظیم الشان اجتماع نے اپنے تشخص کی بات کہہ کر پورے ہندستان کو ہلا کر رکھ دیا حضرت مفتی اعظم قدس سرہ کی سرپرستی و ایما سے ہونے والی کانفرنس نے یہ ثابت کر دیا کہ اگر سنی اوقاف میں ترمیم و تہنیک کی گئی تو ہم

برداشت نہیں کر سکتے، اور ہمارا اگلا قدم بڑا خطرناک ہوگا پورے ملک میں احتجاج شروع ہو جائے گا پھر کیا تھا کہ ہندوستان کی انتظامیہ اور برسر اقتدار حکمرانوں کی چولیس ہل گئیں اور حکومت وقت نے حضرت مفتی اعظم کی بات منظور کر لی۔

اس کانفرنس کی عظیم الشان کامیابی کے بعد حضرت مفتی اعظم قدس سرہ کی سرپرستی میں جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی نے کل ہند تعلیمی تنظیمی کانفرنس دہلی کے ذریعے ہندوستان کے تمام سنی اداروں اور مدارس کو مربوط کرنے کی کوشش شروع کی، ملک کے گوشے گوشے کا دورہ کرنے، اور ان اداروں کے تفصیلی کوائف مرتب کرنے کے لئے وفد ترتیب دیا گیا۔ ۲

حضرت مفتی اعظم قدس سرہ نے مسلمانوں کے تنزل کے اسباب تلاش کر لئے تھے کہ یہ قوم مسلم میں جو انحطاط و زوال ہے وہ صرف تعلیمی پسماندگی کا ہی نتیجہ ہے اگر ہماری قوم تعلیم کے اسلحے سے لیس ہوگی تو شعور اور ادراک فہم و فراست سے جذباتی نہ ہوگی اور جب ایسا نہ گا تو پھر کوئی بھی مسلم قوم کا استحصال نہیں کر سکتا حضرت مفتی اعظم چاہتے تھے کہ مسلم معاشرہ پاک و صاف رہے معاشرتی نظام کی درستگی کے لئے تحریک میں کانفرنس اور جلسہ و جلوس کرتے رہے۔ حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا درس دیتے رہے چونکہ وہ خود عاشق رسول تھے اور جو عاشق رسول ہوگا تو وہ قوم مسلم کو ناموس مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں شمشیر بکف دیکھنا چاہے گا۔

حضور مفتی اعظم ہند کے سیاسی افکار ص ۱۵۵ مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی

حواشی

۱ الف: ماہنامہ نوری رکن بریلی شریف ص ۸۳ تا ۸۴ بابت جنوری ۱۹۶۲ء

۲ محمد جلال الدین قادری، مولانا: محدث اعظم پاکستان ج ۱، ص ۸۱، بحوالہ نوری کرن

جنوری ۱۹۶۲ء

جماعت انصار الاسلام بریلی

(مولانا محمد شہاب الدین رضوی)

۱۔ علیحضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز نے سلطنت ترکی کی امداد کے لئے ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۳ء میں چار انتہائی سود مند تدبیریں تدبیر فلاح و نجات و اصلاح کے نام سے شائع کیں۔ اگر ان تدابیر کو اپنایا جاتا تو پوری قوم کا دینی اور معاشی نقشہ ہی بدل جاتا، وہ چار تدبیریں یہ ہیں:

- ۱۔ سو ان باتوں کے جن میں حکومت کی دست اندازی ہے اپنے معاملات باہم فیصلہ کر لیں کہ کروڑوں روپے مقدمہ بازیوں میں نہ اڑائیں۔
- ۲۔ مسلمان اپنی قوم کے ماسوا کسی سے کچھ نہ خریدیں کہ گھر کا نفع گھر ہی میں رہے۔
- ۳۔ بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدرآباد وغیرہ کے تو نگر مسلمان اپنے بھائیوں کے لئے بینک کھولیں، سود شرع نے حرام قطعی فرمایا ہے مگر اور سو طریقے نفع کے حلال فرمائے ہیں۔

۴۔ سب سے اعظم۔ دین کی ترویج و تحصیل (۱) اراکین جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی: دوامع الخیر، ص ۲۸، حسنی پریس بریلی۔ ۱۔

امام احمد رضا بریلوی نے اس جماعت کو قائم کر کے سلطنت ترکی کی حمایت میں بہت کچھ کیا اس کے ذریعے مسلمانوں کی توجہ سلطنت اسلامی کی طرف مبذول کرائی گئی مولانا شاہ سید آل رسول محمد میاں قادری مارہروی، امام احمد رضا محدث بریلوی اور جماعت انصار الاسلام بریلی کی مساعی حمیدہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

آج (۱۳۴۰ھ ۱۹۲۱ء) سے برسوں پہلے جنگ بلقان ۱۲-۱۹۱۱ء کے

موقع پر انہوں نے سلطنت اسلامی اور مظلومین مسلمین کی اعانت و امداد کی مناسب و صحیح شرعی تدابیر لوگوں کو بتائیں، عام طور پر شائع کیں۔ قولاً و عملاً ان کی تائید کی، خود چندہ دے کر عوام کو اس طرف رغبت دلائی اور اب بھی لوگوں کو صحیح مفید شرعی طریقے اعانت اسلام و مسلمین کے بتاتے رہے۔

مولانا احمد رضا خان صاحب جو عملی کوششیں کر سکتے تھے، انہوں نے کیں۔ خود چندہ دیا، اور اپنے زیر اثر لوگوں سے دلویا، مسلمانوں کو اسلامی سلطنت کی امداد و اعانت پر توجہ و رغبت دلائی، تحفظ سلطنت اسلامی کو مفید و کارگر تدابیر بتائیں یہ عملی کوشش نہیں تو کیا ہے؟ اپنی جماعت انصار الاسلام قائم کی۔ ۲

حضرت مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا نوری بریلوی نے والد ماجد کے بعد وصال جماعت انصار اسلام کی ساری ذمے داریاں خود سنبھالیں، اور جماعت کو تیز تر کرنے کے لیے استاذ العلماء مولانا حسین رضا خان بریلوی کو جماعت انصار الاسلام کی نظامت سونپ دی پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد حضرت مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی کی تحریک زندگی کا خاکہ کھینچتے ہوئے لکھتے ہیں:

شہزادہ علی حضرت امام احمد رضا کی زندگی سراپا حرکت تھی، وہ ہر جگہ متحرک نظر آتے ہیں ابتدا سے لے کر انتہا تک حرکت ہی حرکت جب کفر و اسلام کو یکجا کیا جا رہا تھا، بھائی بھائی کا نعرہ لگایا جا رہا تھا۔ جو بے تابانہ آگے بڑھا اس کو ملامت کی پرواہ نہ تھی۔ اس نے اسلام کی آبرو پر اپنی عزت و آبرو قربان کر دی اور سب کچھ لٹا کر اسلام کو بچا لیا۔ طوفانی ہواؤں میں اس نے اسلام کی شمع روشن رکھی، بجھانے والوں نے اپنی سی کوشش کی مگر اس نے بھی تن من، دھن کی بازی لگا دی، اور بجھنے نہ دی اور جب کفار

وشرکین نے مسلمانوں کو مرتد بنانا چاہا، ان کو اپنے رنگ میں رنگنا چاہا ان کی تہذیب و تمدن کو مٹانا چاہا تو وہی تھا جو سینہ سپر ہو کر میدان میں آیا، وہ ایمان و یقین کا پاسدار تھا وہ تہذیب و ثقافت کا محافظ تھا، اس نے ملت کی کشتی کو ڈوبنے نہ دیا اس نے اللہ کے رنگ کو مٹنے نہ دیا وہ انگریزوں کا خیر خواہ نہ تھا، وہ مسلمانوں کا خیر خواہ تھا وہ مسلمانوں کا غم خوار تھا۔

عالم جوانی میں چلنے والی تحریکوں میں وہ آگے آگے رہا وہ بریلی میں قائم ہونے والی جماعت رضائے مصطفیٰ اور جماعت انصار الاسلام کا رکن رکین تھا۔ وہ جماعت جس نے مسلمانان عالم اور مسلمانان ہند کی خیر خواہی کے لئے وہ سب کچھ کیا جو وہ کر سکتی تھی۔ ۳

امام احمد رضا بریلوی کے تحریر کردہ چار معاشی نکات کو مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی نے عملی جامہ پہنایا، اور اس کی کامیابی کا سہرا جماعت انصار الاسلام بریلی کے ایک جلسے کی قرارداد کے چند نکات ملاحظہ ہوں ان نکات سے بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ عنقوان شباب ہی سے مفتی اعظم کس نوعیت کی سیاست کے قائل اور عامل تھے اور مسلمانوں کے لئے کیسا درد ان کے سینہ میں تھا مندرجہ ذیل نکات حضرت مفتی اعظم کے برادر عم زاد مولانا حسنین رضا بریلوی نے شائع فرمائے:

- ۱۔ حفاظت مقامات مقدسہ اور مظلومین ترک کی امداد و اعانت۔
- ۲۔ اندرونی اور بیرونی دشمنوں سے مسلمانوں کی حفاظت۔
- ۳۔ معاشرتی تمدن اور اقتصادی مفادات کی طرف مسلمانوں کی رہنمائی۔
- ۴۔ ترک و عرب اتحاد کے لئے کوشش و سعی۔
- ۵۔ خلاف شرع برطانوی قانون میں ترمیم کا مطالبہ۔
- ۶۔ مسلمانوں کو اسلامی بینک کھولنے کی ترغیب دینا۔

۷۔ تجارت بڑھانے کے لئے مسلمانوں کو شوق دلانا۔

۸۔ مسلمانوں کے لئے اسلامی خزانہ کے قیام، اور بیت المال کے لئے کوشش

کرنا۔ (۱)

حضرت مفتی اعظم بریلوی کے بھتیجے و خلیفہ اور مولانا حسنین رضا خاں کے فرزند اصغر مولانا محمد حبیب رضا خان نوری (مفتی مرکزی دارالافتاء بریلی) بیان فرماتے ہیں کہ میرے والد بزرگوار مولانا حسنین رضا خاں یہ بارہا فرمایا کرتے تھے کہ:

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رضی اللہ تعالیٰ عنہ تبلیغ دین کے لئے رسائل چھپوا کر مفت تقسیم کیا کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے کافی زیر بار ہونا پڑتا تھا، اس ضرورت اور بعض دیگر اہم ضرورتوں کا لحاظ کر کے جماعت انصار الاسلام اور جماعت رضائے مصطفیٰ کی تشکیل ہوئی تاکہ رسائل اور دینی کتب جماعت اپنے صرفہ سے چھپوا کر تقسیم کرے اس جماعت نے بہت کام کئے، اور قلیل مدت میں بہت ترقی کی یہاں تک کہ بغداد شریف میں حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے سجادہ نشین بھی جماعت میں شامل ہو گئے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے زمانے میں وہ بزرگ جماعت انصار الاسلام، جماعت رضائے مصطفیٰ کے لئے چندہ ارسال فرماتے تھے۔ جماعت کی

کامیابی کے لئے آستانہ غوث الوریٰ پر دعائیں کیا کرتے تھے۔ ۳

جماعت انصار الاسلام نے ہر وقت اور ہر موقع پر مسلمانان ہند کی رہنمائی کے لئے تحریک چلائی اور اس کے سرپرست و اراکین نے اسلام و سنیت کو اپنے خون جگر سے سینچا، سرسبز و شاداب بنایا کتنی ہی آندھیاں آئیں اور بہت سے متزلزل لوگ اس ہوا کے جھونکے میں اڑ گئے، مگر جماعت انصار الاسلام کے پائے ثبات میں ذرا سی بھی لغزش نہ ہوئی۔

حضور مفتی اعظم ہند کے سیاسی افکار ص ۱۵۷ مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی

حواشی

۱۔ امام احمد رضا بریلوی کے حکم سے جماعت الانصار بریلی کا قیام ۱۳۲۹ھ / ۱۹۱۱ء میں ہوا (۲) محمد جلال الدین قادری: مولانا، محدث اعظم پاکستان ج ۱ ص ۳۷ مکتبہ قادریہ لاہور۔

۲۔ محمد میاں قادری مارہروی سید مولانا: برکات مارہرہ مہمانان بدایوں، ص ۳۱، ۱۱، م: بریلی شریف

۳۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد شہزادہ امام احمد رضا حضور مفتی اعظم، ص ۱۰، م رضا اکیڈمی بمبئی ۱۴۱۰ھ

۴۔ بروایت مولانا مفتی محمد حبیب رضا نوری، ۶ / رمضان المبارک، ۲۱ / مارچ ۱۴۱۲ھ ۱۹۹۲ء



فروع ایسٹنٹ ایما ایسٹنٹ کنکشن کاتی پرگرام

- ① عظیم الشان مدارس کھولے جائیں۔ باقائدہ تعلیمیں ہوں
- ② طلبہ کو وظائف ملیں کہ خواہی نہ خواہی گرویدہ ہوں
- ③ مدرسوں کی بیشس قرار نخواستیں ان کی کارروائیوں پر دی جائیں
- ④ طبائع طلبہ کی جانچ ہو جو جس کام کے زیادہ متاثر ہو دیکھا جائے مقبول وظیفہ دیکراں میں لگایا جائے
- ⑤ ان میں جو تیار ہوتے جائیں نخواستیں دیکر ملک میں پھیلائے جائیں کہ تحسیر زیادہ تقریراً و وعظاً و مناسقاتاً امت دین و مذہب کریں
- ⑥ حمایت مذہب و رد مذہبیاں میں مفید کتب و رسائل مستفوز کی نذرانے دئے کہ تصنیف کر لے جائیں
- ⑦ تصنیف شدہ اور نو تصنیف رسائل عمدہ اور خوشخط چھاپ کر ملک میں مفت تقسیم کئے جائیں
- ⑧ شہروں شہروں آپ کے سفیر نگران دیں جہاں جس قسم کے واعظ یا مناظر یا تصنیف کی حمایت ہو آپ کو اطلاع دیں، آپ سرکوبی اعداد کے لئے اپنی فوجیں، میگزین اور رسائل بھیجتے رہیں
- ⑨ جو ہم میں قابل کار موجود اور اپنی معاش میں مشغول ہیں وظائف مقرر کر کے فارغ الیال بنائے جائیں اور جس کام میں انھیں بہارت ہو لگائے جائیں
- ⑩ آپ کے مذہبی اخبار شائع ہوں اور وقتاً فوقتاً ہر قسم کے حمایت و مذہب میں ہر ماہیہ حرام آگ میں بقیمت و بلا قیمت روزانہ یا کم لگنے کم ہفتہ وار شائع ہوتے رہیں
- ⑪ حدیث کا ارشاد ہے کہ "آخر زمانہ میں دین کا کام بھی درم و دینار سے چلے گا اور کپور و درہ اور ہیرہ کہ صادق و مصدوق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کلام ہے" (باری عز و جل ص ۱۱۳)

Raza Academy

26, Kambekar Street, Mumbai-3

Ph.: 022- 23454296